بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

نوائے دل

از

علامہ محمد احمد مصباحی
ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

مرتب

مولانا جنید احمد مصباحی
استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

ناشر
مصباحی پبلی کیشن
محمد آباد گوہنہ، مئو پن کوڈ: ۲۷۶۴۰۳

عرض حال

اپنے اسلاف اور بزرگوں کو یاد رکھنا اور ان کی دینی، علمی، تحریری، تقریری، تدریسی اور تحریکی خدمات دنیا کے سامنے پیش کرنا اور عوام و خواص کے روبرو کرنا زندہ دل قوم کی علامت اور اس کا اخلاقی و ملی فریضہ ہے تاکہ یہ نابغۂ روز گار ہستیاں اپنی خدمات کی روشنی میں رہتی دنیا تک زندہ و جاوداں رہیں۔

خیر الاذکیا عمدۃ المحققین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب قبلہ دام ظلہ العالی کا شماران نابغۂ روز گار اور عبقری شخصیات میں ہوتا ہے جو کبھی کبھی آسمان علم و فضل پر "شمس بازغہ" کی صورت میں ضوفشاں ہوتی ہیں۔ آپ نے اب تک جو تدریسی و تحریکی، تحریری و تقریری، تحقیقی و تصنیفی دینی اور ملی خدمات انجام دیں ہیں وہ تقریباً نصف صدی کو محیط ہیں، ہم نے آپ کی گوناگوں خدمات سے صرف تقریری خدمات کا احاطہ کرنے کے لیے ان کو کتابی شکل میں جمع کرنے کی کوشش کی ہے اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے۔

۲۰۱۴/۱۵ء کی بات ہے کہ راقم الحروف نے خیر الاذکیا علامہ محمد احمد مصباحی کے کچھ خطبات آڈیو ریکارڈنگ سے نقل کرکے ماہ نامہ اشرفیہ میں شائع کرائے جن کی کافی پذیرائی ہوئی اور اس پذیرائی کے نتیجے میں خیال آیا کہ کیوں نہ حضرت کے کچھ اور خطبات حاصل کرکے کتابی شکل میں مرتب کر دیے جائیں۔

بس اس خیال کو اپنے کچھ احباب اور اساتذۂ کرام کے سامنے ظاہر کیا تو ان تمام حضرات نے نہ صرف تائید کی بلکہ یہ مفید مشورہ بھی دیا کہ اس میں مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے تحت ہونے والے فقہی سیمینار میں پیش کردہ خطبات صدارت کو بھی شامل کرلیں، میں نے فوراً حامی بھرلی اور اس نیک فال کو اپنی مصروفیات میں شامل کرلیا۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے میں نے مجلس شرعی کے آفس سے فقہی سیمینار میں دیے گئے خطبات کی کاپی لے کر اس کی فوٹو کاپی اپنے پاس محفوظ کرلی اس کے علاوہ ملک کے مختلف خطوں میں منعقد ہونے والے علمی و تحقیقی سیمیناروں کے خطباتِ صدارت کے لیے میں نے حضور مصباحی صاحب قبلہ سے عرض کیا تو حضرت نے کچھ حضرات کے موبائل نمبر دیے اور فرمایا کہ ان سے رابطہ کریں اگر انھوں نے محفوظ کیے ہوں گے تو مل جائیں گے ان شاء اللہ اس طرح کچھ خطبات جو مبارک پور سے باہر دیے گئے تھے موبائل کے ذریعہ موصول ہوئے۔

اس کام میں مشغولیت کے بعد کچھ کانفرنس اور اجلاس میں راقم الحروف خود ہی حضور مصباحی صاحب قبلہ کے ساتھ رہا اور ان جلسوں میں جو خطاب ہوتا میں خود ہی اسے ریکارڈ کرلیتا اور پھر وقت نکال کر تھوڑا تھوڑا کر کے نقل کرتا رہا چوں کہ سن کر نقل کرنے کا کام بڑا اہم اور وقت طلب تھا اس لیے اس میں ایک لمبا وقت صرف ہوا۔

اب جب ان قیمتی خطبات کی اچھی خاصی تعداد ہوگئی تو میں نے کمپوز کے لیے حضرت کے صاحب زادے مولانا فیضان رضا امجد مصباحی، مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد گوہنہ کے حوالے کر دیے۔ کمپوزنگ کے بعد میں نے یہ مسودہ خیر الاذکیا دام ظلہ العالی کی بارگاہ میں تصحیح اور نظر ثانی کے لیے پیش کر دیا۔

حضرت نے اپنے نہایت ہی قیمتی اور مصروف ترین اوقات سے کچھ وقت اس کی تصحیح میں صرف کیا اور پورے مسودہ کی تصحیح فرما دی جس کے لیے میں حضرت کا بے حد مشکور و ممنون ہوں۔

اس دوران کچھ خطبات اور حاصل ہوئے لہٰذا ان کی بھی کمپوزنگ کروا کر اور پہلے مسودے میں تصحیح کے دوران جو اصلاحات حضرت نے فرمائیں اور اغلاط کی نشان دہی فرمائی ان سب کو درست کرنے کے بعد دوسری کاپی پھر حضور خیر الاذکیا کی بارگاہ میں بغرض اصلاح پیش کر دی۔

حضرت نے دوبارہ بالاستیعاب پورے مسودے کا مطالعہ فرمایااور کچھ چیزوں کی پھر نشان دہی فرمائی اور پھر خود ہی پورا مسودہ اپنے ایک لائق وفائق اور معتمد تلمیذ رشید حضرت علامہ مولانا عارف اللہ فیضی مصباحی صاحب قبلہ استاذ دارالعلوم فیض العلوم محمد آباد گوہنہ، مئو کے حوالے کر دیا اوران سے ارشاد فرمایا کہ اس کا دقت نظر سے مطالعہ کرکے حاصل مطالعہ کی شکل میں کچھ تحریر بھی کر دیں۔

میں شکر گزار ہوں حضرت مولانا عارف اللہ فیضی صاحب قبلہ کا جنھوں نے پورے مسودے کو پڑھ کر اپنا حاصل مطالعہ ''کچھ کتاب اور صاحب کتاب کے بارے میں'' کے عنوان سے ایک مضمون کی شکل میں عنایت کیا۔

حضرت فیضی صاحب قبلہ نے اپنے مضمون کے اندر کچھ خطبات کے نکات اوراہم گوشوں کو ذکر کیا ہے نیز صاحب کتاب کے تعلق سے کچھ ایسی باتیں سپرد قرطاس کی ہیں جو ہماری معلومات اور کتاب کی اہمیت میں اضافہ کر رہی ہیں،اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر سے نوازے۔

میں نہایت ہی ادب واحترام کے ساتھ سراج الفقہا،محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی محمد نظام الدین صاحب قبلہ دام ظلہ العالی کا مشکور ہوں جنھوں نے اس کتاب کے لیے دعائیہ کلمات لکھ کر میری کاوش کی حوصلہ افزائی کی،اللہ تعالیٰ حضرت کو صحت وتندستی عطا فرمائے اوران کے فیضان علمی سے سیراب کرے۔

اس کتاب کو دو باب میں تقسیم کیا گیا ہے:

پہلے باب میں وہ خطبات رکھے گئے ہیں جو مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کے تحت ہونے والے فقہی سیمینار میں دیے گئے ہیں جب کہ دوسرے باب میں ملک کے مختلف علاقوں میں منعقد ہونے والے علمی، تحقیقی سیمینار اور کانفرنسوں کے خطبات رکھے گئے ہیں اور کتاب کا نام ''نوائے دل'' تجویز کیا گیا ہے۔

اخیر میں اپنے ان تمام محسنین ومعاونین کے لیے دعا گو ہوں جنھوں نے اس

کار خیر میں کسی طرح کا تعاون کیا ہے اور مفید مشوروں سے نوازا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ تمام حضرات کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے اور سب کے علم میں، عمر میں برکت عطا فرمائے۔

رب تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں التجا ہے کہ وہ میری اس کاوش کو قبول فرمائے، اسے قبول عام وخواص عطا فرمائے، ہم سب کے لیے مفید ونافع بنائے اور مجھے خدمت دین کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

جنید احمد مصباحی
خادم علم: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

۲۹/ ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ
٦/ جنوری ۲۰۱۹ء

دعائیہ کلمات

سراج الفقہا محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی
صدر المدرسین وصدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
حامداو مصلیا و مسلما

علم دین نور الٰہی ہے جس کی جلوہ گاہ علما کے دل ودماغ ہوتے ہیں اوران کی تصنیفات بھی اوران کے فتاویٰ ومکتوبات وخطبات بھی۔ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا علم زیادہ تران کے مکتوبات میں ملتا ہے اوراعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا زیادہ ترآپ کے فتاویٰ میں، امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنا علم اپنے تراجم ابواب میں مضمر کیا ہے غرض یہ کہ یہ علم عجیب شے ہے جہاں ہوتا ہے وہیں سے روشنی بکھیرتا رہتا ہے۔ صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی کے علم کا ایک حصہ ان کے خطبات میں ہے جیسا کہ ناظرین کو مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہو گا، آپ کے علم کی جلوہ گاہ آپ کی متعدّد تصانیف، ترجمے، حواشی اور یہ خطبات ہیں۔ آپ کے خطبات میں اختصار، جامعیت، تحقیق اور جدت پائی جاتی ہے۔ قلم سیال، زبان شستہ اور مضامین اصلاحی ہیں یہ خطبات مختلف سیمیناروں اور علمی مجالس میں حضرت ممدوح نے پیش فرمائے، جنھیں محب محترم جناب مولانا جنید احمد مصباحی نے بڑے سلیقے سے مرتب کر کے یکجا کیا ہے جس کے باعث اس کی افادیت بہت عام ہو چکی ہے، مولانا جنید احمد صاحب موصوف جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے ۲۰۱۱ء میں درجۂ فضیلت سے اور ۲۰۱۳ء میں درجۂ تحقیق فقہ سے فارغ ہوئے پھر ۲۰۱۴ء سے جامعہ کے شعبۂ تدریس سے وابستہ ہیں وطن مالوف رام پور ہے، موصوف نے دو کتابوں کے جزئیات اوراحادیث

کی تخریج کی ہے اور کچھ سیمیناروں کے لیے مقالات بھی تحریر کیے ہیں، آپ کی ایک فکری کاوش پیش نظر خطبات کی ترتیب بھی ہے۔

دعا ہے کہ خداے قدیر مولانا موصوف کے علم و عمر، فضل، اقبال میں خوب برکتیں عطا فرماے۔آپ سے دین کے کام لے اور آپ کے علمی فیضان کو عام کرے اور صاحب خطبات کے فیوض و برکات سے ایک جہاں کو سرفراز فرمائے اور ان کی خدمات کو شرف قبول بخشے۔آمین بجاہ حبیبك النبی الکریم الامین علیه وعلیٰ آله الصلوۃ والسلام.

۸؍ جمادی الاولی ۱۴۴۰ھ　　محمد نظام الدین رضوی

۱۵؍ جنوری ۲۰۱۹ء　　صدر المدرسین و صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ

کچھ کتاب و صاحب کتاب کے بارے میں

ادیب شہیر حضرت مولانا محمد عارف اللہ المصباحی
استاذ مدرسہ عربیہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ ضلع مئو

خیر الاذکیاء، استاذی الکریم حضرت علامہ محمد احمد صاحب قبلہ مدظلہ العالی علوم وفنون عقلیہ ونقلیہ میں کامل دست گاہ رکھنے کے ساتھ عربی، فارسی اور اردو زبانوں پر بھی مکمل دسترس رکھتے ہیں۔ عصری اسالیب میں عربی اور اردو میں آپ کی تصنیف کردہ کتب اور آپ کے تحریر کردہ مقالات وخطبات میرے اس دعوے پر شاہد عدل ہیں، قدیم فارسی زبان وادب کے ساتھ جدید فارسی زبان وادب میں بھی آپ کو جو زبردست عبور حاصل ہے اس کا اندازہ تین چار صفحات پر مشتمل آپ کے ایک پر مغز اور نہایت متین وسنجیدہ مضمون سے ہوا۔

حضرت والا اپنے زمانۂ طالب علمی ہی سے وقت کی اہمیت اور اس کی قدر وقیمت سے پوری طرح واقف تھے اسی لیے آپ نے اپنا یہ قیمتی زمانہ نہ صرف اپنی نصابی کتابوں کے مطالعہ اور ان کے مضامین کو ذہن نشین کرنے میں گزارا بلکہ نصاب سے باہر کی ان کتابوں کا بھی گہری نظر سے مطالعہ فرمایا جو مستقبل کی زندگی کو کامیاب بنانے میں مددگار ثابت ہوں، اس سلسلے میں ایک بار مجھ سے فرمایا: میں نے دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں پڑھنے کے دوران اشرفی دار المطالعہ میں اس وقت موجود تقریباً چار ہزار کتابوں کا مطالعہ کر ڈالا تھا، بعض کتابوں کا تو متعدّد بار مطالعہ کیا۔

تحصیل علم سے فراغت کے بعد جب آپ نے میدانِ تدریس میں قدم رکھا تو اپنے علمی مشاغل میں کوئی کمی نہیں کی بلکہ اس میں اضافہ ہی فرمایا۔

اہل سنت کے متعدّد اداروں میں کامیاب تدریسی خدمات کی انجام دہی کے بعد

جب آپ الجامعۃ الاشرفیہ کے صدرالمدرسین بنائے گئے تو اپنے عہدۂ صدارت کے دوران آپ نے اپنے علم و عمل اور تدبر و دوراندیشی سے ادارے کے فروغ وارتقا، طلبہ کی ذہنی و فکری اور علمی و عملی تربیت اور درس و تدریس کے معیار کو بلند سے بلند تر کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جس کے نتیجے میں آج الجامعۃ الاشرفیہ ہندوستان کے اہل سنت کی آبرو، طالبانِ علومِ نبویہ کی پہلی ترجیح اور اسلام و سنیت کے دفاع اور اس کی ترویج و اشاعت کا نہایت اہم مرکز بن چکا ہے۔

آپ ایک عظیم دانش وَر، مستقبل شناس مفکر، بالغ نظر مدبِّر اور جماعتِ اہلِ سنت کے زبردست بہی خواہ ہیں۔

آپ کے زیرِ نگرانی مدارسِ اہل سنت کے لیے ایک جامع جدید نصاب تعلیم ترتیب دیا گیا جس میں عصر حاضر کے مذہبی، لسانی اور سیاسی و معاشی تقاضوں کو پوری طرح مدِ نظر رکھا گیا ہے۔

باطل فرقوں کے ابطال و تردید، مذہب اہل سنت و جماعت کی تائید و حمایت اور دینی و علمی اور تاریخی و سماجی موضوعات پر مشتمل کتابوں کی اشاعت کے لیے آپ اور آپ کے چند مخلص احباب نے المجمع الاسلامی مبارک پور جیسا عظیم قومی اشاعتی ادارہ قائم فرمایا جہاں سے آپ کی زیرِ نگرانی اب تک سیکڑوں مفید کتابیں اور رسائل طبع ہو کر مقبولیتِ عام حاصل کر چکے ہیں۔

درسی کتابوں کی اشاعت کے لیے مجلس برکات کے قیام کے بعد جب اس کی ذمہ داری حضرت والا کو سونپی گئی تو آپ نے ان تمام کتابوں کو جن پر علماے اہل سنت کے حواشی یا شرحیں تھیں مگر غیر سنی اشاعتی ادارے جنھیں ان علما کے ناموں کے بغیر شائع کر رہے تھے، ان علما کے ناموں اور ان کی مختصر سوانحِ حیات کے ساتھ شائع کرنے کا اہتمام فرمایا اور جن کتابوں پر علماے اہلِ سنت کے حواشی نہیں تھے انھیں مختلف علماے اہل سنت سے جدید حواشی لکھوا کر شائع کرایا۔

باذوق فارغین مدارس کی تحریری صلاحیتوں کو جِلا بخشنے اورانھیں پختہ کرنے کے لیے آپ اپنی زیرِ نگرانی ایک تربیتی کورس بھی چلارہے ہیں اس میں داخلہ پانے والوں کو اچھاخاصا وظیفہ بھی دیاجاتاہے۔اب تک درجنوں فارغین اس سے استفادہ کر چکے ہیں۔

آپ مدارس اہل سنت کے طلبہ کی ذہن سازی،ان کی علمی وعملی سرگرمیوں کو عصرِحاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے، انھیں دشمنانِ اسلام کی اسلام دشمن تحریکات اور مساعی کا کارگر مقابلہ کرنے کا اہل بنانے اوران کے اندراسلام ومذہبِ اہل سنت کی موثر تبلیغ واشاعت اوران کے اثبات واِحقاق کاملکہ پیداکرنے کے لیے مفید تجاویز اور مناسب تدابیر ہمیشہ پیش فرماتے رہتے ہیں۔

آپ اپنے ہم عصر علماخصوصًانوجوان علمااور جدید فارغین کومجلسِ شرعی مبارک پور کے سیمیناروں کے صدارتی خطبات کے ذریعہ اور دیگر مواقع پر بھی نوپید فرقوں کی گمراہ کن سرگرمیوں اوران کے مکائد اور شرانگیزیوں سے آگاہ کرتے،ان سے مقابلے کے کارگر طریقے اور موثر تدابیر بتاتے اورانھیں ان کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن جانے کی تلقین وتحریک کرتے رہتے ہیں۔

آپ شہرت وناموری، تکبر وخودپسندی اورلاف وگزاف سے کوسوں دوررہ کر خاموشی اور تن دہی کے ساتھ خدمتِ دین کے قائل ہیں،اللہ تعالیٰ ہم سب پر حضرت والا کاسایۂ کرم تادیر قائم رکھے۔آمین۔

زیرِ نظر کتاب زیادہ تران گراں مایہ خطبات پر مشتمل ہے جوآپ نے مجلس شرعی مبارک پور کے فقہی سیمیناروں میں مجلس شرعی کے صدر کی حیثیت سے پیش فرمائے۔ کچھ دیگر مواقع کے خطبات ومضامین بھی اس میں شامل کیے گئے ہیں۔ان میں بعض فی البدیہ اور بعض تحریری ہیں۔ان میں حضرت والامرتبت نے بڑی ہدایت آموز،اصلاح کن،فکر انگیز اور معلومات افزاباتیں ذکر فرمائی ہیں جن میں سے کچھ کی طرف میں نے اوپر

اشارہ کر دیا ہے۔

اس میں حضرت استاذی الکریم نے قرآن وسنت، اعمالِ صحابہ اور اقوال علما کی روشنی میں اہل سنت کے عقائد کا اِحقاق واثبات بھی کیا ہے چناں چہ ۲۵/ جنوری ۲۰۱۱ء کو سنی دعوتِ اسلامی کے زیر اہتمام جھولا میدان ممبئی میں منعقد ہونے والے تبلیغی ودعوتی اجلاس میں "توسل کی حقیقت" کے عنوان سے آپ نے ایک گراں قدر علمی و تحقیقی خطاب فرمایا جو اسی مجموعے کے صفحہ ۲۱۴ سے صفحہ ۲۳۸ تک کل پچیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

اس میں آپ نے دلائل وبراہین سے ثابت فرمایا ہے کہ انبیا واولیا کو وسیلہ بنانا اور ان سے استمداد کرنا جائز ہے ساتھ ہی مخالفین کے استدلالات کا سنجیدہ و مستحکم رد وابطال بھی فرمایا ہے۔

"اولیاء اللہ کی شان" کے عنوان سے ایک مختصر اور جامع و معلومات افزا خطاب بھی دعوت مطالعہ دے رہا ہے۔

عظیم شخصیات میں امامِ اعظم ابوحنیفہ، بحر العلوم علامہ عبد العلی فرنگی محلی، سراج الہند شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی اور مفتی اعظم ہند علیہم الرحمۃ والرضوان پر وقیع اور معلوماتی مضامین بھی اس مجموعے کی قدر وقیمت میں اضافہ کرتے ہیں۔

☆ ۲۴/ مارچ ۲۰۱۳ء کو بارہ دری، قیصر باغ، لکھنو میں "امام اعظم ابوحنیفہ سیمینار وکانفرنس" کا انعقاد ہوا اس میں آپ کا دیا ہوا خطبۂ صدارت اس مجموعے کے صفحہ ۱۹۱/ سے ۲۰۴/ تک پھیلا ہوا ہے اس میں آپ نے ثابت کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا احسان صرف مسلمانوں پر نہیں بلکہ غیر مسلموں پر بھی ہے کیوں کہ انھوں نے اس وقت کی وسیع وعریض خلافتِ اسلامیہ میں ہر ایک کے لیے حدیں مقرر کیں اور ہر ایک کو اس کا حق وانصاف دلایا۔

☆یکم فروری ۲۰۱۷ء کو پیرا کنک ضلع کشی نگر یوپی میں ''بحر العلوم فرنگی محلی سیمینار'' منعقد ہوا اس میں آپ نے جو خطبۂ صدارت پیش فرمایا وہ اس مجموعے کے صفحہ ۳۰۸ سے ۳۲۳ تک پھیلا ہوا ہے۔

اس میں آپ نے لکھا ہے کہ بحر العلوم صرف معقولات و منقولات کے ہی شناور نہ تھے بلکہ جامِ طریقت و معرفت سے بھی سرشار تھے۔ان کی ژرف نگاہی اور دقیقہ رسی اقران واخلاف میں ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

بحر العلوم اور ان کا پورا خاندان اسی مسلکِ فکر واعتقاد سے وابستہ تھا جسے اہل سنت وجماعت کے باعظمت نشان سے پہچانا جاتا ہے۔اس کا ثبوت حضرت بحر العلوم کے اس طویل عربی اقتباس سے فراہم ہوتا ہے جو فنِ منطق کے معروف رسالہ ''قطبیہ'' پر میر زاہد ہروی کے حواشی کے تحشیہ میں ہے۔اس کے خاص خاص نقاط درج ذیل ہیں:

(۱) تنزیہ باری تعالیٰ (۲) حضور ﷺ کو نبوت اس وقت حاصل ہوئی جب حضرت آدم علیہ السلام -جسم وجان کی درمیانی منزل میں تھے (۳) حضور کو ان کے رب نے وہ علوم عطا فرمائے جن کا ایک حصہ علمِ ماکان ومایکون ہے (۴) رسول اللہ ﷺ کا مثیل ونظیر نہ ماضی میں پیدا ہوا نہ مستقبل میں پیدا ہوگا، خلق میں کوئی ان کا ہم سر نہیں (۵) وہ خاتم انبیا ہیں (۶) وہ حوضِ کوثر اور مقامِ محمود والے ہیں۔

اس کے بعد تمام صحابۂ کرام، اہل بیت عظام، اہلِ بیت کے فردِ عظیم سرکار غوث اعظم اور اولیائے کرام کے بارے میں اہلِ سنت کے اجماعی موقف کی تائید اور ان سے اپنے حسنِ عقیدت ومحبت کا اظہار ہے۔

☆ ۱۳؍ فروری ۲۰۱۲ء کو خانقاہِ قادریہ ایوبیہ پیرا کنک ضلع کشی نگر یوپی میں سراج الہند حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات پر ایک سیمینار کا انعقاد ہوا اس کے مختصر خطبۂ صدارت میں آپ نے حضرت سراج الہند کی دینی، علمی اور عملی خدمات کا تعارف ان جامع جملوں میں فرمایا: ''سراج الہند کی خدمات کا دائرہ

پورے برصغیر کو محیط ہے۔انھوں نے درس وتدریس،تصنیف و تالیف،تزکیہ وارشاد اوروعظ وخطاب چاروں طریقوں سے دین وعلم کی خدمت اورعوام وخواص کی فکری، قلبی اور عملی تربیت میں کارہاے نمایاں انجام دیے ہیں۔ ان کے مواعظ حسنہ سے ایک جہان،فیض یاب ہواہے اوران کی تصانیف آج بھی اہل علم کی دست گیری اور مشکل کشائی کرتی ہوئی نظر آتی ہیں"۔

آج برصغیر میں جوبھی علما وفضلاہیں تقریباً سبھی کا سلسلۂ تلمذ خوصاً تلمذ فی الحدیث کسی نہ کسی واسطہ سے حضرت سراج الہند تک پہنچتا ہے۔یہ ان کی وہ عظیم خصوصیت ہے جو معاصرین کے درمیان ان کے امتیاز کے لیے کافی ہے۔

☆ الجامعۃ الاشرفیہ کی جماعتِ سابعہ کے طلبہ ۱۹۸۸ء سے ہر سال باقاعدہ "یوم مفتی اعظم ہند" کاانعقاد کرتے ہیں۔ حضرت الاستاذ نے ۱۴۳۶ھ کے یوم مفتی اعظم کے موقع پرجشنِ یوم مفتی اعظم ہند کے عنوان سے جوخطاب فرمایا اس میں فرمایا: یہ جشن، شہزادہ امام اہلِ سنت، تاج دارِ اہلِ سنت حضور مفتی اعظم ہند سے الجامعۃ الاشرفیہ کی وابستگی کی روشن دلیل ہے خصوصاً اس لحاظ سے بھی کہ اس جامعہ کی بیناد انھیں کے دستِ مبارکہ سے رکھی گئی تھی اور درس گاہ کی بلڈنگ مکمل ہوجانے کے بعد اس کاافتتاح بھی انھیں کے ذریعہ درس بخاری شریف کے آغاز سے ہوا تھا۔

حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ الجامعۃ الاشرفیہ سے اس لحاظ سے بہت زیادہ قریب تھے کہ اشرفیہ تحریک کا انھوں نے پوراساتھ دیا جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ رمضان المبارک میں دارالعلوم مظہر اسلام کا جو پوسٹر شائع ہوتا تھا اس میں خود حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی طرف سے خاص اشرفیہ کے لیے الگ سے بکس میں یہ اپیل ہوتی تھی کہ "الجامعۃ الاشرفیہ ہمارا دینی وعلمی ادارہ ہے اس کے لیے آپ حضرات تعاون کریں"۔

خدا رحمت کند ایں پاکبازانِ شریعت را

یہ اس مجموعۂ خطبات کے بے شمار علمی وفکری جواہرات میں سے چند جواہر ہیں جو

آپ کے سامنے پیش کیے گئے۔

میں تمام مدارس اہل سنت کے طلبہ، فارغین، اساتذہ، دعوت و تبلیغ اور وعظ وخطابت کے میدانوں میں سرگرم داعیانِ کرام وخطباے ذوی الاحترام سے گزارش کناں ہوں کہ وہ اس قیمتی مجموعے کا مطالعہ کرکے اس سے استفادہ کریں اور رہ نمائی حاصل کریں -------اللہ ہمیں دین حق اور مذہب اہل سنت کی تائید وحمایت کی توفیق بخشے، آمین۔

مولانا محمد جنید صاحب استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ہم شاگردان ووابستگان حضرت خیرالاذکیاء کی طرف سے لائق صد مبارک باد اور مستحق صد شکر ہیں کہ انھوں نے بکھرے ہوئے قیمتی موتیوں کو یکجا کرکے کتابی شکل دیا----- امید ہے کہ مولاناے محترم آئندہ بھی یہ قابل تحسین و تبریک کام کرتے رہیں گے۔

خداے کریم انھیں عمر دراز عطا فرمائے اور خدمت دین وسنیت کی زیادہ سے زیادہ توفیق سے نوازے--- آمین بجاہ سیدالمرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ.

محمد عارف اللہ فیضی مصباحی
مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ، ضلع مئو

باب اول
ص۱۶ تا ۱۶۶
مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کے تحت ہونے والے
فقہی سیمینار میں پیش کیے گئے خطبات

مجلس شرعی کے دسویں فقہی سیمینار کا

خطبۂ صدارت

سیمینار کی تاریخ: ۱۴/۱۵/۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ مطابق ۳/۴/۵/ جولائی ۲۰۰۴ء
بمقام: شارح بخاری دارالافتا، جامعہ اشرفیہ مبارک پور

حضرات! فقہ اسلامی ایسا عظیم سرمایہ ہے جس کے بغیر ہماری عبادت، تجارت، معاشرت کی صالح تعمیر نہیں ہو سکتی، اسی لیے ائمہ دین اور فقہاے مجتہدین نے اس پر اپنی خاص توجہ مبذول کی۔ انھوں نے احکام قرآن وسنت میں گہری نظر اور طویل غور وغوص کے نتیجے میں فقہ کے اصول وقواعد وضع کیے اور ان کی روشنی میں بے شمار جزئیات بھی مستنبط کیے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باضابطہ ایک مجلس فقہ قائم کی جس میں شرعی مسائل پر بحث ہوتی اور طے شدہ مسائل تحریر کر لیے جاتے اگر کسی مسئلہ پر بحث کے بعد بھی اتفاق نہ ہوتا تو وہ اختلاف کے ساتھ درج کر لیا جاتا۔ ان حضرات کی یہ کاوش اتنی عظیم تھی کہ دیگر ائمہ نے بھی اس سے استفادہ کیا۔ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

الناس کلھم فی الفقہ عیال علی ابی حنیفہ[1]

مگر کچھ لوگوں نے فقہ وفقہا کی پیروی سے انکار کیا اور پُر فریب انداز میں صرف قرآن وحدیث پر عمل کا دعویٰ کیا۔ دوسرا فرقہ اس سے بھی آگے نکلا، اس نے حدیث کا بھی انکار کیا اور صرف قرآن پر عمل کا مدّعی ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ نہ فقہ کے بغیر حدیث پر عمل ہو سکتا ہے، نہ حدیث

---

(۱) "فقہ میں سب لوگوں کا سہارا امام ابوحنیفہ ہیں"۔

وفقہ کے بغیر قرآن پر عمل ہوسکتا ہے۔

تیرہویں چودہویں صدی کے عجمیوں کا کیا شمار؟ صحابۂ کرام بھی فہم قرآن میں رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے محتاج تھے۔ اسی لیے رب کائنات نے ایک طرف امت پر یہ لازم کیا کہ

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (1)

اور جو کچھ تمھیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

دوسری طرف رسول کو یہ ذمہ داری دی کہ وہ امت کے سامنے قرآن کے مفہوم ومطلوب کو بیان کریں اور امت کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیں۔

ارشاد ربانی ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (2)

اوراے محبوب ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے بیان فرمادو جو ان کی طرف اترا ہے۔

"هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ" (3)

وہی ہے جس نے اَن پڑھوں میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اورانہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطافرماتے ہیں اور بیشک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔

اسی طرح قرآن کریم نے امت پر فقہ کی تحصیل بھی فرض کی مگر یہ فرض ہرفرد کے ذمہ نہ رکھا۔ کیوں کہ ہرایک کے لیے فقہ کی تحصیل یا فقاہت کا حصول

---

(۱) الحشر آیت ۷

(۲) النحل آیت ۴۴

(۳) الجمعہ آیت ۲

ناممکن یاکم ازکم سخت دشوار اور مشکل ہے۔بعض افراد میں عقل و استعداد کی کمی ہوتی ہے،بعض کے لیے لازمی علوم وفنون کاادراک نہیں ہوتا،بعض اپنی اقتصادی ومعاشی مصروفیات کے باعث تحصیل فقہ سے قاصر ہوتے ہیں،بعض جہادیا دوسری کسی دینی وعلمی خدمت میں انہماک کے باعث فقہ میں رسوخ حاصل نہیں کرسکتے۔ اس لیے رب کریم نے جوبندوں پر سب سے زیادہ مہربان ہے فقاہت کی تحصیل کوفرض کفایہ قرار دیا:

''وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ'' (۱)

اور مسلمانوں سے یہ توہونہیں سکتاکہ سب کے سب نکلیں توکیوں نہ ہوکہ ان کے ہرگروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکراپنی قوم کوڈرسنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔

اس کے ساتھ عام افرادکویہ ہدایت کی گئی :

فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۲)

تواے لوگو!علم والوں سے پوچھواگرتمہیں علم نہیں۔

اس سے معلوم ہواکہ عام لوگ ہمیشہ اہل علم وفقہ سے دریافت کرنے کے حاجت مند ہوں گے۔اور اہل علم وفقہ بیانِ رسول کے محتاج ہوں گے۔ امت کا بڑے سے بڑافقیہ حدیث رسول علیہ الصلاۃ والسلام سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ صدیق وفاروق اور دیگر اکابر فقہاے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فہم احکام اورفہم قرآن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب اور بعد میں سرکار کے ارشادات کی جانب رجوع کرتے۔ اس بارے میں بے شمار واقعات موجود ہیں۔اسی طرح بڑے بڑے محدثین نے استنباطِ احکام کے باب میں فقہاکی بر تری کابرملا اعتراف کیا ہے۔ یہ وہ اعاظمِ

---

(۱)التوبہ آیت ۱۲۲

(۲)النحل آیت ۴۳،الانبیاء آیت ۷

رجال ہیں کہ مدعیانِ زمانہ ان کے سامنے پرِکاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتے۔

خود حدیث رسول ﷺ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا بھی ہوگا کہ آدمی محدث ہو مگر فقیہ نہ ہو۔ آدمی احادیث یاد رکھتا ہے، ان کی روایت کرتا ہے، ان کا جو واضح معنٰی ہے وہ بھی سمجھتا ہے مگر ان سے مزید کیا کیا احکام نکلتے ہیں ان سب کی تہ تک پہنچنے سے قاصر رہتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

نضّر الله عبدا سمع مقالتي فحفظها، ووعاها، وادّاها، فرب حامل فقه غير فقيه، ورب حامل فقه إلى من هو افقه منه [1]

خدا اس بندے کو شاداب رکھے جس نے میری بات سن کر یاد کی، اسے محفوظ رکھا اور دوسرے تک پہنچایا کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ فقہ کے حامل وحافظ وراوی تو ہیں مگر خود فقیہ نہیں، اور بہت سے حاملانِ فقہ ایسے لوگوں کے پاس فقہ لے جاتے ہیں جو ان سے زیادہ فقاہت رکھتے ہیں۔

حضرت سلیمان اعمش تابعی سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے جلیل الشان شاگرد اور اجلۂ ائمۂ تابعین اور تمام ائمۂ حدیث کے استاذ الاساتذہ میں سے ہیں۔ ان کا واقعہ امام ابن حجر مکی شافعی نے "الخیرات الحسان" میں بیان فرمایا ہے --- امام اعظم ابو حنیفہ ان سے احادیث کی تعلیم لے رہے تھے، اسی زمانہ میں ان کی موجودگی میں امام اعمش سے کسی نے کچھ مسائل دریافت کیے، انھوں نے امام ابوحنیفہ سے دریافت کیا، امام اعظم نے فوراً جوابات بتائے۔ امام اعمش نے پوچھا آپ نے یہ جوابات کہاں سے نکالے؟ فرمایا ان حدیثوں سے جو میں نے خود آپ ہی سے سنی ہیں، اور وہ احادیث مع اسانید سنادیں۔ امام اعمش نے کہا:

"حسبك ماحدثتك به في مأة يوم تحدثني به في ساعة واحدة،

---

(۱) مشکوۃ المصابیح ص: ۳۵۔ مجلس برکات

ماعلمت أنك تعمل بهذه الأحاديث.يا معشر الفقهاءانتم الأطباء ونحن الصيادلة، وانت أيهاالرجل اخذت بكلا الطرفين"(۱)

بس کیجیے جوحدیثیں میں نے سودن میں آپ کوسنائیں آپ ایک ساعت میں مجھے سنائے دیتے ہیں۔ مجھے معلوم نہ تھاکہ آپ ان حدیثوں پریوں عمل کرتے ہیں، اے فقہ والو!تم طبیب ہواور ہم محدثین عطّار ہیں،اوراے ابوحنیفہ تم نے توفقہ وحدیث دونوں کنارے لیے۔

امام اعمش سے بھی بدرجہااجل واعظم ان کے استاذامام عامر بن شراحیل شعبی ہیں، جنہوں نے پانچ سوصحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کوپایا، حدیث میں ان کاپایہ اتنا بلند تھا کہ خود فرماتے ہیں:"بیس سال گزرگئے ہیں، کسی محدث سے کوئی حدیث میرے کان تک ایسی نہیں پہنچتی جس کا علم مجھےاس سے زیادہ نہ ہو"مگراس جلالتِ شان اورعظمتِ مقام کے باوجود فرماتے ہیں:

"انا لسنا بالفقهاء، ولكنّاسمعناالحديث فرويناه للفقهاء من إذاعلم عمل" (۲)

ہم لوگ فقیہ ومجتہد نہیں،ہمیں مطالبِ حدیث کی کامل سمجھ نہیں،ہم نے توحدیثیں سن کرفقیہوں کے آگے روایت کردی ہیں،جوان پرمطلع ہوکرکاروائیاں کریں گے۔

غورکیجیےایسے جلیل الشان امام اورعظیم ترین محدث نےفقاہت اورفقہاو مجتہدین کی برتری کاکیسے کھلے دل سے اعتراف کیاہے مگرآج کل کے مدعیان حدیث جنہیں صحاح ستہ توکیابخاری ومسلم بھی ازبرنہیں اور فقاہت میں تو بالکل صفرہیں وہ فقہ سے بے نیازی کانعرہ بلندکررہے ہیں اورائمۂ مجتہدین سے امت کا

---

(۱)اخبار ابی حنیفہ واصحابہ،ج:۱ص:۲۷

(۱)تذکرۃ الحفاظ ج۱،ص۷۸

رشتہ منقطع کرکے اپنی ہواے نفس کا متبع بنانے کے درپے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔

حالاں کہ امام سفیان بن عیینہ متوفی ۱۹۸ھ فرماتے ہیں:

"الحديث مضلة الا للفقهاء"[۱]

ترجمہ- یعنی غیر فقیہ کے لیے حدیث گمراہی کی جگہ ہے

نقله عنه الإمام ابن الحاج المكى فى المدخل[۲]

سود کی حرمت قرآن مجید میں منصوص ہے، مگر قرآن میں جس قدر مذکور ہے صرف عربیت اور زبان دانی کے سہارے اس سے سود کی حقیقت کا ادراک ناممکن ہے۔ اشیاے ستہ سے متعلق حدیث پاک نے حقیقت سود کا پتا دیا، مگر ان چھ چیزوں کے ماسوا اشیا کا حال پھر بھی مخفی رہا، اسے مجتہدین کرام نے اپنے اپنے اجتہاد و نظر کی روشنی میں واضح کیا، اس کے بعد امت کو عمل کی راہ ملی۔

اس اجمال کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ قرآن فرماتا ہے:

"وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"[۳]

اور اللہ نے بیع کو حلال کیا اور ربا کو حرام کیا۔

لغت میں "ربا" کا معنی زیادتی ہے اگر مطلق زیادتی حرام ہو تو بے شمار جائز بیعیں بھی حرام ٹھہریں گی مثلاً:

۱- ایک تولہ چاندی سے دس کیلو غلّہ خریدنا۔

۲-ایک تولہ سونا کے عوض ۲۵؍ تولے چاندی لینا۔

۳-ایک صاع گیہوں کے بدلے دو صاع جو یا چاول خریدنا۔

۴-ایک کیلو کھجور کے بدلے دس کیلو امرود خریدنا۔

۵-ایک کیلو پیتل سے دس کیلو لوہا خریدنا۔

---

(۲) الفتاوی الحدیثیہ

(۳) حاشیہ اقامۃ القیامۃ

(۱) ﴿۲؍ البقرہ ۲۷۶﴾

ان سب میں کھلی ہوئی زیادتی موجود ہے مگر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ بیعیں حرام وناجائز ہیں، پھر زیادتی کا مطلب کیا ہے ؟ اور وہ کون سی زیادتی ہے جو اللہ نے حرام کی؟ قرآن سے اس کی صراحت ووضاحت کوئی نہیں دکھا سکتا۔ حدیث پاک اس بارے میں کچھ رہنمائی کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

الذهب بالذهب و الفضة بالفضة و البّر بالبرّ و الشعير بالشعير و التمر بالتمر و الملح بالملح مثلا بمثل يدابيد، فمن زاد أو استزاد فقد أربى، الآخذ والمعطى فيه سواء، رواه مسلم عن ابى سعيد الخدرى--- وفى رواية عبادة بن الصامت فإذا اختلفت هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم إذاكان يدابيد۔[1]

اس حدیث پاک میں صرف چھ چیزوں کا بیان ہے: سونا، چاندی، گیہوں، جَو، کھجور، نمک۔ اگر ایک صنف کو اسی صنف کے عوض بیچا تو دونوں جانب برابر برابر رکھنا ضروری ہے، اگر ایک طرف زیادتی ہوگئی تو یہ زیادتی ربا اور حرام ہے، لیکن اگر صنف بدل گئی مثلاً سونے کو چاندی سے بیچا تو کتنی ہی کمی بیشی ہو حرام نہیں اگر دست بدست معاملہ ہو۔

ان چیزوں کا معاملہ تو حدیث سے معلوم ہوگیا لیکن ان کے علاوہ دوسری چیزوں کا معاملہ کس صورت میں سود ہوگا کس صورت میں نہ ہوگا یہ معلوم نہ ہوا۔ مثلاً ایک خصّی کو بکری کے تین بچوں کے عوض بیچا، ایک قیمتی پتھر کو دس معمولی پتھروں کے عوض لیا، ایک درخت چند درختوں کے بدلے بیچا، ان سب میں بھی زیادتی ہے مگر جائز ہے یا ناجائز؟ کوئی بھی شخص ان احادیث یا دیگر احادیث کے صریح الفاظ میں بقیہ ساری چیزوں کا حکم دکھانے سے قاصر ہے، اسی لیے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"ان أخرمانزلت آية الربوا،وإن رسول اللهﷺقُبض ولم

(۱) صحیح مسلم باب الصرف، ح ۱۵۸۸

يفسرها لنا، فدعوا الربوا والريبة" رواه ابن ماجة والدارمی [1]

بے شک آیت ربا آخر میں نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ اس کی پوری تفصیل وتفسیر ہمیں بتانے سے پہلے ہی دنیا سے تشریف لے گئے۔ توجو سود ہے اور جس میں سود کا شک ہے دونوں چھوڑ دو۔

یہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے، وہ بقیہ چیزوں میں سود کی صورت واضح نہیں کررہے ہیں، ایک اسلم طریقہ بیان فرمارہے ہیں، کہ جہاں کھلا سود ہے اسے تو چھوڑنا ہی ہے جہاں معاملہ واضح نہیں ہورہاہے اور سود کا شبہہ ہورہاہے اسے بھی چھوڑ دو۔

لیکن کہاں کہاں سود کا شبہہ متحقق ہے، اس کی تعیین بھی سب کے بس کی بات نہیں، اب امت کا عمل کیا ہو، اس پر ائمۂ مجتہدین نے اپنی خداداد بصیرت وفقاہت سے غور کیا اور سبھی حضرات نے یہ سمجھا کہ حدیث ربا میں جو حرمت کا حکم مذکور ہے ضرور اس کی کوئی علت ہے، اگر وہ علت دریافت ہوجائے تو ہر چیز کا معاملہ واضح ہوجائے گا۔ جہاں ربا کی علت موجود ہوگی وہاں زیادتی حرام ہوگی، جہاں علت نہ ہوگی وہاں حرمت نہ ہوگی۔

امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا وہ علت قدر و جنس ہے۔ امام مالک نے فرمایا: طعم وادخار ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: طعم وثمنیت ہے۔ امام احمد کا قول اشہر، امام اعظم کے موافق ہے۔

پھر ہر امام نے اپنی دریافت کردہ علت کی روشنی میں دیگر اشیا کے احکام بیان فرمائے اور ان کے متبعین اس پر کاربند ہوئے۔

ایسا نہیں کہ ہر امام نے محض اندازے سے ایک علت متعین کرلی، نہیں بلکہ ہر ایک کے سامنے کچھ دلائل وشواہد ہیں جن کی روشنی میں ان کی ایک رائے

(۱) مشکوٰۃ ص ۲۴۶ مجلس برکات

قائم ہوئی۔ تفصیل ہر مذہب کی مبسوط کتب فقہ میں ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ ائمہ کا اجتہاد وہیں کارفرماہوتاہے جہاں صریح آیت یا حدیث یااجماع سے کوئی حکم دریافت نہ ہواور یہ بھی اس لیےکہ جوحضرات شرائط اجتہاد کے جامع ہوں ان کے لیےقرآن وحدیث سے اجتہاد کی اجازت ہے، بلکہ یہ ان کافرض منصبی ہے کہ خداکی عطاکردہ فقاہت سے وہ نصوص کتاب وسنت میں پوشیدہ احکام کومنکشف کریں۔

رہایہ کہ ان حضرات کے نتائج اجتہادمیں اختلاف کیوں ہوتاہےتواس کے کئی اسباب ہیں۔ایک تو وہی کہ جب متعدّدحضرات کسی عام معاملے میں بھی غور کرتے ہیں تواکثر وبیشتران کےرجحانا ت مختلف ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اصول اجتہادکا فرق،ہرایک کوحاصل ہونے والےقرائن وشواہد میں فرق،نکتۂ نظرکااختلاف متعدّداسباب ہیں۔لیکن یہ قدر مشترک ہےکہ ہرمجتہد کی کاوش پورےاخلاص اورحق جوئی کےساتھ یہی ہوتی ہےکہ جوحکم تقاضاے شریعت کےمطابق ہواسےدریافت کریں اوراس پر کار بندہوں۔اس کاوش کےسبب وہ اللہ کی جانب سے اجراور امت کی جانب سے اداے شکرکےمستحق ہوتے ہیں۔

آج اگرچہ کوئی جامع شرائط اجتہاد نہ رہا بلکہ فقہی اصطلاح میں جنھیں ”**اصحاب تمیز**“کہتےہیں وہ بھی مفقودہیں لیکن امت کی رہنمائی آج بھی علماے دین کا فرض منصبی ہے خصوصًا نوپیدا مسائل کی نوعیت کوسمجھنا اور کتب فقہ میں منصوص مسائل کی روشنی میں ان کے احکام دریا فت کرنا عصر حاضر کا بہت بڑاچیلنج ہے۔اسی چیلنج کااحساس کرتے ہوئے جامعہ اشرفیہ میں مجلس شرعی کا قیام عمل میں آیا اورمذا کرات کے انعقاد کا سلسلہ جاری ہواتاکہ جوکام انفرادی طورپرسخت دشوار اورگراں بار ہے علماے کرام کی قوت اجتماعی اورتعاونِ باہمی سےآسان ہوسکے۔

رب کریم اس راہ میں علماے مخلصین کی کاوشیں بار آور فرمائے اور ان پر فقاہت وبصیرت کے دروازے کشادہ فرماکران کے فیضان کوعام وتام کرے۔

وماذالك عليه بعزيز.وهوحسبناونعم الوكيل.وصلى الله تعالى وبارك وسلم على حبيبه الأشرف الأعلم وعلى آله وصحبه أولى الفضل والفيض والجود والعطاء والكرم.

مجلس شرعی کے گیارہویں فقہی سیمینار کا خطبۂ صدارت

سیمینار کی تاریخ: ۱۸/۱۹/۲۰/ صفر ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۹/۳۰/۳۱/ مارچ ۲۰۰۵ء
بمقام: سید عاشق شاہ بخاری مسجد پالا گلی چار نل ڈونگری، ممبئی

حضرات! اس سے قبل مجلس شرعی کے دس سیمینار مبارک پور کی سرزمین پر الجامعۃ الاشرفیہ کے اندر منعقد ہوئے اور علماے کرام کی مساعی جمیلہ کے نتیجے میں کامیابیوں سے ہمکنار ہوئے اب یہ گیارہواں سیمینار عروس البلاد ممبئی کی سرزمین پر منعقد ہو رہا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس شہر میں دین سے والہانہ محبت رکھنے والوں کی بھی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ وہ خیر کی راہ میں اپنی وسعت کے مطابق ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ رب تعالیٰ ان کے نیک جذبات کو سلامتی و توانائی بخشے، انھیں دارین کی برکتوں سے نوازے اور مصائب وآفات کے سایے ان سے دور سے دور تر رکھے۔

حضرات! انہی اہل محبت میں مولانا شاکر علی رضوی اور ان کے رفقاے کار بھی ہیں جنھوں نے مجلس شرعی کی افادیت کے ساتھ اس کی مشکلات کا بھی اندازہ کیا اور سیمینار کے انعقاد وانتظام میں اپنا بیش بہا تعاون پیش کیا۔ یہ بھی ان کا امتیاز ہے کہ مجلس شرعی کے سرپرست حضرت امین ملت دام ظلہ یا عزیز ملت زید کرمہ یا راقم الحروف نے اس بارے میں ان سے کوئی بات نہ کی بلکہ انھوں نے خود احساس کیا کہ:

یہ بزم مے ہے یاں کو تاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

بہر حال ہم ان کے شکر گزار ہیں اور آپ حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتے

ہیں کہ اہم فقہی موضوعات پر آپ نے اپنی فکری وقلمی توانائیاں صرف کیں اور مذاکرہ ومباحثہ کے ذریعہ تنقیح اور فیصلہ کی منزل تک پہنچانے کے لیے اس سرزمین پر تشریف لائے یقیناً حلِّ مسائل کے لیے آپ حضرات نے بڑی کاوش کی ہے۔ مزید براں مذاکرات میں شرکت کے لیے سفر کی صعوبت بھی برداشت کی ان مشقتوں کا بدل ہمارے بس سے باہر ہے رب کریم ہی اس کی جزا عطافرمانے والا ہے۔ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین.

مجلس شرعی کے بارہویں فقہی سیمینار کا خطبۂ استقبالیہ

منعقدہ ۲۳/ ۲۴/ رجب ۱۴۲۶ھ مطابق ۳۰/ ۳۱/ اگست ۲۰۰۵ء

بمقام: امام احمد رضا لائبریری، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

میں بھی حضرت عزیز ملت کے اتباع میں آپ تمام حضرات کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ آپ حضرات کی تشریف آوری ہمارے لیے باعث مسرت بھی ہے اور باعث خیر وبرکت بھی، اس لیے کہ آپ حضرات شرعی مسائل کے سلسلے میں غور وخوض کرنے اور فیصلے تک پہنچنے کے لیے تشریف لائے ہیں۔ میں نے تقریباً ایک ہفتہ پہلے سبھی موصولہ مقالات پڑھے اور اس سے پہلے ممبئی میں جو سیمینار ہوا تھا اس سے متعلق جو مسائل اور مقالات تھے وہ بھی بالاستیعاب پڑھے۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ ہمارے نئے علماے کرام میں بھی تلاش وجستجو اور تحقیق وتفحّص کے ساتھ ساتھ راے قائم کرنے اور کسی فیصلے تک پہنچنے کا ملکہ پیدا ہو چکا ہے، مجلس شرعی کے توسط سے یہ وہ کام ہو رہا ہے جو درس گاہ میں نہیں ہو پاتا ہے، ابھی مصنوعی سیّارہ کے ذریعہ رویت ہلال کے تعلق سے جو مقالات میں نے دیکھے تو ان میں بڑی اچھی کاوش نظر آئی۔ ہلال کیا ہے، ہلال کیسے بنتا ہے اور چاند کی مختلف منزلیں کیا ہوتی ہیں، روزانہ کتنی وہ سیر کرتا ہے، کتنے ڈگری وہ روزانہ طے کرتا ہے اور ایک دور اس کا کب مکمل ہوتا ہے، یہ سب علم ہیئت کی چیزیں ہیں لیکن ان حضرات نے ساری چیزوں کو تلاش کیا اور اس سلسلے میں ہیئت کی کتابیں مثلاً تصریح، شرح چغمینی اور حضرت ملک العلما کا رسالہ توضیح الا فلاک جو ابھی قلمی ہے اور حضرت مفتی افضل حسین صاحب کی کتاب یہ سب ان

حضرات نے دیکھیں۔اس سے پہلے جب اس موضوع پر گفتگو ہوتی تھی تو عموماً لوگ خالی الذہن معلوم ہوتے تھے اور یہ بتانا ان کے لیے مشکل ہوتا تھا کہ چاند کیسے بنتا ہے،کیسے دَور مکمل کرتا ہے اور روزانہ کتنی اس کی سیر ہوتی ہے، یہ ساری چیزیں ان کے لیے اجنبی اور بیگانہ معلوم ہوتی تھیں لیکن جب ایک شرعی مسئلے کے تعلق سے تلاش وجستجو انھوں نے شروع کی ہے تو اس سلسلے کی جتنی بھی ضروری معلومات تھیں وہ سب انھوں نے بہم پہنچائیں اوران کو اپنے مقالات میں قلم بند بھی کیا۔

سیٹلائٹ ایک نئی ایجاد ہے۔ مگر دو مقالوں میں نئی سائنسی کتابوں کے حوالے سے اس پر بھی مفید گفتگو نظر آئی، ایک مقالے میں اس کی معلومات رسانی کے وسائط ومراحل کا تجزیہ کرتے ہوئے رویت ہلال کے باب میں اس کی اطلاع کا مشکوک اور غیر قطعی ہونا خود سائنس کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے۔ یہ جامعہ اشرفیہ کے ایک نو عمر استاذ کی کاوش ہے۔

ممبئی کے سیمینار میں ایک موضوع یہ تھا کہ صفاومروہ کی سعی اگر چھت سے ہو تو جائز ہے یا نہیں ؟۔اس سلسلے میں ایک سوال یہ پیش ہوا تھا کہ ماضی میں صفاو مروہ کی اصل بلندی کتنی تھی ؟ کہاں سے اس کی ابتدا ہوئی تھی اور چوٹی کہاں تک پہنچتی تھی؟۔یہ ایک جغرافیائی مسئلہ تھا، اس کا ذکر تاریخ اورآثار کی کتابوں میں کم ہی ملتا ہے۔لیکن میں نے دیکھا کہ بیشتر حضرات نے اس سلسلے میں جستجو کی۔ اصل بلندی کیا تھی، نیچائی کتنی تھی، کتنا حصہ پَٹ چکا ہے؟ یہ سب تلاش کیا۔کہاں سے سعی شروع ہونی چاہیے؟ سعی کتنی بلندی سے مانی جائے یا نہ مانی جائے یہ تو حکم شرعی سے متعلق گفتگو ہوئی، اس کا جواب تو دینا ہی تھا۔ لیکن جغرافیائی مسئلہ نکالنا، تاریخ، آثار اور جغرافیہ کی کتابوں کو دیکھنا اور کھنگالنا یہ ایک اہم کام تھا مگر ہمارے نوجوان علما نے تلاش وجستجو کی اور بعض حضرات

نے صاف تعیین بھی رقم فرمائی کہ سطح سمندر سے صفاومروہ کی بلندی کتنی تھی اور سطح زمین سے کتنی بلندی تھی۔اس طرح کی جستجویقینا ہمارے لیے بہت ہی کار آمد اور باعث خیروبرکت ہے، جواس سے پہلے ان مدارس میں نظرنہیں آتی تھی بلکہ مدارس کے شب وروزوہی ہوتے کہ صبح جو سبق پڑھنا ہے اس کودیکھ لیا اوراس کے علاوہ دنیامیں کیاہورہاہے اورکیا ہوناچاہیے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ ہمارےایک ساتھی تھے میں نے ان سے کہاکہ ذرا اخبار بھی کبھی دیکھ لیاکیجیے کہاکہ ارے دیکھنا اور پڑھنایہ تو میرے لیے بہت مشکل کام ہے،درسی کتاب کامطالعہ تو اس لیے کرلیتا ہوں کہ اس کے بغیر چارۂ کار نہیں۔اگریہ اندیشہ نہ ہوتا کہ صبح طلبہ کے سامنے رسوائی ہوسکتی ہے تو میں وہ بھی نہ دیکھتا۔

الغرض درسگاہوں میں عام مزاج کم وبیش یہی تھالیکن اب جب میں مقالات پڑھتاہوں تو جن لوگوں سے اس طرح کی باتیں سننے میں نہیں آتی تھیں اورنہ اس طرح کامزاج پایاجاتاتھامیں دیکھتاہوں کہ ان لوگوں نے بھی جہاں تک ان سے ہوسکاہے پوری تحقیق کی ہےاورجوابات لکھے ہیں۔اسی طرح فتاوی رضویہ سے بےتعلقی عام تھی بس جس کے ذمے فتوے کاکام سپرد ہے وہ فتاوی رضویہ،عالمگیری اور شامی دیکھے باقی لوگوں کو اس سے کوئی سروکار نہیں جب کہ میں نے ہمیشہ یہ کہاہے کہ بغیر فتاوی رضویہ کے مطالعہ کے کوئی شخص عالم نہیں ہوسکتا، جولوگ بھی اس سے بے تعلق رہتے ہیں ان کے اندرسطحیت نمایاں ہوتی ہے۔گہرائی اورگیرائی نہیں پیداہوتی۔اعلیٰ حضرت قدس سرہ کاجوانداز تحقیق ہے اورجس طریقہ سے وہ مسائل کی گتھیاں سلجھاتے ہیں اور سیکڑوں برس کے مسائل جوحل نہیں ہوسکے تھےانہیں حل فرماتے ہیں اوربہت سی عبارتوں میں جو تعارض نظرآتاتھااسے دفع کرتے ہیں۔ان بحثوں کو پڑھنے کے بعد ذہن کھلتا ہے غوروخوض اور تلاش وتتبع کامادّہ پیداہوتاہے۔اخذواستخراج کاطرز معلوم ہوتا

ہے۔ اب میں نے دیکھا کہ فتاوی رضویہ کا کثرت سے مطالعہ کیاجارہاہےاورایک مسئلے سے متعلق فتاوی رضویہ میں جو کچھ بھی مل جاتاہے وہ سبھی لوگ تلاش کرتے ہیں بعض حضرات کچھ زیادہ ہی تلاش کرلیتے ہیں اورزیادہ عبارتوں تک پہنچ جاتے ہیں بعض حضرات کم عبارتوں تک پہنچتے ہیں لیکن فتاوی رضویہ ہر ایک کے مطالعہ میں ہے ساتھ ہی قدیم فقہی کتب سے بھی استفادہ بخوبی جاری ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی عبارتوں کوپڑھنا اوران کوسمجھنااوران سے استناد کرنایہ معمول ہوچکاہے۔اس کی وجہ سے میں دیکھتاہوں کہ مقالات میں بھی کافی گہرائی اورگیرائی پیداہوگئی ہے ہم تویہاں درجۂ تحقیق تک تعلیم دیتے ہیں اور درجۂفضیلت تک کی تعلیم توزمانۂدراز سے ہوتی چلی آرہی ہے، لیکن جوتلاش وجستجوکامادہ ہونا چاہیے اور ذہن جس طریقے سے بحث کے لیے کھلا ہوا ہونا چاہیے وہ اس ابتدائی دور میں نہیں ہوپاتا۔آدمی جب تدریس کابھی تجربہ کرلیتا ہے تو ذہن کھل جاتاہے طلبہ سے واسطہ پڑتاہے علماسے بحثیں ہوتی ہیں اس کے بعد جب وہ کسی چیز کی جستجو میں پڑتاہے اور کسی بحث کو منزل تک لانا چاہتاہےتواس کے مطالعے کااندازاور ہوتاہےاس کی تحقیق اورجستجو کا انداز اورہوتا ہے۔میں سمجھتاہوں کہ مجلس شرعی کے ذریعہ یہ وہ کام ہورہاہے جواب تک ہم درسگاہ کے ذریعے نہیں کرسکے تھے۔جماعت کےلیے یہ بہت ہی خوش آئنداوربہت ہی مفید چیز ہے۔اس کی وجہ سے بہت سے افرادپیدا ہورہے ہیں۔ورنہ خال خال مدرسوں میں خال خال علماہوتےجن کوفقہ وافتا سے شغف ہوتا۔ دارالافتاتو بہت سے مدارس میں کھلے ہوئےتھے مگر وہاں عموماً آسان سوالات آتے،زیادہ تر سوالات وراثت یاطلاق سےمتعلق ہوتے،وہ بھی ایسے کہ ان کاجواب آسانی سے ہوجاتا۔

بعض دارالافتامستثنیٰ ہیں جہاں ہرقسم کےمسائل آجاتے تھے اوران

کوہرایک پرسوچنااور غور کرناپڑتاتھا، ورنہ عام طور پرایسے ہی مسائل آتے تھے جن کے لیے تلاش وجستجو کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، بلکہ بعض مسائل تو ایسے ہوتے تھے جن کے اوپر پوراپورارسالہ موجودہےان حالات میں تلاش وجستجو کاجوکام ہوناچاہیے وہ نہیں ہوپاتاتھا۔اب سیمیناروں میں مشکل اور نئے مسائل رکھے جاتے ہیں۔

ایسے مسائل جن کا صاف اورصریح طورسے جواب کتابوں میں دستیاب نہیں ہے ان مسائل کو جب پیش کیاجاتاہے اوریہ علماےکرام فتاوی رضویہ کی روشنی میں شامی اور عالم گیری کی روشنی میں اورہیئت سے تعلق ہے تو ہیئت کی کتابیں دیکھ کرجغرافیہ سے تعلق ہے توجغرافیہ کی کتابیں دیکھ کریاتاریخ وآثارسے تعلق ہے توان سب کو دیکھ کرجو جستجو کرتے ہیں جو حل نکالتے ہیں وہ ایک نئ چیز ہے اوراس کی وجہ سے کثیرافراد ایسے پیداہورہے ہیں جو ان مشکل مسائل پر اپنااظہارخیال کرسکتے ہیں اوراپنی راے دے سکتے ہیں اور کسی بھی جماعت سے یہ پیچھے نہیں رہ سکتے۔اس لیےکہ دوسری جماعت کےمقالات بھی دیکھے جاتے ہیں ان کے اندرجو بحث کاانداز ہوتاہے اورجو فیصلے کاانداز ہوتا ہے وہ بھی دیکھاجاتا ہے ان کےاندربہت ہی سطحیت نمایاں ہوتی ہے۔

میں نےان کے بہت سے مقالات پڑھے ہیں اورفیصلے بھی دیکھے ہیں لیکن مسئلہ کیاہے اور دلیل کیاہے اور پھرفیصلہ کیا ہورہاہے ان سب میں کماحقہ مطابقت نہیں اورنہ ہی گہرائی اور گیرائی نظرآتی ہے۔تحقیق وتدقیق،صحیح مباحثہ، صائب راےاورجچاتلا فیصلہ یہ وہ چیزیں ہیں جو صرف ہماری جماعت میں اورہمارے علمامیں پائی جارہی ہیں،فقہی سیمیناروں کاانعقاد بہت ہی مبارک اورخوش آئند اقدام ہےجو مجلس شرعی کےذریعےدسمبر۱۹۹۲ء میں حضرت عزیز ملت کی ہمت اوران کے اخلاص اور ان کے جوش کی بناپرطے ہوا اور ان

شاءاللہ تعالیٰ یہ ہوتا رہے گا اس سے یہ جماعتیں جو تیار ہوں گی یہ ہمیشہ ملت کی اور قوم کی خدمت کرتی رہیں گی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ تمام حضرات کی کوششیں بارآور فرمائے اور سب کو جزائے خیر سے نوازے۔ یقیناً آپ نے تلاش وجستجو میں بڑی ہمت سے کام لیا ہے اور اپنی قیام گاہوں پر رہ کر بھی کافی محنت ومشقت کی ہے، اس کے ساتھ ساتھ یہاں تشریف آوری میں بھی آپ حضرات کو زحمتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے اور اس کے بعد جو یہاں کے شب وروز ہیں اور ایک اجنبی جگہ میں رہنے کی وجہ سے جو دشواری اور پریشانی معمول کے خلاف ہوجایا کرتی ہے وہ سبھی آپ حضرات کے سامنے ہوگی اگرچہ ہمارے انتظام کرنے والوں نے اپنے مقدور بھر کوشش یہی کی ہے کہ کسی کو زحمت وپریشانی نہ ہو لیکن بہرحال آپ حضرات کو کچھ نہ کچھ پریشانی تو ہو ہی سکتی ہے اور ہوتی ہی رہتی ہے اس سلسلے میں آپ سبھی حضرات سے درخواست ہے کہ آپ اس کو معاف فرمائیں گے اور دعا کریں گے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بہتر سے بہتر انتظام کی آئندہ توفیق عطا فرمائے۔ خدا کرے اس وقت بھی آپ حضرات کو کسی زحمت اور پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ لیکن یقین مانیے کہ آپ حضرات نے جو کچھ بھی صعوبتیں برداشت کی ہیں اور برداشت کررہے ہیں اور برداشت کریں گے یہ سب خیر کی راہ میں، اللہ کے دین کی راہ میں ہے حسن نیت اور اخلاص ہے تو یقیناً ان صعوبتوں کا بھی اجر آپ حضرات کو ملے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ حضرات کو اپنے کرم بے پایاں سے بہرہ ور فرمائے اور ہم سب کو توفیق خیر سے نوازے۔ آمین- وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین .

مجلس شرعی کے تیرہویں فقہی سیمینار کا خطبۂ استقبالیہ

منعقدہ ۲۰/۲۱/۲۲/ صفر ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۱/۲۲/۲۳/ مارچ ۲۰۰۶ء سہ شنبہ تا پنج شنبہ

بمقام: امام احمد رضا لائبریری، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم امابعد! فقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین" صدق رسول اللہ ﷺ.

ایک بار درود شریف پڑھ لیں "اللّٰھم صل علیٰ سیدنا محمد"

تیرہویں فقہی سیمینار کا دعوت نامہ غالباً رجب ۱۴۲۶ھ/اگست ۲۰۰۵ء میں جاری ہوا اور سوالات آپ حضرات کی خدمت میں بھیجے گئے جن پر جوابات ۳۱/ جنوری ۲۰۰۶ء تک مطلوب تھے اور جوابات کچھ وقت کے اندر اور کچھ تاخیر کے ساتھ موصول ہوئے۔ پھر آپ حضرات مقررہ تاریخوں میں تشریف لائے جس پر ہم آپ کا خیر مقدم کرتے ہیں اور آپ حضرات کے شکر گزار بھی ہیں۔ یقیناً آپ کے سر بہت ساری ذمہ داریاں ہیں، بالعموم تدریس کی ذمہ داری اور مدرسوں کے انتظام کی ذمہ داری اور اپنے قرب وجوار میں لوگوں سے دینی روابط رکھنے کی ذمہ داری، ان سب کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کو جو مسائل درپیش ہیں اور جن کے حل کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے اور واضح جواب قوم کے سامنے رکھنا ہوتا ہے، ان کے سلسلہ میں بھی آپ اپنے قیمتی اوقات نکالتے ہیں اور ان پر غور وخوض کرکے جوابات تحریر فرماتے ہیں۔ یقیناً یہ آپ حضرات کا زرّیں کارنامہ ہے جو آپ کی حیات میں ثبت ہوگا اور عنداللہ بھی اس کا اجر ہوگا اس پر آپ سبھی حضرات مبارک باد کے مستحق ہیں، سوال نامے تو کافی تعداد میں سوڈیڑھ سو حضرات کے پاس بھیج دیے جاتے ہیں لیکن جوابات کے لیے وقت نکالنے والے اوران پر توجہ دینے والے حضرات کم ہی ہوتے ہیں، جیساکہ آپ حضرات کو فہرستوں سے معلوم ہورہا

ہوگا کہ کسی موضوع پر چھپن ہیں توکسی پر پچاس ہیں توکسی موضوع پر بیس ہی ہیں، تو جن حضرات نے کوشش کی ہے اور وقت صرف کیا ہے، وہ بہرحال مبارک باد کے مستحق ہیں، ان لوگوں کی بنسبت جنھوں نے میدان میں قدم ہی نہ رکھا، خواہ مصروفیات کی وجہ سے یا مسائل کی دشواری کی وجہ سے یا اور کسی وجہ سے۔ آپ حضرات نے وقت دیا، اس پر آپ شکریہ کے بھی مستحق ہیں اور مبارک باد کے بھی مستحق ہیں، یہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طریقہ چلا آرہا ہے کہ انھوں نے تدوین فقہ کی مجلس قائم کی، ان حضرات نے تو اجتہاد سے، دلائل سے، مسائل کو حل کیا۔ اب اجتہاد کی جو شرطیں ہیں وہ مفقود ہوتی جارہی ہیں، لیکن ان حضرات نے جو فقہ کی تدوین کی ہے اور کثیر فروع اور جزئیات جو جمع فرمادیے ہیں ان کی روشنی میں آنے والے فقہا ہر دور میں مسائل کو حل کرتے رہے اور آج بھی وہ سلسلہ جاری ہے اس طریقے پر اور انہی اصول وفروع کی روشنی میں جو بھی نئے مسائل ہوتے ہیں، ان کو حل کرنے اور ان کا جواب تلاش کرنے کا کام ہوتا رہتا ہے اور ان شاءاللہ ہمیشہ یہ کام جاری رہے گا۔ اس سلسلے میں جن حضرات کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے فقہی بصیرت عطا ہوتی ہے اور جن کو اس راہ میں جدوجہد کی توفیق ملتی ہے وہ حضرات بہر حال ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، اور اس لحاظ سے امت کے اوپر ان کا گراں قدر احسان بھی ہوتا ہے کہ امت کے مسائل انھوں نے حل کیے۔ اس لحاظ سے آپ سبھی حضرات نے کوشش کی اور آپ کو اس لحاظ سے ایک امتیاز حاصل ہے، جو کچھ بھی آپ نے صعوبت برداشت کی ہے یقیناً اللہ کے یہاں اس کا اجر ہوگا اور ہم سے خدمت میں جو کچھ بھی کوتاہی ہو، اس سلسلے میں پیشگی معذرت عرض ہے اور یہ امید ہے کہ آپ حضرات درگزر فرمائیں گے اور ساتھ ہی ساتھ اس کی نشان دہی بھی کریں گے تاکہ اس کی تلافی ہوسکے اور آئندہ اس سے بچنے کی کوشش کی جائے۔ وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین

تیرہواں سیمینار
صفر ۱۴۲۷ھ/مارچ ۲۰۰۶ء

سیمینار کے مختلف مراحل اور وابستگان ادارہ کی مساعی جمیلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
حامدا ومصلیاً ومسلماً

سیمینار کا انعقاد اور اس کی کامیابی میں متعدّد مراحل ہوتے ہیں اور ہر مرحلے میں مختلف حضرات کی سرگرمی اور دل چسپی کار فرما ہوتی ہے۔ ناظرین کی آگاہی کے لیے یہاں اجمالاً ان مراحل اور ان سے متعلق حضرات کا تذکرہ مقصود ہے تاکہ اہل نظر سب کی خدمات سے آگاہ ہو کر ان کے لیے دعاے خیر کریں اور انھیں اپنی قدر دانی اور ہمت افزائی سے نوازیں۔ مجلس شرعی اپنے تمام معاونین اور کارکنان کا شکریہ ادا کرتی ہے اور دارین میں ان کی سعادت وفیروز مندی کے لیے دعا بھی کرتی ہے۔ رب کریم سب کو ان کی امید وآرزو سے زیادہ اور افضل و اعلیٰ جزاؤں سے نوازے۔

۱۔سیمینار کی پہلی کلید تو جامعہ اشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ دام ظلہ اور ارکان انتظامیہ ہیں، جنھوں نے پیچیدہ مسائل میں قوم کی دینی وشرعی رہنمائی کی ضرورت کا احساس کیا اور اس کے لیے ''مجلس شرعی'' قائم کر کے اس کے مصارف کے انتظام کی ذمہ داری قبول کی۔

۲۔دوسرا مرحلہ مجلس شرعی کے ارکان سے شروع ہوتا ہے جو حل طلب مسائل پر غور کر کے ان کا انتخاب کرتے ہیں اور چند مسائل بطور عنوان مقرر کر کے ان پر مذاکرات منعقد کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں اور اگلے مراحل کو کامیابی سے ہم کنار کرنے کے لیے اپنی نشستوں میں ذمہ داریاں تقسیم کرتے اور

کاموں کا جائزہ لیتے رہتے ہیں۔

۳-تیسرا مرحلہ سوالات کی ترتیب کا ہوتا ہے۔ناظرین جانتے ہیں کہ یہ سوالات دارالا فتامیں آنے والے سوالات کی طرح نہیں ہوتے جن میں عموماً سائلین ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں کچھ بھی پوچھ ڈالتے ہیں،بعض تو یہ بھی غور نہیں کرپاتے کہ مفتی ان جملوں سے میرامدعااور واقعے کی صحیح صورت بھی سمجھ پائے گایانہیں۔بس کچھ سوالیہ جملے لکھ کربھیج دیناکافی سمجھتے ہیں، بعض لمبے چوڑے قصے لکھ ڈالتے ہیں اور جو خاص محلِ سوال اور مقامِ نظر ہوتا ہے وہ مبہم بلکہ تاریک رہ جاتا ہے۔

مجلس شرعی کے سوالا ت میں مسئلہ کی دشواری اور صحیح نوعیت کی تعیین کے ساتھ جواب کی صورتیں بھی ظاہر کی جاتی ہیں،کبھی فقہی جزئیات بھی کثرت سے درج کردیے جاتے ہیں۔کم ازکم فقہی کتابوں اوران کےابواب وفصول کی نشان دہی تو ضرور کردی جاتی ہے۔یہی عبارات واشارات بیش تر مقالات کےلیے ماخذ اور رہنما بنتے ہیں۔اس لیے سوالات کی ترتیب فقہی دقت نظراوروسعتِ مطالعہ کی طلب گارہوتی ہے،جس سے عہدہ برآہوناسب کےلیے آسان نہیں۔

۴- چوتھامرحلہ سوالات کی کتابت،تصحیح،مندوبین کے یہاں قابل اعتماد ذریعہ سے ترسیل،پھرمندوبین سےبرابر رابطے اورتقاضےاور ان سب کا رکارڈ رکھنے کاہوتا ہے،جوتھوڑاسا علمی اور زیادہ انتظامی اور دفتری نوعیت کا کام ہے مگربڑی ذمہ داری کاہے،ذراسی غفلت اوربےتوجہی ہوگئی توبہت سی شکایات کادروازہ کھل جاتاہے۔رب تعالیٰ مجلس کے دفتری امور کے ذمہ داروں کوبھی سلامت روی پراستقامت بخشے اورآسیب روزگارسے محفوظ رکھے۔

۵-پانچواں اوربڑااہم یا ایک طرح سے، سب سے اہم مرحلہ نتیجہ خیز

جوابات کا ہوتا ہے۔ مسائل اور جزئیات پر نظر کرنا، صورت مسئلہ سے انطباق پر غور کرنا، صحیح انداز سے استخراج کرنا، مناسب اور مفہم انداز سے آدابِ زبان وبیان کی پوری رعایت کے ساتھ قید تحریر میں لانا اوران سب کے لیے اپنی مصروفیات کے بیش قیمت اوقات سے خاطر خواہ وقت نکالنا ایک مندوب کے لیے بڑی سخت آزمائش کا مرحلہ ہوتا ہے، جس میں کامیابی چندہی خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی ہے۔ اور ان کے سہارے مسائلِ امت کی کشتی ساحل مراد سے ہم کنار ہوتی ہے۔ رب کریم انہیں مزید ہمت وتوانائی، قوت فکروفہم، صلاحیتِ افہام وتفہیم، رسوخِ علم اور ثباتِ قلم سے نوازے اور ان کے اَمثال زیادہ کرے۔

۶/و۷- مقالات کی دست یابی، ترتیب وصول کے ساتھ ان کے اندراج، بعض ناصاف یا بے سائز مقالات، یا تھوڑے مضمون اور زیادہ جگہ پر پھیلے ہوئے مقالات کی از سرِ نو تبییض پھر صفحات کی سلسلہ وار نمبرنگ فہرست سازی، فوٹو کاپی، اس کی صحت وصفائی کی نگرانی، جداجدا منتشر اوراق کی صحیح ترتیب وشیرازہ بندی اور اس کے لیے مسلسل تگ ودو، شبانہ روز محنت وسرگرمی کے مرحلے سے گزرنے کے بعد ہر موضوع کے مقالات کی تلخیص اور ان کا عطر تحقیق کشید کرنے کا ہوتا ہے۔ اس کے لیے تمام مقالات کا بنظر غائر مطالعہ، ہر گوشے سے متعلق مقالہ نگار کے موقف کی تعیین، اس کی دلیل واستدلال کا احاطہ، مقالہ نگاروں کے درمیان نکات اختلاف اور مقامات اتفاق کی تحدید، پھر کم سے کم مگر واضح اور ناقابل شکایت عبارت میں ہرایک کے موقف ومدعا اور ماخذودلیل کا بیان ضروری ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی بتانا ہوتا ہے کہ ان مقالہ نگاروں کی تحقیق سے کتنے امور پر اتفاق ہوگیا اور کتنے امور پر اختلاف باقی ہے، جس کے نتیجے میں فیصلہ کن مباحثہ ومذاکرہ کی ضرورت ہے۔ سیکڑوں صفحات پر پھیلے ہوئے ایسے پیچیدہ مباحث کی تلخیص، ہرایک کے مدعا کا بے کم وکاست بیان اوراہل علم

ودانش کی شکایت اور اعتراض سے دامن سلامت بچا لے جاناآسان کام نہیں ہوتاجو چندگھنٹوں میں چلتے پھرتے کوئی کرڈالے اوراس کاسر بھی سلامت رہ جائے،ساتھ ہی مجلس کی بھی گلوخلاصی ہوجائے۔اس کا احساس کم ازکم سیمینار کے مندوبین اور ذی علم مشاہدین کوضرور ہوگا۔ آگے قدرشناسی، ہمت افزائی اوردعاے خیر کافریضہ ہے(۶/اور۷ دونوں کے لیے) ساتھ ہی جوابات مقررہ وقت پر دست یاب کرانے کابھی فریضہ ہے جس سے عہدہ برآہونا ہر مندوب کی ذمہ داری ہے۔واللہ الموفق.

۸- آٹھواں مرحلہ مقررہ تاریخ اور وقت موعود پر مندوبین کا استقبال، ان کی رہائش اورضروریات کابندو بست،اوقات مقررہ کے مطابق ضیافت کا اہتمام، کوئی دشواری یاتکلیف ہوتواس کا ازالہ،یہ ایک لمبااور مشکل کام ہے۔ جلسوں میں دس پانچ معزز علما چند گھنٹے کے لیے آتے ہیں تو اداروں کا پوراعملہ سرگرم عمل ہو جاتاہے، پھربھی شکایت رہ جاتی ہے۔جہاں کم وبیش ایک سوانتخاب روزگار معززین بیک وقت جمع ہو جائیں اور مسلسل تین دن تک ان کو کسی بھی ذہنی وبدنی الم سے بچانے اورحسب منشاسہولت فراہم کرنے کی ذمہ داری ہو وہاں انتظام کی چستی اور عمدگی کتنی دشوار ہوگی اور کتنے افراد کی انتھک محنت اور جدوجہد کی ضرورت ہو گی تجربہ کاروں کے لیے محتاج بیان نہیں۔مگر آپ کویہ جان کرحیرت ہو گی کہ یہ سارے کام ہمارے ناظر دارالاقامہ وناظم مطبخ ماسٹر فیاض احمدعزیزی اپنے چند اسٹاف اور درجۂ تحقیق میں زیر تعلیم دس پندرہ فاضلین کےساتھ بہ حسن وخوبی پوری پابندی اوقات کےساتھ انجام دیتے ہیں اوراس انہماک وبےنیازی سےکہ نہ صلے کی پروا،نہ ستایش کی تمنا، کافی ہے رب کریم کی جزااور اس کا صلہ ہر صلے سے بہتر۔

۹- نواں مرحلہ مذاکرات کی مجلسوں کا ہوتاہے۔انہیں کی کامیابی سیمینار کی

کامیابی کہلاتی ہے۔مندوبین کے علاوہ بہت سے مشاہدین بھی ان مجالس کے مناظر سے روشناس ہیں،اس لیے زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں، تاہم یہ اشارہ ضروری ہے کہ اس مقام پرناظم اجلاس حضرت مفتی محمدنظام الدین رضوی صدر شعبۂافتاالجامعۃ الاشرفیہ وناظم مجلس شرعی کاکلیدی کردار ہوتاہے۔وہ زیر بحث موضوعات ومسائل کے علاوہ دیگر جزئیات واصول پربھی گہری نظررکھتے ہیں اور زیر بحث مسائل پرپوری تیاری کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ اس لیے بیش تراختلافات ان کی تقریرو تدبیرسے بہت جلدسمٹ جاتے ہیں اور جو چند گوشے باقی رہ جاتے ہیں ان میں ہمارے ان مندوبین کی بحثیں قابل ستایش نظر آتی ہیں جو مسائل پراچھی گرفت رکھتے ہیں اوراپنے موقف پرپوری بصیرت اورثابت قدمی سے گفتگو کرتے ہیں،یہاں تک کہ مسئلہ کا کوئی ایک پہلو راجح اور اس کی دلیل بھاری ہوجاتی ہے۔قارئین کویہ جان کرمسرت ہوگی اور حیرت بھی، کہ یہ کوئی بہت قدآور، لحیم شحیم، عمردراز اور عوام میں مشہورو معروف افراد نہیں بلکہ ان میں نصف یازیادہ چالیس سال سے بھی نیچے ہیں اورکسی خاص ادارے کے گم نام گوشے میں دینی وعلمی خدمت میں مشغول،لیکن مسائلِ امت کی گرہ کشائی،بے نیاز مولا کی توفیق جمیل نے انہی کے ناخن تدبیرسے وابستہ کردی ہے اور وہ جس حال میں بھی ہیں رب کریم کے بےپایاں کرم کے معترف اورشکرگزار ہیں۔ کثراللہ امثالہم

۱۰-دسواں مرحلہ سیمینار کی کچھ تفصیلی کچھ اجمالی رپورٹ تیار کرنے اور شائع کرنے کاہوتاہے، جسے ناظم مجلس شرعی مفتی محمدنظام الدین رضوی،مدیر ماہنامہ اشرفیہ مولانامبارک حسین مصباحی رکن مجلس شرعی اورمولانامحمد عرفان عالم مصباحی وغیرہم سرکرتے ہیں۔دوسال سے چوتھا اور چھٹامرحلہ کل کا کل یا اکثر وبیش تر مولانامحمدعرفان عالم مصباحی کی محنت شاقہ کارہین منت ہے۔

درجۂ تحقیق کے طلبہ اور بعض دیگر اساتذہ بھی حسب ہمت بہت سے کاموں میں معاون ومددگار ہوتے ہیں۔ رب کریم سب کو جزائے خیر سے نوازے۔ مرتبین سوالات اور تلخیص نگاروں کے اسماسوال ناموں اور خلاصۂ مقالات کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔

خوشی کی بات یہ ہے کہ مجلس شرعی کی کاوشوں کی اہمیت محسوس کی جارہی ہے اور اس راہ میں مالی تعاون کا شمار بھی کارخیر کے تحت آگیاہے، ورنہ اس سے پہلے کارخیر کے لیے عوام کی سوچ مسجد، مدرسہ اور جلسہ وجلوس سے آگے یادائیں بائیں کہیں نہ جاتی تھی۔اگرچہ ایسے ذی فہم اور بالغ نظر معاونین کی تعداد انگلیوں پرآسانی سے گنی جاسکتی ہے،پھر بھی رب کریم کا بے پایاں کرم ہے کہ اپنے کچھ بندوں کے سینے اس طرح کے گم نام خالص دینی وعلمی کام کرنے والے افراد کے لیے کھول دیے اور دین وملت کے بہت سے اہم کام انجام پذیر ہونے لگے۔

(الف) دسویں فقہی سیمینار کے مندوبین کے لیے مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی شائع کردہ تقریبًا چالیس کتب کا ایک ایک سٹ (جس میں فقہ کی قدوری، شرح وقایہ، ہدایہ وغیرہ، حدیث کی مؤطا،مشکات وترمذی وغیرہ اور دیگر کئی فنون کی اہم کتابیں شامل ہیں) حضرت امین ملت ڈاکٹر سیدالشاہ محمد امین برکاتی صاحب سجادہ مارہرہ مطہرہ کی عنایت سے ایک باہمت اورقدرشناس معاون نے تمام شرکاومندوبین کی خدمت میں پیش کیا اور تیرہویں فقہی سیمینارمیں بھی فتح القدیر کی نوجلدوں / بدائع الصنائع کی سات جلدوں/ تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق کی سات جلدوں کا سٹ پیش کیا،اور شان اخلاص وہی کہ نہ صلے کی پروا،نہ ستائش کی تمنا. فجزاه الله خير ما يجزيه عباده المخلصين.

(ب) گیارہویں فقہی سیمینار، منعقدہ ممبئی کے تمام مصارف مولانا شاکر علی نوری کی سرکردگی میں سنی دعوت اسلامی نے برداشت کیےاور تیرہویں سیمینار منعقدہ مبارک پور میں بھی ایک ایک عمدہ وقیمتی بیگ کاتحفہ ہر مندوب کے لیے ممبئی سے بھیج دیا۔ جامعہ اشرفیہ کے دورافتادہ قدیم فاضل، بڑے مخلص وہم درد اوردینی وعلمی کاموں کے لیے پرجوش عالم مولانا محمد اقبال مصباحی گجراتی نے بھی اپنے جزوی تعاون سے نوازا۔ فارینا کمپیوٹرس مبارک پور کے مالک اعجاز بھائی نے مندوبین کوقلم پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔

(ج) تیرہویں فقہی سیمینار کے دیگر کثیر مصارف کی ادائگی کے لیے جمعیت اہل سنت کرلا، ممبئی نے دست تعاون بڑھایااورجناب فیضان احمدابن عبدالعلی عزیزی، جناب جاوید بھائی، جناب شاہد بھائی اور مولانا حافظ شرافت حسین صاحبان نے مبارک پورآکرخودسیمینار کے انتظامات اور مجالس مذاکرہ کامشاہدہ بھی کیا۔ رب کریم تمام معاونین کو اپنی بے پایاں رحمتوں برکتوں اوربے کراں فضل واحسان سے نوازے، مجلس شرعی سب کاشکریہ اداکرتی ہے اورصرف معاونین مجلس ہی نہیں بلکہ جامعہ اشرفیہ اور دینی اداروں کے تمام اخلاص پیشہ وباہمت معاونین کے لیے دعاگوہے کہ رب کریم ان سب کی جان ومال، عزت وآبرو، ایمان وعمل کی حفاظت وصیانت فرمائے، تمام آفات ومصائب سےبچائےاوردارین کی سعادت وسرخ روئی اورترقی وسربلندی سے نوازے۔

آمین یارب العالمین بجاہ حبیبك سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ افضل الصلاۃ واکرم التسلیم.

مجلس شرعی کے چودہویں فقہی سیمینار کا خطبۂ صدارت

منعقدہ ۱۹؍ تا ۲۱؍ صفر ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۰ تا ۱۲ مارچ ۲۰۰۷ء

بمقام: امام احمد رضا لائبریری جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

ماہنامہ اشرفیہ کا یہ شمارہ مجلس شرعی کے "چودہویں فقہی سیمینار" سے متعلق خصوصی شمارہ ہے یہ سیمینار جامعہ اشرفیہ کی امام احمد رضا لائبریری کے جنوبی ہال میں ۱۰/تا ۱۲/مارچ ۲۰۰۷ء شنبہ تا دوشنبہ، چھ نشستوں میں منعقد ہوا۔
چار موضوعات زیر بحث تھے جن میں سے تین پر مذاکرات ہوسکے اور فیصلے بھی رقم کیے گئے۔ چوتھے موضوع پر بحث کے لیے وقت نہ بچ سکا، اس لیے اسے آئندہ سیمینار کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔
جن موضوعات پر بحثیں ہوئیں اور فیصلے لکھے گئے، ان کی تفصیل اگلے صفحات میں پیش کی جارہی ہے۔ شرکا کی فہرست کے بعد آپ ایک ایک موضوع سے متعلق سوالات کا متن، پھر موصولہ مقالات کا خلاصہ ملاحظہ کریں گے۔ پھر تینوں موضوعات سے متعلق فیصلوں کا متن پڑھیں گے۔
علمی موضوعات سے دلچسپی رکھنے والوں کو چاہیے کہ فقہی سیمینار کی روداد پر مشتمل شماروں کو اپنی یادداشت میں موضوعات کی نشاندہی کے ساتھ درج کرلیا کریں تاکہ وقت ضرورت ان شماروں کی تلاش اور فیصلوں کا مطالعہ بہ آسانی ہوسکے۔
اس بار ہمارے کرم فرما الحاج غلام رسول رضوی نمائندہ اخبار "راشٹریہ سہارا" اردو کی توجہ اور دل چسپی کے باعث سیمینار کی خبریں اور کچھ فیصلے اجمالی طور پر مذکورہ اخبار میں بھی بروقت اشاعت پذیر ہوتے رہے اور قارئین کی آگاہی اور مسرت وسکون کا سبب بنے۔ اس تعاون پر ہم موصوف کے شکر گزار ہیں اور آئندہ بھی دل چسپی اور توجہ کی امید رکھتے ہیں۔
انشاءاللہ تعالیٰ جلد ہی ایک اجمالی رپورٹ کے ساتھ فیصلے چند ماہ ناموں میں بھی شائع ہوں گے تاکہ ہر حلقے کے قارئین کم از کم فیصلوں سے باخبر ہوسکیں۔ ان رسالوں کا بھی ہم پیشگی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ واللہ ولی الجزاء وھو خیر ناصر ومعین.

سیمینار کتنے مراحل سے گزرتا ہے اور ہر مرحلے میں کتنے ارباب ہمت کی محنت وجاں فشانی مجلس کی شریک وغم گسار ہوتی ہے، اس کی تفصیل میں گزشتہ

سیمینار سے متعلق اشرفیہ کے خصوصی شمارے میں رقم کرچکاہوں۔سب کااعادہ تو شاید مناسب نہ ہولیکن حسبِ سابق اس بار بھی مندوبین کی نوک جھونک اور "بحاثی"کودیکھ کرایک دل چسپ قصہ بار باریادآیا،وہ میں یہاں ذکرکرناچاہتا ہوں :

اسباب ستہ کے موضوع پرمذاکرات ہورہے تھے۔فقہ کی اصطلاح میں ضرورت اورحاجت کامفہوم الگ الگ ہے،جسےیوں بتایا جاسکتاہے کہ فقہا "ضرورت" کامطلب یہ بتاتےہیں کہ اس کے بغیر کام نہیں چل سکتااور مجبوری کی حالت درپیش ہےاور**"حاجت"**کےمعنی یہ کہ اس کےبغیر بھی کام ہوسکتاہےمگرسخت دشواری اورمشقت سےہوگا۔اسی سے متعلق فقہاکے نزدیک ایک قاعدہ یہ ہے کہ**"حاجت کبھی ضرورت کی منزل میں اترآتی ہے"** اس پرسیمینار میں یہ سوال پیش آیاکہ حاجت کب ضرورت کی منزل میں اترتی ہے؟ اس کاجواب بہت مشکل تھا--- شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ موجودتھے۔انھوں نے اپنے وسیع مطالعے اورطویل تجربےکی روشنی میں بہت معقول جواب دیاجس سےیہ تعیین ہوجاتی تھی کہ حاجت کب بہ منزلۂضرورت شمارہوتی ہے۔مگر نوجوان علما ہرطرف سے بول پڑے کہ اس پرکوئی حوالہ پیش فرمائیں۔اس مطالبےپرحضرت ناراض نہ ہوئے بلکہ مسرت کااظہارکیااورفرمایا "مجھ جیسے سن رسیدہ اورتجربہ کارکے بیان پربھی آپ لوگوں نے حوالے کا مطالبہ کردیا،اس سے مجھے خوشی ہوئی اور یہ اطمینان ہواکہ آپ لوگ کسی کی شخصیت سے مرعوب ہونےوالے نہیں بلکہ ہرچیزکودلیل اورتحقیق کی روشنی میں جانچنا اورپرکھناچاہتےہیں اورپوری طرح اطمینان وتشفی ہوجانےکے بعد ہی کسی کی بات قبول کرسکتے ہیں۔اس صورتِ حال سے مجھے یہ تسلی ہوئی کہ آئندہ ہمارے بعدبھی یہ کام بہ حسن وخوبی جاری رہے گا اور آپ لوگ بحث وتحقیق کااعلیٰ معیار ہمیشہ برقرار رکھیں گے"۔

حضرت ممدوح علیہ الرحمۃ کی توقع کے مطابق ان کی رحلت کے سات سال بعد بھی یہی دیکھنے میں آیا کہ ایک موقف والے کو دوسرے موقف سے متعلق جب تک پوری تشفی نہ ہوجائے، بحث جاری رہتی ہے اور جب دلائل سے واضح ہوجاتا ہے کہ دوسرا موقف ہی درست ہے تو وہ اسے قبول کرتا ہے۔ بحث و تحقیق کا یہ انداز پسندیدہ ہے اس لیے ذمہ دارانِ مجلس بھی اس کی قدر کرتے ہیں اور طول اجلاس سے زیادہ شاکی نہیں ہوتے۔عام مشاہدین میں بھی اس سے یہ اعتماد پیدا ہوتا ہے کہ جو فیصلہ رقم ہوتا ہے وہ بہت چھان بین اور تنقیح و تفتیش کے بعد رقم ہوتا ہے۔

تکمیل کلام کے لیے یہ بھی ذکر کردوں کہ "حاجت بمنزلۂ ضرورت" سے متعلق حضرت شارح بخاری علیہ الرحمۃ نے جو ذکر فرمایا تھا اس کی تائید بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں مل گئی اور فیصلے میں اس کی عبارت بھی درج کی گئی۔

الحاصل ہمارے مندوبین کی علمی وفکری اور قلمی ولسانی کاوشیں قابل ستایش اور لائق اعتماد ہیں مولا تعالیٰ انہیں استقامت اور ترقی عطا فرمائے۔

گرامی مرتبت حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی، صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ کی محنت و کاوش محتاج بیان نہیں۔اب مجلس شرعی کی نظامت کی وجہ سے ان کی ذمہ داریوں میں اضافہ بھی ہوا ہے۔سیمینار کی نظامت اور بحثوں کو سمیٹنے، پھر فیصلے کی منزل تک پہنچانے میں بھی ان کی علمی و تحقیقی مہارت کا خاص کردار ہوتا ہے جو مشاہدین سے مخفی نہیں۔ سوالات کی ترتیب، مقالات کی تلخیص، تنقیح طلب امور کی تعیین، فوٹو کاپی، فائل سازی وغیرہ علمی وانتظامی امور میں متعلقہ اساتذہ کی محنت، لگن اور تن دہی بھی قابلِ تشکر و تحسین ہے۔اسی طرح مندوبین کے قیام، خورد و نوش اور دیگر سہولیات کی حسب وسعت فراہمی میں بھی اساتذہ

اوراسٹاف اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہیں رہتے اور ہرطرح یہ کوشش کرتے رہتے ہیں کہ کسی مہمان کوکوئی تکلیف نہ ہو۔رب تعالیٰ سب کو جزائے خیر سے نوازےاوران کے اخلاصِ نیت اور کوشش ومحنت کااجربالا سے بالا تر بنائے۔

فقہی سیمینارکی اہمیت اوراس راہ کی مشکلات ومصارف کااندازہ عموماً ہمارے عوام کو نہیں ہوتا۔اس لیے اس طرف ان کادست تعاون بھی زیادہ کشادہ نہیں ہوتا،مگر کچھ واقف کاراہل خیرایسےبھی ہیں جوعلماکی ان خاموش مساعی کوبھی بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اوراپنے ناموں کےاظہارکی خواہش سےبالاترہوکرجہاں تک ہوپاتاہے خالصا لوجہ اللہ مجلس شرعی کو اپنے تعاون سے قوت پہنچاتےہیں۔مولاتعالیٰ ان کی خدمات کوبھی قبول فرمائے اوردارین کی بے پایاں برکتوں سے نوازے۔

آخرمیں تمام قارئین سےاستدعاہےکہ مجلس شرعی کےاستحکام وترقی کےلیے دعاگورہیں اور جامعہ کے تمام شعبوں کےلیے جوبروقت جاری ہیں یاآئندہ جووجود میں آنےوالےہیں اپنی مخلصانہ دعاؤں،نیک تمناؤں اوربیش بہااعانتوں کاسلسلہ جاری رکھیں تاکہ دین وملت کایہ تاب ناک گلشن ہمیشہ شاداب رہے اوراس کی خدمات کادائرہ وسیع سے وسیع ترہو۔

وصلی اللہ علیٰ خیرخلقه سید نامحمد خاتم النبین وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین.

مجلس شرعی کے چودہویں فقہی سیمینار کا خطبۂ صدارت

منعقدہ:۱۹؍ تا۲۱؍ صفر ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۰ تا۱۲ مارچ ۲۰۰۷ء شنبہ تادوشنبہ

بمقام:امام احمد رضا لائبریری، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ.نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم. أمابعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم. بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ’’فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ‘‘۔صدق اللہ مولانا العظیم.

مجلس شرعی کا یہ چودھواں فقہی سیمینار ہے،سیمینار کی افادیت آپ حضرات پرروشن ہے کہ بہت سے مسائل میں رائیں مختلف ہوتی ہیں لیکن بحث ومباحثہ کے بعد اور تحقیق وتنقیح کے بعد ایک راے پر اتفاق ہو جاتاہے جس سے یہ معلوم ہوتاہے کہ اگریہ مذاکرات کاسلسلہ نہ ہوتااور آزادانہ طور پر فتاویٰ لوگ صادر کرتے تو فتاوی میں کتنے اختلافات ہوتے،یایہ ہو تاکہ سرے سے اس طرح کے نئے مسائل پر کوئی جواب ہی نہ لکھاجائے اورلوگ اضطراب میں مبتلا رہیں انہیں معلوم ہی نہ ہو کہ ہمارے لیے جادۂ عمل کیاہے اور حکمِ شریعت کیا ہے جیساکہ ایک زمانے تک یہی رہاکہ یہ مسائل تشنۂ تحقیق رہے اور ان پرآرا سامنے ہی نہ آتی تھیں۔

مقالات کا مطالعہ کرنے سے یہ ظاہر ہوتاہے کہ کسی مسئلے میں تین تین چار چار رائیں ہوتی ہیں۔اور ہر راے کے ساتھ کچھ نہ کچھ دلیل بھی وابستہ ہوتی ہے لیکن تحقیق وبحث کے بعد یہ ظاہر ہو تاہے کہ دلیل کس قدر وزنی ہے

یااس کا کون ساپہلو چھوٹ گیاہے اور کن امور کی رعایت کرنااوران کوترجیح دیناضروری ہے،یہ فائدہ ان مذاکروں سے برابر ہوتارہاہے۔ان کی وجہ سے ایک متفقہ راے سامنے آتی ہے اورحکم شرعی درج ہو تاہے،جس سے لوگوں کو باخبر کیاجاتاہے اوران کے لیے عمل کی راہ واضح ہو جاتی ہے۔

رب قدیر کاشکرہے کہ آپ حضرات اپنی کاوشوں اورمحنتو ں سےاس سلسلے کو آگے بڑھا رہے ہیں۔یقیناًاس وقت ملت کے بے شمار مسائل علماے کرام کی توجہ کے محتاج ہیں اورہرمعاملے میں ذمہ دار،علماہی قرار پاتے ہیں لیکن جس طرح دنیاکے تمام افراد کے ساتھ مصروفیات ہیں اسی طرح علماے کرام کے بھی اپنے مسائل ومعمولات اورمصروفیات ہیں جن سے ہٹ کرکسی نئے کام کے لیے وقت نکالنا بڑادشوار ہوتاہے۔لیکن جب کوئی توجہ دلانےوالاہوتا ہے اورپیش قدمی کرتاہےتو علماے کرام اپنے اوقات میں سے کچھ وقت نکال کر ان کاموں کو پورا کرنےکی کوشش کرتےہیں۔ جدید مسائل شرعیہ کے سلسلےمیں بھی ضرورت بہر حال اس کی تھی کہ پیش قدمی ہو اور اس سلسلے میں کوئی آگے آئے۔ الحمدللہ جامعہ اشرفیہ نے اس سلسلے میں بھی پیش رفت کی اور اس کی وجہ سے یہ کام آگےبڑھاہےاوراب تک بہت سے مسائل حل ہوچکے ہیں۔ ان مقالات اورفیصلوں کامجموعہ بھی ان شاء اللہ جلدہی اشاعت پذیر ہوگا۔

ان دینی وعلمی کاوشوں پر آپ حضرات بہرحال ہماری طرف سے مبارک باد کےمستحق ہیں۔آپ کی خدمت میں کوئی کوتاہی ہو تو آپ سے در گزر کی درخواست ہے۔آپ نےیہ کام اللہ تعالیٰ کےلیے اور دین کے فروغ کےلیے شروع کیاہے، اس لیےرب تبارک وتعالیٰ ہی اس کااجر عطافرمائےگااورآپ کی کوششوں میں دنیاو آخرت کی برکتیں عطافرمائےگا۔ وما علیناالا البلاغ.

مجلس شرعی کے پندرہویں فقہی سیمینار کا خطبۂ صدارت

منعقدہ ۱۸/ تا ۲۰/ صفر ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۶/ تا ۲۸/ فروری ۲۰۰۸ء سہ شنبہ تا پنج شنبہ

بمقام: شارح بخاری دارالافتا، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم أمابعد فقد قال رسول الله ﷺ ''من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین'' صدق رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم.

مجلس شرعی کے پندرہویں فقہی سیمینار میں آپ حضرات تشریف لائے اس پر مجلس کی جانب سے آپ کا شکرگزار ہوں اور آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں کہ آپ حضرات نے اس دینی کام کے لیے وقت نکالا، سفر کی صعوبتیں برداشت کیں اور یہاں تشریف لائے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہماری نظر میں یہ بھی ہے کہ یہ کوئی جلسے کی شرکت نہیں ہے جس میں عموماً مقرر کو پہلے سے تیاری کی ضرورت نہیں پڑتی، مقرر وقت پر چلا جاتا ہے اور تقریر کر کے چلا آتا ہے۔ سیمینار میں شر کت کے لیے یقیناً آپ حضرات نے پہلے ہی سے کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور محنت وجستجو کی ہے، مقالات لکھے ہیں، بحثوں پر غور کیا ہے اور اس کے بعد آپ یہاں تشریف لا ئے ہیں۔ آپ حضرات کی یہ سابقہ محنت اور تلاش وجستجو بھی ہمارے لیے باعث تشکر ہے، بلکہ آپ حضرات کا مسائل کے غور وخوض میں کوشش اور محنت کرنا یہ اور زیادہ باعث تشکر ہے۔

پندرہویں فقہی سیمینار تک بہت سے مسائل آپ حضرات کی محنتوں اور کوششوں سے حل ہو چکے ہیں اور ہماری جماعت کو اس بات پر فخر ہے کہ

ہمارے علماے کرام اس راہ میں کوشش کررہے ہیں اور ان کی توجہات سے پیچیدہ مسائل حل ہورہے ہیں۔
اس سلسلے میں ہمارے لیے تحقیق اور جستجو کی راہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے متعین کردی ہے۔انھوں نے جو تحقیقات فتاویٰ رضویہ میں رقم کی ہیں اور جو اسلوبِ تحقیق اور اندازِ بحث ان کا ہوتاہے، یہ سب ہمارے لیے رہ نمااور لائحۂ عمل ہے۔ آپ نےان کی تحقیقات کا مطالعہ کیاہے۔ان کی تحقیقات کی وجہ سے ہمارے لیے بہت سے مسائل پہلے سے حل شدہ ہیں اور بہت سے نئے مسائل کے حل کرنے کی راہ مل جاتی ہے۔ جب کہ دوسرے لوگوں کا حال یہ ہے کہ ابھی یہ سوال ہورہاہے کہ ”فلاں حضرت نے یہ لکھاہے کہ مسافر جب اپنے گھرسے قدم نکالے اسی وقت سے اس کا سفر شروع ہوجاتاہے،دوسرے حضرت نےیہ لکھاہے کہ جب آبادی کے باہر ہوتب اس کاسفر شروع ہوتاہے،تیسرے حضرت نے یہ لکھاہے کہ جب حوالی شہر سے تجاوز کرجائے تب اس کاسفرشروع ہوتاہے۔بتائیےآپ کی کیارائے ہے۔“ گویا ابھی ان کے یہاں یہی حل نہیں ہے کہ سفرشرعی کی ابتداکب سےاورکہاں سے معتبرہوتی ہے، جب کہ سوسال پہلے ہی ہمارے یہاں اس کی تحقیق ہوچکی ہے۔اعلیٰ حضرت امام احمدرضا قدس سرہ کی تحقیقات جدالممتاراورفتاویٰ رضویہ میں موجود ہیں۔ انھوں نے فقہی نصوص کی روشنی میں بالکل واضح اور روشن کردیاہے کہ سفر کا آغاز کب سے ہو تاہے،نماز کو کب قصر کرنا ہوگا،جب کہ دوسروں کے یہاں یہ ابھی زیر بحث ہے اور فلا ں حضرت، فلاں حضرت نےاور پیچیدگی پیداکردی ہے۔ اصاغر تواصاغرہیں جو بڑے بڑے شیخ الکل فی الکل سمجھے جاتے ہیں ان کے یہاں بھی اس طرح کے مسائل واضح نہیں ہیں اور بھول بھلیاں میں پڑے ہوئے ہیں۔اب پس

رووں کو سمجھ میں نہیں آرہاہے کہ ہم کو کیا کہنا چاہیے، کیا لکھنا چاہیےاور کیا دلیل دینی چاہیے، جب کہ ہمارے یہاں یہ مسئلہ بالکل واضح ہے۔

اس سے پہلے بھی آپ نے سنااور دیکھاہو گا، تقریبًا پندرہ سال یااور زیادہ پہلے پھران کے یہاں نوٹ کے بارے میں بحث ہونے لگی کہ یہ کیاہے، جب کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ جب اپنے دوسرے سفرِ حج میں گئے تھے ۱۳۲۳ھ و۱۳۲۴ھ میں اسی وقت انھوں نے رسالہ **"كفل الفقيه الفاهم فى احكام قرطاس الدراهم"** لکھ دیاتھا اور نوٹ کے تمام مسائل واضح کردیے تھے۔ دوسروں نے بالکل دوراز عقل وشرع جوکچھ لکھاتھااس کی تردید بھی کردی تھی۔ تقریبًا اسّی سال بعد پھران لوگوں نے نوٹ کے بارے میں غورکیااور آخراُسی پرآئے جو اعلیٰ حضرت نے لکھاتھا۔ الغرض ہمارے بزرگوں نے ہمارے لیے راہ متعین کردی ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بے شمار مسائل حل کردیے ہیں، وہ بہار شریعت میں بھی آگئے ہیں۔ مسائل کی تحقیق اور حل کس انداز سے ہو ناچاہیے وہ بھی کرکے دکھادیاہے، اس لیے ہمارے لیے بہت آسانیاں ہیں اور ہم کو دوسروں کی دریوزہ گری کی کوئی ضرورت نہیں، یہ ہمارے محتاج ہیں اوراپنی محتاجی کو چھپانے کے لیے اپنے لوگوں سے سوالا ت کررہے ہیں۔ آئیں گے اسی پر جواعلیٰ حضرت قدس سرہ نے سوسال پہلے لکھ دیاہے اور اگراس پرنہیں آئیں گے تو ٹھوکر کھائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے ہم کو ان سے بے نیاز کرر کھاہے۔ ہم کو اپنا وزن محسوس کرنا چاہیے اور یہ سمجھناچاہیے کہ ہم فقہ کے معاملے میں فتاویٰ رضویہ اور اعلیٰ حضرت کی تحقیقات کی وجہ سے ان سے بے نیازہیں۔ ہم تحقیقات اعلیٰ حضرت کے انداز پرکوشش کرتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے جو اصول ہمیں دکھادیے ہیں ہم ان پرچل کربحمدہٖ تعالیٰ منزل کی طرف رواں

ہیں اوررب تعالیٰ کے فضل وکرم اوربزرگوں کے فیضانِ علم سے صحت وصواب کی توقع رکھتے ہیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سب حضرات کو کامیابیوں سے ہم کنار فرمائے اورزیر بحث مسائل کو بھی حل کرنے کی توفیق عطافرمائے۔

آئندہ بھی جو مسائل درپیش ہوں اورآپ حضرات کی خدمت میں سوالات پیش کیے جائیں،ہم امید رکھتے ہیں کہ آپ اپنے علم وفضل سے کام لیتے ہوئے اس راہ میں کوشش کریں گے،کیوں کہ یہ ذمہ داری آپ ہی کی ہے۔

امت کاایک حصہ اور ایک جماعت جب تک اس کام پر نہ لگے تب تک یہ مسائل حل نہیں ہوسکتے۔اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کوتوفیق خیر سے نوازے۔آمین۔

آخرمیں پھرآپ حضرات کا آپ کی آمدپراورآپ کی سابقہ اورموجودہ کوششوں پر شکریہ اداکرتاہوں اور آپ کی خدمت میں اگرکوئی کوتاہی ہو تو اس سے پیشگی معذرت خواہ ہوں۔وآخر دعواناان الحمدللہ رب العالمین.

مجلس شرعی کے سولھویں فقہی سیمینار کا خطبۂ استقبالیہ

منعقدہ ۱۸/ تا ۲۰/ صفر ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۴/ تا ۱۶/ فروری ۲۰۰۹ء شنبہ تا دوشنبہ

بمقام: شارح بخاری دار الافتا، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته. نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم. أما بعد! فقد قال رسول الله ﷺ: ''من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین'' صدق رسول الله صلی الله علیه وسلم.

درود شریف پڑھ لیں! اللهم صل علیٰ محمد و اٰلهٖ وصحبهٖ وبارك وسلم.

مجلس شرعی کا یہ سولھواں فقہی سیمینار ہے جس میں آپ حضرات سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے تشریف لائے۔ میں آپ سبھی حضرات کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ یقیناً اس اجلاس میں شرکت کے لیے آپ نے پہلے سے مطالعہ کیا ہے، تیاری کی ہے، مقالات لکھے ہیں اور پھر بحث ومذاکرہ کے لیے یہاں تشریف لائے ہیں۔ ایک اجلا س وہ ہوتا ہے کہ چلی چلائی تقریر ہے جسے سال بھر تک کرتے چلے آئے ہیں۔ اب کسی نئے مقام پر پہنچے، مضمون ذہن میں ازبر ہے، اجلاس میں شرکت کی اور سنادیا۔ لیکن یہ وہ اجلاس نہیں ہے کہ یہاں سال بھر کی دہرائی ہوئی تقریر ایک بار کر دینی ہو۔ یقیناً اس میں شرکت کے لیے جو دیے گئے موضوعات ہیں، ان پر مطالعہ کرنا ان کے گوشوں کو دیکھنا، سمجھنا اور حل کرنا یہ ہر مندوب کی ذمہ داری ہوتی ہے اور اس ذمہ داری کو انجام دیتے ہوئے مقالہ رقم ہوتا ہے اور مجلس شرعی

کو بھیجا جاتا ہے اس کے بعد مزید بحث و تنقیح کے لیے یہ نشستیں منعقد ہوتی ہیں۔اس لیے آپ حضرات کی جو سابقہ محنتیں اور کاوشیں ہیں وہ بھی قابلِ مبارک باد اور لائق صد تحسین ہیں۔

بعض مقالات میں نے دیکھے کافی بحث وجستجو کے ساتھ اور تمام گوشوں کا احاطہ کرتے ہوئے لکھے گئے ہیں۔ایسے مقالات اور زیادہ تعریف وتحسین کے مستحق ہیں۔ پھر مقالہ بھیجنے کے بعد آپ کا یہاں تشریف لانا اور مسائل کو حل کے مرحلے تک پہنچانا یہ آپ کا مزید کارنامہ ہوگا جس پر ہم آپ کے شکر گزار ہیں اور آپ حضرات کی خدمت میں جو کچھ بھی کوتاہی ہوئی ہو یا ان تین دنوں کے دوران ہو اس کے لیے بھی پیشگی معذرت خواہ ہیں۔جہاں تک ہوسکتا ہے کوشش کی جاتی ہے کہ انتظام صحیح رہے اور کچھ کمی رہ جاتی ہے تو اس کے بارے میں ہمیں امید ہے کہ آپ حضرات نظر انداز فرمائیں گے جو مشقتیں آپ نے اس علمی خدمت کو انجام دینے کے لیے جھیلی ہیں، اگر کچھ کمی رہ جاتی ہے تو ان کی بہ نسبت یہ بہت معمولی ہوگی اور آپ حضرات اسے معاف فرماسکتے ہیں، آئندہ کے لیے آپ حضرات نشان دہی فرماسکتے ہیں تاکہ جو خامیاں ہوں ان کو آئندہ نہ رہنے دیا جائے اور درست کیا جائے۔

اس کے بعد میں کچھ اور عرض کرنا چاہتا ہوں:جو موضوعات ہیں ان پر تو آپ بحث کریں گے ہی لیکن ہمارے کچھ جماعتی مسائل بھی ہوتے ہیں جن پر ہمیں توجہ دینے کی ضرورت ہے۔آج یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ہمارے افراد مختلف شعبوں میں پہنچیں اور مختلف شعبوں میں کام کریں۔ مثلاً

ا-صحافتی لائن میں ہمارے لوگ بہت کم نظر آتے ہیں، اب اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے مفتی آل مصطفیٰ صاحب کے ایک مضمون پر اعتراض

”راشٹر یہ سہارا“ میں چھپا،اس کا جواب انھوں نے تیار کیا تو اس اخبار کے آٹھ نوایڈیشن نکلتے ہیں کسی میں وہ چھپ نہیں رہا ہے، پہنچ گیا ہے اور شائع نہیں ہورہا ہے۔وجہ یہ ہے کہ دوسرے وہاں پر براجمان ہیں اور وہ مسلکی تعصب کی بنا پر ہماری خبریں یا تو چھاپتے ہی نہیں یا چھاپتے ہیں تو بہت ہلکی اور ایسے انداز میں کہ عام قارئین کی نظر وہاں نہ پہنچے۔

۲-اسی طرح سیاسی میدان میں بھی خلا نظر آتا ہے۔کوئی بات حکومت تک پہنچانی ہو تو اس کے لیے بااثر افراد اور ذرائع کی ضرورت ہے۔ حکومت کی طرف سے جو مراعات مسلمانوں کے لیے ہوتی ہیں،ان کو حاصل کرنا ہو، مدارس کے لیے اور قوم مسلم کے لیے جو فوائد ہوں،ان کو حاصل کرنا ہو تو اس سلسلے میں ہمارے لوگوں کو خبر بھی نہیں ہوتی ہے اور دوسرے لوگ سب اُچک لے جاتے ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس سلسلے میں ایک تو اپنے فارغین کی رہ نمائی کریں کہ وہ مختلف شعبوں میں، مختلف محکموں میں پہنچنے کی کوشش کریں اور کسی بھی شعبہ کو اپنا نشانہ بنا کر اس کے لائق مہارت، قابلیت اور اعلیٰ صلاحیت پیدا کریں۔

۳- دوسرے یہ کہ جو لوگ حکومت کے مختلف محکموں میں کام کر رہے ہیں اور ہماری جماعت سے وابستہ ہیں،ان سے ہم رابطہ رکھیں۔ ان کو قریب کریں، مذہبی طور پر ان کو اپنی معلومات بہم پہنچائیں تاکہ وہ مسلک اور عقیدے کے لحاظ سے متصلب بھی ہوں اور ان کے اندر اپنی جماعت کے لیے کام کرنے کا جذبہ بھی پیدا ہو۔رابطہ نہ رہنے کی وجہ سے جو افراد کام کرتے ہیں وہ یوں ہی بے سہارا رہتے ہیں اور دوسروں کی رو میں بہتے رہتے ہیں۔

[اس کے بعد حضرت بحرالعلوم مدظلہ کی آمد اور صدر مجلس شرعی کی طرف سے خوش آمدید]

میں یہ عرض کررہاتھاکہ اپنےلوگ بہت سے مختلف محکموں میں کام کر رہے ہیں لیکن ہماراان سے کوئی رابطہ نہیں ہے،جس کی وجہ سے ہمارا کوئی کام وہ کرنا بھی چاہیں توان کومعلوم نہیں ہےاوروہ کرنہیں پاتے،اس لیےان سے رابطہ رکھنے میں ان کافائدہ تویہ ہوگاکہ وہ مذہبی اعتبار سےمتصلب ہوں گے، دینی معلومات ان کے پاس فراہم ہوں گی اورجماعت کا فائدہ یہ ہوگا کہ جماعتی کام ان کے ذریعہ انجام پاتے رہیں گے۔

اسی طرح کالجوں اور یونیورسٹیوں کی لائن میں ہمارے جو طلبہ اور اساتذہ رہتے ہیں ان سےبھی ہمارارابطہ ہوتووہ اپنے مسلک اوراپنے مذہب پر پختگی کےساتھ قائم رہ سکتے ہیں۔ ورنہ دوسرے پہنچتے رہتے ہیں اورجو اساتذہ اورطلبہ ہیں ان کو اپنی باتیں پلاتے رہتےہیں، یہاں تک کہ وہ راہ سے ہٹ جاتے ہیں۔اگر ہمارارابطہ ہوتووہ ہماری راہ پررہیں گے اورمضبوط اورٹھوس بھی ہوں گے۔اس کےساتھ ساتھ وہ جماعتی کام بھی کریں گے۔

یہ راہیں اپنانا ہمارے لیے ناگزیر ہوچکا ہے اگر ہم صرف اپنی حدول تک رہ گئےتو ہماری جماعت کے مسائل حل نہیں ہوسکیں گے اور اس طرح کے کام رکھے رہ جائیں گے۔

۴-اسی طریقہ سے ادبی میدان اور ادبی محکمے ہیں۔ہمارے یہاں اہل قلم بہت سے ہیں۔لیکن جب اہل ادب کے طرز پر لکھا جائے یعنی عام ادبی موضوعات پرکسی کی تحریریں ہوں،نظم میں، نثر میں تو اہل ادب کامرکزتوجہ بنتی ہیں۔ وہ ان پراپنے خیالات کا اظہارکرتے ہیں اورلکھنے والوں کوادبا کی فہرست میں شامل کرتے ہیں۔ہمارے یہاں صاحب طرزاورصاحب اسلوب شخصیتیں موجود ہیں لیکن ادبامیں ان کا شمارنہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم خودان محکموں میں ہوں اوراپنا تعارف کرانے کی کوشش کریں اور ہمارے جوافرادوہاں

پہنچے ہوئے ہیں ان سے ہماراربط ہو۔ان سب چیزوں پر جماعتی انداز میں توجہ دینااوراس کے ذرائع اور تدابیر بروئے کارلانا،یہ بھی آج کی ضرورت ہےاورہم سب کواس پر توجہ دیناچاہیے۔

۵- ایک اوراہم بات عرض کرناچاہتاہوں وہ یہ کہ جوحضرات مختلف میدانوں میں کام کررہے ہیں، ان کی ہمت افزائی بھی ہونی چاہیے۔مثال کے طور پر دعوت اسلامی اورسنی دعوت اسلامی کےلوگ،یہ عوام کے پاس جاتے ہیں،ان کوعقیدہ اورعمل کی تعلیم دیتے ہیں، ان کو راہ پرلاتے ہیں اور یہی صحیح جو اب ہے اس تبلیغی جماعت کا جس نے ہماری بستیاں کی بستیاں خراب کردیں اور پچاس سال تک ہم ان کے جواب میں صرف یہ کہتے رہے کہ تمھارے عمل کاکیااعتبار،تمھاری نماز کاکیااعتبار، بغیر ایمان کے نجات نہیں ہوسکتی۔ایمان اگر ہےتوکسی نہ کسی مرحلہ میں نجات ہوگی۔رسول اللہ ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی۔پچاس سال تک یہ جواب چلتارہا،کچھ تقریروں کااس سے استثنا کیا جا سکتا ہے۔بات سوفیصد صحیح ہے۔لیکن یہ عمل کی راہ سے آنےوالےطوفانِ بد عقیدگی کا حل نہیں، بلکہ اس سے دوخرابیاں پیداہوئیں۔یہ جو اب صرف اسٹیجوں تک رہ جاتاہے اور جو لوگ اس جلسہ میں حاضر ہوتےہیں وہ مطمئن ہوجاتے ہیں کہ صاحب ہم کوتوعمل کرنےکی ضرورت نہیں،ہمارا ایمان ہی ہمارے لیے کافی ہے۔اس سے ہمارے لوگوں کے اندربے عملی پھیلی،بڑھی، جب کہ علماکا کام یہ نہیں ہے کہ صرف عقیدہ درست کروادیں اورعمل کی راہ میں آزادکردیں۔ عقیدہ اورعمل دونوں کی اصلاح کرنا علما کی ذمہ داری ہےاورحقیقت یہ ہےکہ جن کااعتقاد صحیح ہے انہی کےلیے حسن عمل کافائدہ ہے۔دعوت عمل اور تحریک عمل سے انہیں محروم رکھنے میں خسارہ ہی خسارہ ہے اوراحکم الحاکمین کے حضور جواب دہی بھی ----خیر کہنایہ ہے کہ مذکورہ طرز سے دونقصان ہوئے۔

ایک یہ کہ ہمارے بہت سے لوگ خراب ہوئے،دوسری خرابی یہ پیدا ہوئی کہ جن کے اندر عمل کی رغبت تھی وہ تبلیغی جماعت سے منسلک ہو گئے اور بعدمیں ان کے ہم عقیدہ بھی ہوگئے۔ اس میں شہر کے شہر، بستیاں کی بستیاں ہمارے ہاتھوں سے نکل گئیں،تو صحیح جواب یہ ہے کہ ہم عمل کے میدان میں بھی عوام کو ترغیب دیں، عقیدہ کی بھی اصلاح کریں اور قریہ قریہ پہنچ کراپنی بات پہنچائیں اور لوگوں کو اپنی جماعت سے منسلک کریں۔ لیکن ہمارے یہاں اختلاف و انتشار گویا فطرت میں داخل ہے اس لیے کوئی مثبت اور تعمیری کام ہوبھی رہا ہے تو اس کونظر انداز کردیا جاتا ہے یا اس کی ہمت شکنی کی جاتی ہے،بجاے اس کے کہ اس کی حوصلہ افزائی ہو۔مولانامحمدالیاس قادری بہت زبردست عالم نہیں ہیں لیکن دعوت اسلامی کے تحت عالمی پیمانے پر دین و سنیت کی جوعظیم خدمت وہ انجام دےرہے ہیں اسے نظر اندازکرنا بہت بڑی ناقدری ہوگی۔انھوں نے آج کی ضرورت کے پیش نظر ''مکتبۃالمدینہ'' بھی قائم کیا ہے،جس میں ستر افراد کا اسٹاف کام کررہا ہے اورانھوں نے ''جد الممتار'' کواز سر نولانے کی کوشش کی ہے۔ہم لوگوں نے تو اصل کو شائع کردیاتھااوراضافے بہت کم تھے،لیکن انھوں نے اس کاالتزام کیا کہ فتاویٰ رضویہ میں جومسائل ہیں جد الممتار کے متعلقہ باب میں ان کوبھی شامل کیاجائے۔اس طریقے سے انھوں نے دوبارہ ایڈٹ کرکے چار جلدیں شائع کی ہیں اوراسی اندازپر باقی جلدوں کوبھی لاناچاہتے ہیں۔ بہار شریعت ہمارے یہاں عرصۂدراز سے رائج ہےلیکن مکتبۃ المدینہ نے ایک تو اس کے حوالوں کی تخریج کی ہے، دوسرےاس کےساتھ ساتھ حواشی بھی لکھےہیں،تیسرےفقہی فوائداور اصطلاحات شروع میں دی ہیں اوربہت سی دوسری چیزیں شامل کی ہیں جواس کتاب کو بہت ہی عظیم،بہت ہی وقیع اورعوام وخواص کےلیے بہت زیادہ مفید بنا دیتی

ہیں۔اس طرح کی خدمات جو ہمارے افرادکررہے ہیں ان کی ہمت افزائی ہو نا بھی ضروری ہے کہ جوکا م ہم نہ کرسکے انھو ں نے کیا،نہ یہ کہ ہم نہ کرسکے اورکو ئی دوسراکررہا ہےتواس کی کوئی اہمیت نہیں،کوئی حیثیت نہیں۔بلکہ جوبھی ملت کا،جماعت کا،دین کا کام کررہا ہے اس کی حو صلہ افزا ئی ہو تی رہے تو جتنا کچھ وہ کررہا ہے اس سے زیا دہ کرنے کی کوشش کرے گا اور دوسرے افراد کے اندر بھی جذ بہ پیدا ہو گا کہ ہم اس طر ح کے کا م کریں۔

علماےکرام کا رویہ یہ ہوناچا ہیے کہ اگرکسی کے اندر کو ئی خا می ہے تو اخلاص کے ساتھ اس کی اصلا ح کردی جا ئے،میں یہ نہیں کہتا کہ خا میوں کو پنپنے ہی دیا جائے۔کسی کے اندر خا می ہو تو اس کی اصلاح کی جا ئے لیکن جوخو بی ہو اس کو بھی نظر اندازنہیں کرناچاہیے کہ بڑی سے بڑی خو بی ایک خا می کی وجہ سے ردی کی ٹوکری میں ڈال دی جائے،اس کی کوئی حیثیت نہ رہ جا ئے۔ جو کام پوری جماعت نہ کرسکی وہ کام بھی اگر کوئی کررہا ہے اوربڑے پیمانے پر کررہاہے تواس کوبھی کوئی حیثیت نہ دی جائے۔ان باتوں سے بہرحال ہمارے مخلص اوردیدہ ورعلماکودوررہنا چاہیے اورجما عت کے کاژکوآگے بڑھانے کےلیے جوچیزیں مفیداور کارآمد ہوسکتی ہیں ان پرتو جہ دینی چا ہیے۔رب تعالیٰ ہم سب کو توفیق خیر سے نوا زے۔

میں پھرآپ حضرات کی آمد پر خیرمقدم کہتا ہوں اور اس کےساتھ ساتھ فروگزاشتوں کےسلسلے میں معافی بھی چاہتاہوں۔خداکرے کہ ہمارے اس سولہویں سیمینارکی بھی تمام نشستیں کامیاب،بارآور،نتیجہ خیزاور بہترومفید ثابت ہوں۔

وآخردعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین.

مجلس شرعی کے سترہویں فقہی سیمینار کا خطبۂ صدارت

منعقدہ ۱۴ر تا ۱۷ر صفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۳۰ر جنوری تا ۲ر فروری ۲۰۱۰ء شنبہ تا سہ شنبہ

بمقام: دارالعلوم نوری، اندور، ایم-پی

بڑی مسرت کی بات ہے کہ مجلس شرعی کا فقہی سیمینار آج ایک نئے صوبے- مدھیہ پردیش کے نئے شہر-اندور-سے روشناس ہورہا ہے۔ دارالعلوم نوری، اندور کے صدر ومہتمم مفتی حبیب یار خاں دام فضلہ، بانی وناظم ادارہ الحاج عبدالغفار نوری اوران کے رفقاومعاونین ہم سبھی حاضرین کی طرف سے مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ہمت سے کام لیااور مبارک پور کی سرزمین سے زیادہ تزک واحتشام کے ساتھ اندور میں مجلس شرعی کا سترہواں فقہی سیمینار منعقد کیا۔ یقیناً اس سلسلے میں ان حضرات نے بڑی جدوجہد اور محنت وکاوش کی ہے اور بڑی ہم دردی وقربانی کا ثبوت پیش کیا ہے جس پر مجلس شرعی کی جانب سے میں ان حضرات کا بصمیم قلب شکریہ اداکرتا ہوں اور دست بدعا ہوں کہ مولا تعالیٰ ان حضرات کی مخلصانہ خدمات کو قبول فرمائے اوراپنے کرمِ بے پایاں سے وہ جزائے گراں مایہ عطافرمائے جو ہمارے وہم وخیال سے بھی بالا وبرتر ہو۔ رب کریم خیر کی راہوں میں انھیں استقامت عطافرمائے، ان کی خدمات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر بنائے اوردارالعلوم نوری کو بھی ہر جہت سے فروغ وترقی اور وسعت واستحکام بخشے۔آمین بجاہ النبی الکریم علیہ وعلیٰ الہ و صحبہ أفضل الصلاۃ وأکرم التسلیم.

حضرات ! اس موقع پر ایک شخصیت کی یاد بار بار آرہی ہے۔ ان کی صورت

ان کی سیرت، ان کی تگ ودواور حرکت وعمل کا نقشہ بار بار آنکھوں میں پھراجاتاہے۔ وہ ہیں مخدوم گرامی حضرت مفتی رضوان الرحمٰن فاروقی، مفتی مالوہ علیہ الرحمۃ والرضوان من الرحمٰن۔ بچپن میں ان کی کتاب اصلاح العوام کے ذریعہ میں ان سے متعارف ہوا۔ بعد میں دوسری کتابیں بھی دیکھیں اورایک بار جگسلائی، جمشید پور میں ملاقات اورتقریر سننے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ پہلے اس پورے دیار میں صرف انہی سے میں آشنا تھا اوراتفاق سے اب حاضری اُس دور میں ہورہی ہے جب وہ برسوں پہلے ہم سے رخصت ہوچکے ہیں میں زیادہ حالات سے واقف نہیں لیکن یہ سمجھتا ہوں کہ اس خطے کی دینی فضامیں ان کی مساعی جمیلہ کادخل ضرورہے اور میرا خیال ہے کہ دارالعلوم نوری کی تاسیس وتعمیر میں اگران کی عملی شرکت نہیں توان کی فکر،ان کی تحریک، ان کی تربیت اور ماحول سازی کی شرکت ضرورہے۔

افسوس کہ ان کی خدمات وحالات پرکوئی کتا ب یامضمون نہ ان کی زندگی میں دیکھنے کوملا نہ ان کی رحلت کے بعد۔اگرکچھ چھپااور عام ہوا توکوتاہی میری ہے کہ اب تک اسے حاصل نہ کرسکااور شائع نہیں ہواتوکو تاہی ان کی ہے جنھوں نے خودتو ان سے فیوض وبرکات بہت حاصل کیے مگردوسروں کے لیے روشناسی کی کوئی صورت باقی نہ رکھی:۔

خدارحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ضرورت ہے کہ ان کی سبھی کتابیں باربار شائع ہوتی رہیں اور ان کے حالات پر بھی کوئی جامع کتاب برابرا دستیاب رہے۔

اب میں اپنے مندوبین کرام سے مخاطب ہوں جنھوں نے اپنی گراں قدر علمی کاوشوں سے مجلس شرعی کو قوت پہنچائی اور اب کی بار پہلے سے زیادہ سفر کی صعوبتیں اٹھائیں اورزیادہ وقت کی قربانی بھی پیش کی۔اس عنایت وآمد

پر میں آپ سبھی حضرات کا خیر مقدم کرتا ہوں اور شکرگزار ہو ں کہ مجلس کے ساتھ آپ نے جو پیمان وفا باندھا، سفر کی صعوبت، موسم سرما کی شدت اوروقت کااضافہ اس میں رخنہ اندازنہ ہوسکا اور یہاں بھی آپ کی وہی ہمت و عزیمت جلوہ نماہے جو مبارک پور میں ہوتی ہے۔ فجزاکم اللہ خیرالجزاء.

آپ غورکریں تو امت کی رہنمائی اوردین کی تبلیغ واشاعت کا جوفریضہ نائبین رسول کی گردنوں سے وابستہ ہے وہ خود انہیں بہت ساری ذمہ داریاں اپنے کاندھوں پراٹھانےکی دعوت دیتاہے۔ انھیں ذمہ داریوں میں سےایک یہ بھی ہے جس کےلیے آپ یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اس لحاظ سے آپ کسی دوسرے کےلیے نہیں بلکہ خوداپنا فرض اداکرنےکےلیے تشریف لائے ہیں اگرکوئی داعی بن گیااور مذاکرات کےاجتماع اورضروریات کے مصارف کابارااپنے سراٹھالیاتو اپنی کسی ذاتی غرض کےلیے نہیں بلکہ اسی فرض میں اعانت کےلیے جوخدااوررسول کی جانب سے آپ کے اوپرعائد ہوتاہے۔اس اعتبار سے داعی خوداصل ذمہ داروں کےتشکرو امتنان کا حقدارہے۔

حضرات! کام بہت ہیں،جن کااحساس اورشدیداحساس آپ کوبھی ہوگا مگر آپ پیش قدمی کیوں نہیں کرتے؟اس لیے کہ ہربڑے کام کےلیےباصلاحیت افرا داور سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے۔اگر افرادموجودہوں اوروسائل مفقودتوکوئی کام نہیں ہوسکتا،اسی طرح اگرسر ما یہ اوروسائل فراہم ہیں مگرلائق افراددستیاب نہیں توہوسکتا ہے کہ سا راسرمایہ خردبردہوجائےاور کام کچھ بھی نہ ہو پائے یا سرمایہ توکسی قدر محفوظ رہے مگر جتنا اور جیسا کا م ہو نا چا ہیے ویسا نہ ہو سکے۔

بیش تر حضرات ایسے ہی ہیں جو افراد اوروسائل دونوں کو یکجا کرکے کام آگے بڑھانے کے تصور ہی سے خائف اورلرزاں وترساں ہیں اس لیے ہر کام اپنے کسی دردمندکرم فر مااور حو صلہ مند کارآزما کےانتظارمیں پڑا گریاں اورمحونالہ

وفغاں ہے۔

جب کسی ضروری اوراہم کام کی بات آتی ہے تو اپنی براءت کے لیے یہ کہہ کرتسلی حاصل کرلی جاتی ہے کہ یہ کام فلاں ادارے، فلاں خانقاہ یا فلاں شخصیت کوکرناچاہیے۔ان کے پاس افراد بھی ہیں اوروسائل کی بھی فراوانی ہے، ہمارے پاس توکچھ بھی نہیں،ہم کیا کرسکیں گے۔

جب کسی قوم پر اِدبار آتاہے تو اس کی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ سب ایک دوسرے کوالزام دے کراورایک دوسرے کاشکوہ کرکے بیٹھ جاتے ہیں اور سلطنت ہاتھ سے چلی جاتی ہے۔مخالف میدان خالی پاتاہے اور علاقے کا علاقہ بغیر کسی مزاحمت کے فتح کرتا چلاجاتاہے۔بےحس قوم کواس پر بھی ہوش نہیں آتا اوردوسرے کی غلامی کا قلادہ گردن میں ڈال کرچین سے سوجاتی ہے یا موت کے گھاٹ اتر کرہمیشہ کے لیے نیست ونابودہوجاتی ہے۔والعیاذ باللّٰہ رب العٰلمین.

حضرات! ہم جس دور سے گزر رہے ہیں وہ اہل حق کے لیے بڑا ہی صبر آزما اور بہت زیادہ ہمت وحوصلہ اورفعالیت کاطالب ہے۔شکوہ وشکایات اوراپنی بے بسی کاماتم بندکرکے امکانات پرغورکرنےاور کچھ کرنے کے لیے قدم آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔

یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ اس ماحول میں بھی بہت سےادارے، بہت سے افراداوربہت سی تنظیمیں گر اں قدرخدمات انجام دے رہی ہیں۔ انہی کے باعث ملت کی کشتی طوفانوں کی زدپر بھی کسی حد تک رواں دواں ہے۔ان کی خدمات کا اعتراف اوران کی حوصلہ افزائی بہت ضروری ہے۔ہم اس فکرکی تائیدہرگزنہیں کرسکتے کہ جوکچھ ہورہاہےاس کی کوئی حیثیت نہیں اورجو نہیں ہورہا ہے وہی سب کچھ ہے نہیں!جو نیک کام ہورہا ہے وہ بھی اہم اور قابل قدرہے

اور جو ضروری کام نہیں ہورہاہے وہ بھی اہم اور قابل توجہ بلکہ واجب العمل ہے۔
میں یہاں بطور نمونہ چنداہم کام شمار کراتاہوں۔ مقصد یہ ہے کہ ان پر غور کیاجائے اور انہیں بروے کارلانے کی فکر کی جائے۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ آج ایسے کاموں کواپنایاجاتا ہے جو عمومی نوعیت کے ہوں اور سب کے لیے باعث کشش بنیں۔
مثلاً قرآن کریم کی تفسیر یا کسی مشہور کتابِ حدیث کی شرح لکھی جاتی ہے جو ہر طبقے کے لیے باعث توجہ اور قابل استفادہ ہو،اس میں کچھ یا بہت کچھ کسی باطل مذہب کی تائید میں بھی ہوتا ہے جو مخالف قاری کو ناگوار ہوتاہے پھر بھی کتاب کے عام فوائد کے باعث اس کا مطالعہ کرجاتاہے اور موافق قاری ان قابل اعتراض مقامات کو مخفی رکھ کرعام افادات دکھاتے ہوئے بڑھا چڑھا کر تعارف کراتاہے اور مصنف کو مفسرین ومحدثین کی اونچی صف میں جگہ دلاتاہے۔
ایسا پہلے بھی ہو چکاہے۔ تفسیر کشاف کا اعتزال اگر بہت سی جگہوں پر چھپاہواہے تو بے شمار جگہوں پر بالکل برہنہ اور کھلاہوا ہے مگر اشتقاق، نحو، صرف، معانی وبیان وغیرہ سے متعلق اس میں ایسے افادات بھی ہیں کہ امام رازی کی ”مفاتیح الغیب“ (تفسیر کبیر) بھی ان کی نقل سے خالی نہیں، جب کہ ردِّمعتزلہ امام رازی کا خاص مقصد ہے، کسی بھی آیت سے اگر معتزلہ نے استدلال کیاہے تو اس کا ذکر کرتے ہوئے اس کا تفصیلی یا اجمالی رد تفسیر کبیر میں ضرور ملے گا۔
آپ اگر ہندوستان یا بیرون ہند کے عام تعلیمی حلقوں میں کسی شخصیت کے علم وفضل کا خطبہ پڑھیں تو آپ سے سوال ہو گا کہ ان کی تصنیفات کیا ہیں؟ انھوں نے اگر قرآن کی تفسیر یا صحاح ستہ وغیرہ میں سے کسی کتاب کی شرح لکھی ہو یا کوئی سیرت وتاریخ لکھی ہو یا عام اسلامی موضوعات پر کوئی کام کیا ہو تو بتایئے، ہم استفادہ کریں۔

دوسروں نے اس عالمی صورتِ حال کو بہت پہلے سمجھ لیا اور اسی نہج پر کام کرکے دنیا میں اپنی حیثیت تسلیم کرا لی۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج ہمارے لیے یہ باور کرانا مشکل ہے کہ یہ قدآور مصنفین کسی باطل فکرو خیال کے حامل تھے۔

اب کچھ ضروری اوراہم کاموں کی فہرست پیش کررہا ہوں۔آپ صرف سننے کے بجاے عمل کے امکانات پرغور کریں۔

۱-سیاسی تنظیم

ہم جس ملک کے باشندے ہیں اس میں ہمارے بہت سے مسائل اور حقوق ہیں،اگرہمارے قومی معاملات ومسائل میں حکومت کی جانب سے کوئی رخنہ اندازی ہوتی ہے تو اس سے فوراً آگاہی اور صحیح حل کے لیے تگ ودو ہماری ذمہ داری ہے۔اسی طرح حکومت سے عام باشندوں یاخاص اقلیتوں کو اگر کچھ فوائدمل رہے ہیں تو ان سے واقفیت اور قانونی طور پر ان کے حصول کی کوشش ہونی چاہیےمگر حال یہ ہے کہ چالاک لوگ سب کچھ حاصل کرلیتے ہیں اور ہمیں خبربھی نہیں ہوتی۔کوئی قومی وملکی مسئلہ پیش آتا ہے تو ساری آوازیں دوسرے ہی خیموں سے بلندہوتی ہیں اور ہماری طرف بالکل سناٹادکھائی دیتا ہے جیسے ہمارایہ مسئلہ ہی نہیں۔ایسے مواقع پرعوام جسے اپنی نمائندگی کرتے ہوئے پاتے ہیں اسے اپنا رہبراور قائد مان لیتے ہیں اورجنھیں غافل دیکھتے ہیں ان سے اپنا رشتہ توڑ لیتے ہیں یاکم ازکم ان کی غفلت وخاموشی پرشاکی رہتے ہیں۔

ان حالات میں اپنی آوازبلند کرنے اور اپنی قیادت واضح کرنے کے لیے کوئی سیاسی پلیٹ فارم ہوناضروری ہے۔اس کے لیے مناسب صورت یہ ہے کہ دلّی میں اپنی زمین ہوجس پرجدیدسہولیات پرمشتمل شاندارعمارت ہو،ایک مستقل عملہ ہوجو باضابطہ سرگرم عمل ہو۔اسے چلانے کے لیےبہت بیدارمغزاورسیاسی

بصیرت رکھنے والے افراد پر مشتمل ایک کمیٹی ہو جس کے سبھی ارکان دلّی یا اس سے قریب مقامات کے رہنے والے ہوں تاکہ کسی معاملے میں فوراً مشاورت اور اجتماع کی ضرورت ہو تو سب لوگ بآسانی جمع ہو جائیں پھراس کی شاخیں مختلف شہروں میں قائم کی جائیں۔ابتداءً ایک دو باتنخواہ کارکن،کرایے کے ایک دو کمرے اور آمدورفت کے لیے گاڑی رکھ کربھی کام کاآغاز ہوسکتاہے۔مگرجوبھی آغازہومنصوبہ بند،مضبوط اورمستحکم ہوناضروری ہے۔باضابطگی، منصوبہ بندی اور گہری سوچ نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے کام مضحکہ خیز بن جاتے ہیں یا دیرپا نہیں ہوتے۔

۲-کچھ اور بھی کام عرض کرنے تھے مگرتفصیل سےگریز کرتے ہوئے اشارات پر اکتفا کرتا ہوں۔

۱-سیرت وتاریخ ۲-تفسیر و علوم قرآن ۳-حدیث و علوم حدیث ۴-تبلیغ کے لیے کسی عالمی زبان پر مہارت ۵-ہندوستان کی مقامی زبانوں میں کام ٦-اردو کتابوں کے عربی اور انگریزی ترجمے ۷-عصری اور دل نشیں اسلوب میں اپنے مذہب کااثبات اور مذاہب باطلہ کا ابطال ۸-اپنے موجودہ اور گزشتہ علما کی خدمات کا تعارف۔

یہ سب موضوعات بلکہ شعبہ جات لمبے وقت اورمستقل محنت کے طالب ہیں جن پرباصلاحیت افراد کو لگنے اورکام کرنے کی ضرورت ہے،بعض کام انفرادی طورپرکیےجاسکتے ہیں اوربعض اکیڈمی کی شکل میں ہوناچاہیے کیوں کہ باضابطہ لائبریری اوردیگروسائل کے بغیر کوئی ٹھوس،مضبوط اوراعلیٰ کام ہونا بہت مشکل یاناممکن ہے۔

فی الحال اتنےہی پر اکتفاکرتاہوں،تفصیل کسی غیررسمی مجلس میں بھی ہوسکتی ہے۔

حضرات! یہ تین چار ایام آپ کی سخت مصروفیت کے ہیں۔ سولہویں فقہی سیمینار میں وقت کی کمی کے باعث تین موضوعات پر مباحثہ وفیصلہ باقی رہ گیا تھا۔

۱-غیر رسم عربی میں قرآن کریم کی کتابت
۲-طویلے کے دودھ کا مسئلہ
۳-فلیٹوں کی حیثیت زکات کے نقطۂ نظر سے

خاص اس سیمینار کے لیے دو نئے موضوعات دیے گئے:

۱-مسجد کی آمدنی سے اے سی وغیرہ کا انتظام
۲-فلیٹوں کی بیع دربیع کا مسئلہ

ان سبھی موضوعات پر آپ کو بحث کرنی ہے اور انھیں فیصلے تک پہنچانا ہے۔ رب کریم علم وعرفان کے دروازے کشادہ فرمائے اور صحیح حل تک پہنچنے کی توفیقِ جمیل مرحمت فرمائے۔

حضرات! آپ کی تشریف ارزانی پر میں ایک بار پھر آپ کو خیر مقدم کہتا ہوں اور آپ کی عنایات کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آمد ورفت اور قیام کے دوران اگر کوئی تکلیف ہو تو اس کے لیے معذرت خواہ ہوں، اس پر نظر رکھیں کہ، مشقتوں سے عمل خیر کا نرخ دوبالا ہو جاتا ہے۔ دعا فرمائیں کہ رب کریم ہم منتظمین کو آپ کے لیے زیادہ آسانیاں فراہم کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

مندوبین کے ساتھ میزبانوں اور اس کار خیر میں حصہ لینے والے سبھی معاونین، مخلصین اور محبین کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ سب کی مشترکہ کاوش ومحنت اور تعاون سے یہ سیمینار منعقد ہوا ہے اور ان شاءالمولیٰ تعالیٰ خیر وخوبی اور کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر بھی ہوگا۔ رب کریم سب کو اپنے بے پایاں فضل وکرم سے نوازے اور دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور فرمائے۔ وصلی اللہ تعالی و بارك وسلم علی حبیبه الا مجد الا کرم و علی آله وصحبه.

مجلس شرعی کے اٹھارہویں فقہی سیمینار کا خطبۂ استقبالیہ

منعقدہ: ۱۷/ تا ۱۹/ صفر ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۲/ تا ۲۴/ جنوری ۲۰۱۱ء شنبہ تا دوشنبہ کا

خطبۂ صدارت

بمقام: حرا پبلک اسکول، مہاپولی، تھانے، مہاراشٹر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. نحمدہ و نصلی علی حبیبہ الکریم

بڑی مسرت کی بات ہے کہ مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا اٹھارہواں فقہی سیمینار آج مہاراشٹر کی سرزمین پر منعقد ہو رہا ہے اور علماے دین و مفتیان کرام کا نورانی قافلہ اس خطے میں ضوفگن ہے۔

ہم سیمینار میں شرکت فرمانے والے سبھی اہل علم کا پرجوش خیر مقدم کرتے ہیں اور شکر گزار ہیں کہ اپنی مصروفیات چھوڑ کر اور سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے وہ یہاں رونق افروز ہوئے ان کے ساتھ وہ تمام حضرات ہمارے شکریے کے مستحق ہیں جنھوں نے سیمینار کے سوالات موصول ہونے کے بعد جوابات تیار کرنے کے لیے فقہی مصادر و مراجع کی مراجعت میں جد و جہد صرف کی اور اپنے قیمتی خیالات سپرد قلم کر کے مجلس شرعی کو ارسال کیے۔

مقالات پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ علماے کرام نے محنت و مشقت سے کام کیا ہے۔ بعض حضرات نے ہر موضوع پر کافی بسط و تفصیل سے گفتگو کی ہے اور زیادہ سے زیادہ مراجع و مآخذ سے استفادہ کی کوشش کی ہے۔ مولا تعالیٰ سبھی حضرات کو ان کے حسن نیت اور جہد حسن پر اجر عظیم سے نوازے۔

رہ گیا اختلاف آرا اور فکروں کا مختلف سمتوں میں سفر تو یہ غیر منصوص اور نئے

مسائل میں لابدی امر ہے۔ رب تعالیٰ کی تیسیر و توفیق شامل حال رہی تو ہمیں امید ہے کہ بحث و مناقشہ کے بعد سبھی مسائل میں بعونہ وکرمہ تعالیٰ کوئی واضح اور صحیح حل رونما ہو گا جس پر سبھی شُرکا انشراح صدر کے ساتھ اتفاق کر سکیں گے اور مذاکرات کی نشستیں بامراد و کامیاب ہو کر برخاست ہوں گی۔ وھو المستعان وعلیہ التکلان.

یہ امر باعث مسرت اور قابل توجہ ہے کہ نئے مسائل کے حل اور نئی سمتوں میں امت مسلمہ کی رہ نمائی کے لیے پیش قدمی ہوئی اور علماے کرام کی مخفی قوتیں اور صلاحیتیں بروے کار آئیں تو بہت سے پیچیدہ مسائل کی گتھیاں سلجھیں، امت کو صحیح حل دست یاب ہوئے۔ مزید برآں فکروں کے دروازے کھلے، تحقیق و تدقیق کی راہیں ملیں، علمی و فقہی ذخیروں سے استفادے وافادے کی مزید صورتیں نمودار ہوئیں اور بہت سی صلاحیتیں جو صرف درسیات میں گم تھیں اب علم وفن کے وسیع وعریض آفاق پر جلوہ نما ہیں۔

اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ دوسرے خالی میدانوں کے لیے بھی اس طرح کی مخفی صلاحیتوں کا استعمال ہو تو بہت سارا خلا جلد ہی پر ہو سکتا ہے۔ میں یہاں چند جہتوں کا اشارہ کروں گا۔

مجلس کے انیسویں فقہی سیمینار کا خطبۂ صدارت

منعقدہ: ۱۹؍ تا ۲۱؍ صفر ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۴؍ تا ۱۶؍ جنوری ۲۰۱۲ء شنبہ تا دوشنبہ

بمقام: دارالعلوم امجدیہ بھیونڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حامداً و مصلیاً و مسلماً

بڑی مسرت کی بات ہے کہ پھر امسال مجلس شرعی کا سیمینار مہاراشٹر کی سرزمین پر ممبئ کے قریبی شہر بھیونڈی میں منعقد ہو رہا ہے، اس میں اہلِ بھیونڈی کی کشش اور کوشش دونوں کا دخل ہے، گزشتہ سال مہاپولی میں سیمینار ختم ہونے کے بعد بھیونڈی شہر میں ایک اجلاسِ عام منعقد ہوا تھا، جس میں کئی اہم دینی وعلمی موضوعات پر تقریریں ہوئیں اور محترم الحاج وقار احمد عزیزی نے مجلس شرعی اور جامعہ اشرفیہ کے موضوع پر بھی ایک خطاب کیا۔ امسال ہم دیکھ رہے ہیں کہ نہ صرف اجلاسِ عام بلکہ سہ روزہ فقہی سیمینار بھی بھیونڈی کی سرزمین پر اتر آیا ہے۔

میں مجلس شرعی اور جامعہ اشرفیہ کی جانب سے دارالعلوم امجدیہ بھیونڈی کے ارکان واساتذہ وطلبہ، بھیونڈی کے علما ومحبان اہلِ سنت اور ان تمام حضرات کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں، جنھوں نے فقہی سیمینار کے انعقاد میں کسی طرح کا کوئی تعاون پیش کیا ہے۔ یہ ایک خالص دینی، علمی، فقہی کام ہے، جس میں شرکت وتعاون آدمی کی خوش نصیبی بھی ہے اور رب تعالیٰ کی خوش نودی کا ذریعہ بھی۔ رب تعالیٰ اس میں شرکت وتعاون کرنے والے تمام حضرات کو دارین میں اپنی بیش بہا نعمتوں سے نوازے۔

سب سے اہم خدمت ان علماے کرام کی ہے جنھوں نے وقت کے پیچیدہ اور مشکل مسائل پر اپنی علمی وفکری توانائیاں صرف کیں، فقہی کتابوں کی مراجعت کی، متعلقہ عبارات وجزئیات تلاش کیے، احکام وجوابات کے استخراج میں سعی بلیغ فرمائی اور اپنے فکری وعلمی نتائج صفحات قرطاس پر ثبت کرکے مجلس شرعی کے سپرد کیے۔ پھر جامعہ اشرفیہ کے بعض اساتذہ نے سیکڑوں صفحات پر پھیلے ہوئے نقوش قلم کا بغور مطالعہ کیااور یہ جائزہ لیا کہ وہ کون سی باتیں ہیں جن پر سب اہلِ قلم متفق ہیں، اوروہ کون سے ایسے امور ہیں، جن میں اختلاف ہے، پھر اس اختلاف کی وجہیں اور سمتیں کیاہیں اور تنقیح طلب امور کیا ہیں؟

یقیناً یہ علمی وقلمی کاوشیں کسی بھی زندہ قوم کا بیش قیمت سرمایہ ہیں، جس پر یہ حضرات اپنی حساس اورقدرداں قوم کی جانب سے تحسین اور شکریے کے مستحق ہیں۔ رب تعالیٰ سب کواپنی بے کراں جزاؤں اورعطاؤں سے شاد کام فرمائے۔

ان میں اور ان کے علاوہ جو حضرات مذاکرات کے لیے مدعو ہوئے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے یہاں تشریف لائے ہم ان کا خیر مقدم کرتے ہیں، اورامید رکھتے ہیں کہ مسائل کے صحیح حل اورواضح نتائج تک رسائی کے لیے وہ اپنی پوری علمی و فکری صلاحتیں اخلاص وتوجہ کے ساتھ صرف کریں گے اور رب تعالیٰ اپنی خاص مدداور بے پایاں فضل و کرم سے بندگرہوں کو کھول دے گا اور امتِ مسلمہ کے لیے کشادہ اور صاف ستھری راہ پیش کرنے میں کامیابی حاصل ہوگی۔

حضرات! انیسویں فقہی سیمینار کے تین مسائل میں سے ایک بڑا نازک اورحساس مسئلہ ” نکاح میں کفاءت “کاہے۔ میں علماے کرام سے گزارش کروں گا کہ اس پراپنے علمی وقاراور پوری متانت وسنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے بحث کریں گے۔ کوئی ایسا جملہ یا لفظ زیرِ استعمال نہیں آنا چاہیے جس سے کسی پر طنز

وتضحیک یادل آزاری کاگمان پیداہو، یہ سچ ہے کہ اللہ کے نزدیک عزت و بزرگی کامعیاردین داری اورتقویٰ ہے، مگراس کاتعلق آخرت کی سرخ روئی اورسرفرازی سے ہے۔ نکاح کی مشروعیت میں شریعت مطہرہ نے بہت سےدنیوی امور کا بھی اعتبار رکھا ہے۔انسانوں کے درمیان جو رشتۂازدواج منعقد ہوتا ہے وہ محض عارضی و وقتی نہیں ہوتا، بلکہ عموماً پوری زندگی کی ر فاقت، نہ صرف دو جانوں کی رفاقت بلکہ دو خاندانوں کی قرابت، ایک صالح نسل کی ولادت، تعلیم وتربیت اور ایک اچھے معاشرے کی تشکیل کا تصور کارفرماہوتاہے۔اس لیےاسلام کی حکیمانہ شریعت نےکسی نہ کسی درجے میں ان امور سےاعتنا کیا ہے،جو اس دنیاوی سفر کی کامیابی میں معاون ومددگاریا ضرررساں وخلل اندازہوتے ہیں، کیوں کہ باہمی ناخوشگواری کےساتھ ایک لمباسفرطے کرنانہ صرف یہ کہ کٹھن اوردشوارہوتا ہے بلکہ عادۃً ناکامی اورجدائی سےہم کنار ہوتا ہے، یقیناً اہلِ اسلام کی نظر میں ایمان وعمل کی استقامت اوردین داری وتقویٰ کی برتری کاتصورسوسائٹی کےدنیاوی تصورات واعتبارات پر غالب وقاہر ہونا چاہیے لیکن بعض افراد میں یہ تصور، بلندوبالا صورت میں پیدا نہ ہوسکا، توشریعت نے انھیں نکاح سے روکا نہیں ہے کہ اس سے فتنہ و فساد کبیر کا اندیشہ ہے۔بلکہ ایسے لوگوں کےلیے یہی راہ رکھی ہےکہ وہ رشتہ ایسی ہی جگہ کریں جہاں زوجین کا سفر حیات باہمی خوش گواری وانبساط کے ساتھ کامیابی سےہم کنار ہو، بشرطے کہ ایمان وعمل صحیح وسالم ہو۔اسلامی شریعت دنیاوی بھلائی اور خوش گواری کےلیے اس حد تک نرمی ورواداری کی قائل نہیں کہ ایک خوش عقیدہ کا رشتۂنکاح کسی بے دین یابددین سےباندھنے کی اجازت دے دے اور بے دینی یا بد دینی کا طوفان بڑھنے اور پھیلنے کی راہ ہموار کرے۔ والعیاذ باللہ رب العالمین أحکم الحاکمین.

یہ میں نے اس لیے عرض کردیا کہ آج کل کچھ لوگ حکم دنیا و آخرت کے فرق اور نکاح کے حکیمانہ مصالح کو نظر انداز کرکے اعتبارِ کفاءت کے مسئلہ میں فقہاپراعتراض کرتے ہیں اوران کی نظرِحکمت ودقت سے غفلت وبے خبری کے نتیجے میں بہت سی بے کاروبے ہودہ باتیں کہ جاتے ہیں۔مولیٰ تعالیٰ انھیں مقاصداور حکمتوں کو اچھی طرح سمجھنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

بہر حال مندوبین کرام سے میری گزارش صرف اس قدر ہے کہ مسئلہ کی نزاکت کو ملحوظِ خاطر رکھیں اور علمی متانت ووقار کے دائرے میں خالص شرعی وفقہی مباحثہ و مذاکرہ بروے کار لائیں۔

بینکوں کی ملازمت اور ڈی این اے ٹیسٹ کے مسئلوں میں بھی کئی نازک پہلو ہیں جوآپ کی دقت نگاہ اورناخنِ گرہ کشا کی کارفرمائی کے منتظر ہیں۔ خدا کرے ان مسئلوں کابھی ہرپہلو واضح اورمنکشف ہوکرجلوہ گرہو۔وبیدہ تعالیٰ التوفیق وھو خیر رفیق.

حضرات ! اس وقت ایک بزرگ عالمِ دین کی یاد آرہی ہے، جو اب ہم میں نہ رہے، یعنی شیخ القرآن علامہ عبد اللہ خاں عزیزی مصباحی جو جامعہ اشرفیہ کے سابق استاذ بھی تھے اورمجلس شرعی کے ہمدرداور بہی خواہ بھی، کئی سیمیناروں میں شرکت بھی فرمائی، کئی سال سے زیرِ علاج تھے، اس درمیان جب ٹھیک رہتے درس وتدریس اورملاقات واسفارکا سلسلہ جاری کردیتے۔گزشتہ شعبان میں لکھنؤ کے اندرزیرِ علاج تھے کہ دمِ آخر آگیا اور۱۴رشعبان المعظم ۱۴۳۲ھ کو اپنے مالکِ حقیقی سے جاملے۔مولیٰ تعالیٰ انھیں اپنی رحمت و غفران سے نوازے اوران کے درجات بلند فرمائے۔آمین۔

آخر میں پھر اپنے تمام مندوبین کا ان کی تشریف آوری پر خیر مقدم کرتے ہوئے شکرگزار ہوں اورسیمینار کے تمام منتظمین اورمعاونین کا بھی شکریہ ادا

کرتاہوں اورآپ حضرات سے عرض گزار ہوں کہ ان حضرات نےہرطرح سہولت وراحت بہم پہنچانے کی کوشش کی ہے اورآئندہ چار دنوں میں بھی ان کی کوشش یہی رہےگی کہ آپ حضرات کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ان کےنیک جذبات اور مخلصانہ مساعی کی قدر کرتے ہوئے انھیں اپنی مبارک دعاؤں سے نوازیں اوراگرکوئی کمی یاکوتاہی ہوجائےتو اپنی کشادہ دلی اوراعلیٰ ظرفی سے معاف فرمائیں، بلکہ دین وعلم کی راہ میں ہرقسم کی مشقت ومصیبت اور ناگواری واذیت جھیلنے کا حوصلہ پیدا کریں، اسی لیے کہا گیا ہے: العطايا بقدر البلايا. والله خير حافظا و هو أرحم الراحمين و اكرم الاكرمين، والصلاة والسلام على خير خلقه سيد المرسلين، خاتم النبيين، وعلى اٰله و صحبه و علماء دينه و فقهاء شرعه و هداة الحق و دعاة الخير أجمعين------والسلام عليكم ورحمة الله و بركاته

مجلس شرعی کے بیسویں فقہی سیمینار کا خطبۂ صدارت

منعقدہ: ۶/۷/۸/رجب ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۷/۱۸/۱۹/ مئی ۲۰۱۳ء

بمقام: جامعہ البرکات علی گڑھ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ــــــــــ حَامِداً وَّ مُصَلِّياً وَ مُسَلِّمًا

سب سے پہلے میں مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی جانب سے اپنے مندوبین کرام اور تمام شُرکا کا خیر مقدم کرتا ہوں کہ انھوں نے اپنے اوقات کا قیمتی حصہ مجلس کو عنایت فرمایا۔ رب کریم سب کو جزاے خیر سے نوازے اور مجلس کے مقاصد جمیلہ کو کامیابیوں سے ہم کنار فرمائے۔

حضرات! ہمیں بڑی مسرت ہے کہ مجلس شرعی کا بیسواں سیمینار (بتاریخ ۶/۷/۸/رجب ۱۴۳۴ھ /۱۷/۱۸/۱۹/ مئی ۲۰۱۳ء) علی گڑھ کی سر زمین پر منعقد ہو رہا ہے۔ یہ شہر اگر چہ اپنی تجارت اور صنعت و حرفت کے اعتبار سے ملک کے چند بڑے شہروں کا مقابلہ نہیں کر سکتا لیکن "مسلم یونیورسٹی" کے باعث اسے ملکی اور عالمی پیمانے پر جو شہرت حاصل ہے وہ دوسرے شہروں سے کسی طرح کم نہیں۔

اس دانش گاہ کا ایک دور وہ بھی تھا جب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی (۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ) کے خلیفہ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری (م ۱۳۵۸ھ) تلمیذ مولانا ہدایت اللہ خاں رام پوری (م ۱۳۲۶ھ) شاگرد علامہ فضل حق خیر آبادی (۱۲۱۲ھ - ۱۲۷۸ھ) علیہم الرحمہ کا علمی جاہ و جلال یہاں چھایا ہوا تھا۔ ان کے عالمانہ شکوہ و وقار کی بڑی جاندار اور شاندار منظر کشی پروفیسر

رشید احمد صدیقی (م۱۹۷۷ء) نے اپنی کتاب "گنج ہاے گراں مایہ" میں کی ہے۔

دوسری مسرت وسعادت یہ ہے کہ ہمارا سیمینار جامعہ البرکات کے بارونق اور بابرکت خطّے میں انعقاد پذیر ہے جس کی تاسیس ایسی بلند ہمت شخصیات کے ہاتھوں عمل میں آئی ہے جنھیں مارہرہ شریف کی اس عظیم خانقاہ برکاتیہ کی سجادگی یا رکنیت حاصل ہے جو آج صرف بریلی وبدایوں ہی نہیں بلکہ برصغیر کے تقریبًا تمام شہروں اور ضلعوں کا بالواسطہ یا بلاواسطہ مرجعِ ارادت اور مرکز عقیدت ہے بلکہ اب اس کا فیضان ملکی حدوں کو توڑ کر دوردراز ملکوں تک عام ہوچکا ہے۔ اللھمرزِد فزِد.

اس خانقاہ سے نسبت کو ہمارے اکابر نے سرمایۂ افتخار سمجھا ہے۔ اس کی عظمت و جلالت سے آگاہ وخبردار کرنے کے لیے امام عشق ومحبت امام احمد رضا قدس سرہ کی یہ صدا برابر کانوں میں گونجتی رہتی ہے۔

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضاؔ

بول بالے مری سرکاروں کے

ہم سراپا سپاس وامتنان ہیں کہ مجلس شرعی کے سرپرست حضرت امین ملت پروفیسر سید محمد امین میاں برکاتی دام ظلہ نے بیسویں سیمینار کے لیے جامعہ البرکات کی فضا پسند فرمائی اور ایک ڈیڑھ سال قبل دارالعلوم امجدیہ بھیونڈی میں منعقدہ انیسویں سیمینار کے آخری اجلاس میں بذات خود جملہ مندوبین کو علی گڑھ آنے کی دعوت دی جس کی تکمیل آج عملی شکل میں ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔

الحمدللہ! اس خاندان اور اس خانقاہ میں بذل وسخا اور جودوعطا کی شان آج بھی نمایاں ہے۔ یہاں اس سیمینار کا انعقاد بھی اسی کا ایک جلوۂ دل نواز ہے۔ مختلف افراد، اداروں اور تنظیموں کے ساتھ عنایات کا سلسلہ اگر کوئی باخبر صاحب

قلم جمع کرے تو یہ ایک چشم کشا، سبق آموز اور حیرت انگیز باب ہوگا۔

لیکن ان نوازشات کے پیچھے جماعت کی سربلندی، دینی علمی اور ملّی کاموں کے فروغ، اچھے کام کرنے والوں کی ہمت افزائی، ان کی تقویت اور کار خیر میں پرخلوص تعاون کا جو ناقابل شکست اور عبرت انگیز جذبہ کارفرما ہے وہ نگاہوں سے کبھی اوجھل نہیں ہونا چاہیے۔یہی وہ نایاب یا نادر و کمیاب جوہر ہے جو ہمارے کریموں کا مقام بلند سے بلند تر کردیتا ہے۔

حضرات ! اب کچھ ذکر جامعہ اشرفیہ کا بھی سن لیجیے۔مبارک پور میں مدرسہ مصباح العلوم کے نام سے اس کا قیام تو آج سے ایک سو سترہ سال پہلے ۱۳۱۷ھ میں ہو چکا تھا مگر اس کے عروج وارتقا کی تاریخ آج سے بیاسی سال پہلے ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۴ء سے شروع ہوتی ہے جب جلالۃ العلم، ابو الفیض حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز محدّث مرادآبادی قدس سرہ (۱۳۱۲ھ - ۱۳۹۶ھ) نے اسے اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا۔ایک سال کی مدت پوری نہ ہوئی تھی کہ مبارک پور میں دینی و علمی جوش و خروش کا سماں بندھ گیا اور ۱۰ر شوال ۱۳۵۳ھ کو پہلے سے زیادہ وسیع اور مضبوط ایک نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا جس کا تاریخی نام ”باغِ فردوس“ ہے۔اس وقت تک ادارے کا نام صرف مصباح العلوم سے بڑھ کر مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم ہوچکا تھا۔شیخ المشایخ حضرت شاہ علی حسین اشرفی برکاتی (۱۲۶۶ھ- ۱۳۵۵ھ) اور صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رضوی مصنف بہار شریعت (۱۲۹۶ھ- ۱۳۶۷ھ) اور محدّث اعظم حضرت مولانا سید محمد کچھوچھوی (وصال- ۱۳۸۱ھ) علیہم الرحمہ نے بنیاد رکھی۔ حضرت شیخ المشایخ نے اس کے استحکام و ترقی کی دعاؤں کے ساتھ یہ بھی فرمایا تھا”جو اس کی ایک اینٹ بھی کھسکائے گا،اس کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی“۔

جب حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء میں دوسرے

سفرِ حج پرروانہ ہورہے تھےاس وقت حافظ ملت نے عرض کیا تھا: حضور ''اشرفیہ'' کو اپنی دعاؤں میں یادرکھیے گا۔ صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: **''اشرفیہ بڑھے گا، پھولے گا، پھلے گا اور جو اس کی مخالفت کرے گا ذلیل ہوگا''۔**

حضرت شیخ المشائخ اور حضرت صدرالشریعہ علیہما الرحمہ کے ان کلمات کی صداقت اور مقبولیت کا مشاہدہ دنیا بارہا کرچکی ہے اور اِن شاء اللہ آئندہ بھی کرے گی۔

چالیس سال بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ وہ نئی عمارت طالبان علم کی کثرت کے باعث تنگ سے تنگ تر معلوم ہونے لگی اور کسی کشادہ زمین کی تلاش اور وسیع عمارت کی تدبیر شروع ہوگئی۔یہاں تک کہ قصبہ کے باہر تیس (۳۰) ایکڑ زمین خرید لی گئی (جواب پچاس ایکڑ، کےقریب ہوچکی ہے) ۲۰/۲۱/ ۲۲/ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۵/۶/۷/مئی ۱۹۷۲ء کی تاریخیں رسم سنگ بنیاد اور تعلیمی کانفرنس کے لیے مقرر ہوگئیں۔حافظ ملت کی دعوت پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ کے شہزادے سرکار مفتی اعظم ہندعلامہ شاہ مصطفیٰ رضاقادری بریلوی (۱۳۱۰ھ-۱۴۰۲ھ)سیدالعلما حضرت مولاناسید آل مصطفیٰ برکاتی مارہروی(۱۳۳۲ھ-۱۳۹۴ھ)مجاہدملت حضرت مولانا حبیب الرحمن قادری اڑیسوی(۱۳۲۲ھ-۱۴۰۱ھ)علیہم الرحمہ اور بہت سے مشاہیر علمائے ہندکی تشریف آوری ہوئی۔سہ روزہ تعلیمی کانفرنس حضرت سیدالعلما کی صدارت میں ہوئی۔ ۲۱/ ربیع الاول مطابق ۷/مئی کوبعدنمازظہرسرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نےاشرفیہ مصباح العلوم کی نئی عمارت کاسنگ بنیادرکھا اور ادارے کے عروج و استحکام کی دعائیں کیں۔اسی کانفرنس میں ادارے کا نام ''الجامعۃ الاشرفیہ'' تجویز ہوا، اور جلسۂ عام میں اس کا اعلان ہوا صرف چودہ ماہ کی مدت میں مرکزی درس گاہ کی دو منزلہ عمارت تیار ہوگئی جس کےافتتاح کے موقع پردوسری کانفرنس ۱۹/

۲۰؍شوال ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۶؍۱۷؍نومبر ۱۹۷۳ء کو منعقد ہوئی۔اس موقع پر بھی سرکار مفتی اعظم ہند، حضرت سید العلما اور مشاہیر علما ومشائخ کی تشریف آوری ہوئی۔ بعد نماز مغرب حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے علما و مشائخ کی موجودگی میں طلبہ کو بخاری شریف شروع کراکے عمارت کا افتتاح کیا اور دن میں دارالاقامہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ حافظ ملت نے اپنے ایک مضمون میں ان ساری کامیابیوں اور تیز گامیوں کو حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی مخلصانہ دعاؤں کا ثمرہ لکھا ہے۔

حضرت سید العلما نے اسی دوسری کانفرنس میں اپنا وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا کہ "حافظ صاحب اپنے کو تنہا نہ سمجھیں ضرورت ہوئی تو میں سارے برکاتیوں کو ان کے قدموں پر جھکا دوں گا"۔

حضرت احسن العلما مولانا سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں (۱۳۴۵ھ-۱۴۱۶ھ) قدس سرّہ نے ۱۴؍جون ۱۹۷۸ء [۸؍رجب ۱۳۹۸ھ، چہار شنبہ] کو حافظ ملت نمبر کے لیے جو تحریر ارسال فرمائی اس کا اختتام اس عبارت پر ہوتا ہے "ان کی یادگار "الجامعۃ الاشرفیہ" کی تعمیر کے لیے آئیے ہم سب مل کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں۔ السعي مني و الإتمام من الله"۔

ہمارا اعتقاد وایمان ہے کہ ان جلیل القدر بزرگوں کی خلوص بھری دعائیں اوران کی اخلاص ومحبت سے لبریز تمنائیں رائیگاں جانے والی نہیں، پھر اشرفیہ کے عروج و استحکام کے لیے ان کی عطائیں مزید برآں ہیں۔انہی مستجاب دعوات وعنایات کا صدقہ ہے کہ ابتدا سے اب تک اشرفیہ نے ہمیشہ آندھیوں کی زد پر چراغ جلایا ہے جس کی لَو کوئی بڑے سے بڑا سُورما بھی مدّھم نہ کرسکا، بلکہ بزرگوں کی پیشین گوئی کے مطابق ذلیل وناکام ہوکر رہا۔

حافظ ملت نے نصاب تعلیم، طریقۂ تعلیم اور دینی علمی دعوتی تربیت پر بھی ہمیشہ توجہ مبذول فرمائی مگر سب کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

انھوں نے جو علمی و دینی مشن چھوڑا وابستگان جامعہ اشرفیہ آج بھی اس کی تکمیل اور اسے مختلف جہتوں سے آگے بڑھانے میں سرگرم ہیں۔ جامعہ میں اختصاص فی الفقہ، اختصاص فی الحدیث، اختصاص فی الادب العربی، اختصاص فی الادیان وغیرہ شعبے جاری ہیں اور آج بھی فارغین جامعہ ملک و بیرون ملک اپنی دینی و علمی خدمات کے باعث ممتاز اور نمایاں نظر آتے ہیں۔

تقریباً ۱۵ر سال پہلے جامعہ اشرفیہ کے اندر حضرت امین ملت پروفیسر سید محمد امین میاں برکاتی دام ظلہ کی سرپرستی میں ''مجلس برکات'' کا قیام عمل میں آیا، اس کا دائرۂ کار یہ متعین ہوا:

(۱) اہلِ سنت کے حواشی کے ساتھ درسیات کی اشاعت

(۲) ضرورت کے مطابق نئے حواشی کی ترتیب

(۳) نئی نصابی کتب کی تیاری

الحمد للہ! تینوں خطوط پر کام جاری ہے بلکہ زیادہ کام ہو چکا ہے اور مجلس برکات کی نشریات کو ہمہ جہت وقار و مقبولیت حاصل ہے۔

مجلس شرعی بھی ذمہ دارانِ ادارہ کی پیش رفت کی ایک زندہ مثال ہے۔ جامعہ کے سربراہ اعلیٰ حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب دام ظلہ نے حضرت شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ (۱۳۴۰ھ - ۱۴۲۱ھ) اور دیگر علماے اشرفیہ کو جدید مسائل میں امت کی رہ نمائی کے لیے باضابطہ تشکیلِ مجلس کی جانب متوجہ کیا اور ۲۳ر جمادی الآخرہ ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹ر دسمبر ۱۹۹۲ء بروز شنبہ علماے اشرفیہ کی مشاورت کے بعد اس کا قیام عمل میں آیا۔ اس سے سات سال قبل علامہ ارشدالقادری، کی تحریک پر اشرفیہ میں ''شرعی بورڈ'' قائم ہوا تھا مگر وہ صرف دو نا تمام مسئلوں تک محدود رہا۔ آگے نہ بڑھ سکا۔

بحمدہ تعالیٰ! مجلس شرعی کے ذریعہ اب تک سینتالیس (۴۷) پیچیدہ مسائل

حل ہو چکے ہیں۔ اور اس سیمینار کی تکمیل پر اِن شاء اللہ تعالیٰ پچاس کی تعداد پوری ہو جائے گی۔ مجلس شرعی کے موضوعات ایسے آسان نہیں رکھے جاتے جن کا صحیح اور مستند جواب دینے کے لیے ایک ہی مفتی کافی ووافی ہو بلکہ موضوعات ایسے ہوتے ہیں جو مشکل ہوں اوران میں اختلاف آراکی راہیں نکلتی ہوں۔ تجربہ بھی بتاتا ہے کہ ایک موضوع کے تحت متعدّد گوشے نکلتے ہیں اور ہر پہلو پر مختلف رائیں سامنے آجاتی ہیں اور مندوبین کھلی فضا میں مکمل بحث وتمحیص کے بعد کسی متفقہ نتیجے تک پہنچتے ہیں۔

یہ سب کچھ فیضان ہے سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ (۸۰ھ - ۱۵۰ھ) ان کے اصحاب اور مشائخ حنفیہ کا، اور متاخرین میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی تحقیقات اور فتاوی کا۔

ہمارے فقہاے احناف نے اپنی تدوین فقہ میں پیش قدمی ہی کے وقت مسائل کی مختلف جہتوں اور نوعیتوں کا استخراج کیا پھر کتاب وسنت کی روشنی میں اپنی خدا داد اجتہادی صلاحیتوں کو بروے کار لاتے ہوئے جوابات طے کیے جن کی روشنی میں خادمان فقہ آج صدیاں گزر جانے کے بعد بھی نو پیدا مسائل کا حل تلاش کر لیتے ہیں۔

فقہ حنفی کی جامعیت کے بارے میں امام موفّق بن احمد مکی (۴۸۴ھ - ۵۶۸ھ) کی کتاب مناقب امام اعظم (ص ۷۔۱۳، طبع اول- دائرۃ المعارف حیدرآباد ۱۳۲۱ھ) سے یہاں ایک روایت نقل کرنا چاہتا ہوں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن سُریج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سامنے کوئی شخص امام اعظم پر طعن کرنے لگا۔ حضرت ابن سریج نے فرمایا: اے شخص اپنی زبان روک۔ ان کی شان یہ ہے کہ تین چوتھائی (۳/۴) علم ان کے لیے مسلّم ہے۔ اور ایک چوتھائی جو دوسروں کے حصّے میں آتا ہے وہ بھی ان لوگوں کے لیے مسلّم نہیں، کیوں کہ ابو حنیفہ

اس حصّے میں ان سے نزاع رکھتے ہیں۔اس شخص نے کہا: یہ کیسے؟ حضرت ابن سُریج نے فرمایا: علم سوال و جواب کا مجموعہ ہے۔نصف علم سوال ہے اور نصف علم جواب۔ابو حنیفہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے سوالات تیار کیے یعنی کسی عبادت یا معاملت کے کسی جز میں کیا کیا صورت حال پیدا ہو سکتی ہے اور فقہا کے سامنے کیا کیا سوالات آسکتے ہیں؟ ان سب کا استخراج کرکے انھیں مرتب کیا۔پھر ان کے جوابات بیان کیے۔ان جوابات کو بعض نے صحیح کہا، بعض نے غلط کہا۔اگر ہم یہ مان لیں کہ ان کی خطاصواب کے برابر ہے تو نصف ثانی کا نصف یعنی ایک چوتھائی ان کے لیے مسلّم رہا جب کہ نصف اول یعنی وضع سوالات میں ان کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔اس طرح تین چوتھائی علم ان کے لیے مسلّم ہوگیا۔اب ایک چوتھائی جو باقی رہا وہ بھی دوسروں کے لیے مسلّم نہیں اس لیے کہ ابو حنیفہ کو اس حصّے میں دوسروں سے اختلاف ہے۔حضرت ابن سُریج نے اس پر اور بھی شواہد پیش کیے ہیں، میں نے مختصر پر اکتفا کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ امام اعظم کا احسان پوری امت پر ہے۔اس احسان کی بھی مختلف جہتیں ہیں مگر تفصیل کی گنجائش نہیں۔اجلّۂ محدثین ان کے تلامذہ یا تلامذہ کے تلامذہ میں شامل ہیں۔امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم اور بقیہ اصحاب ستّہ سب براہ راست یا بالواسطہ یا بوسائط ان کے دامن تلمذ سے وابستہ ہیں۔اس کی تفصیل بھی ایک مستقل تحقیقی مقالے کی طالب ہے۔

الغرض ہمارے علما اپنے بزرگوں کے رشحات قلم سے استفادہ واستفاضہ کرتے ہوئے پیچیدہ مسائل حل کرنے کی سعی بلیغ کرتے ہیں۔ربّ کریم کا فضل و کرم شامل حال ہوتا ہے اور صحیح نتائج تک رسائی ہو جاتی ہے. فالحمد لله على ذلك.

میں سابقہ روایت کے مطابق اس سیمینار میں اپنے مندوبین کرام سے یہ نہیں کہنا چاہتا کہ آپ کی راحت وسہولت میں کوئی فروگزاشت ہوئی ہوتو درگزر فرمائیں، اس لیے کہ اس بارآپ اپنے مخدوموں کے زیر سایہ حاضر ہیں جہاں اگر واقعی تکلیف ہوتو بھی شکوہ نہیں ہونا چاہیے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں کوئی پریشانی متوقع بھی نہیں، اس لیے کہ اب تک جو منتظم ہوتے تھے وہ تجربات کی وادی سے گزرنے والے تھے مگریہاں تو سیمینار آئے دن کا دل چسپ مشغلہ ہے،اس کی ضروریات وسہولیات کی فراہمی کا اتنا مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ بھول چوک بہت بعید از کار ہے۔

رب کریم ہم سب کو اخلاص کے ساتھ دین متین اور شرع مبین کی بیش بہا خدمات کی توفیق مرحمت فرمائے اوراس راہ کی ہر مشقت کوراحت تصور کرنے کا حوصلہ بخشے اور ہر فرد کو اس کی سعی جمیل کا بے پایاں اجر عطا فرمائے۔وهو المستعان وعليه التكلان. و صلى الله تعالى على حبيبه سيد العالمين وعلى آله وصحبه وفقهاء شرعه وعلماء دينه وأولياء أمته أجمعين.

مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کے بیسویں فقہی سیمینار

منعقدہ : جامعہ البرکات علی گڑھ کی اختتامی تقریب
(۸؍رجب ۱۴۳۴ھ/ ۱۹؍مئی ۲۰۱۳ء) کا
فکرانگیز خطاب

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

حضرات علماے دین و مفتیانِ کرام! بے شک آپ حضرات کے سروں پر ملت کی ذمہ داری ہے اور آپ کو عوام کی رہ نمائی کا فریضہ انجام دینا ہے، اسی حیثیت سے آج آپ سے گفتگو کی جارہی ہے۔علما کے لیے لوگوں کے عقائد کا تحفظ کرنااوردین و عقائد کے بارے میں انھیں ہدایت کرنا،ان کی رہ نمائی کرنا ان کا فرض منصبی ہوتا ہے۔ یہ ذمہ داری اس وقت اور بڑھ جاتی ہے، جب باطل عقیدے والوں کی نقل وحرکت تیزہو اوروہ صحیح عقائد والوں کوشکارکرنے کے لیے بڑھتے ہوئےنظرآئیں۔آپ یہ دیکھ رہے ہیں کہ پورا ہندوستان جس کے اندر غالب اکثریت اہل سنت کی تھی اور شیعہ کے سِوا کسی باطل فرقے کا یہاں وجود نہیں تھا، نہ ان کے بانی پیداہوئے تھے،نہ ان بانیوں کاکوئی فرقہ ہندوستان کی سر زمین پر موجود تھا، بلکہ دنیا کے کسی خطے میں ان کا وجود نہیں تھا۔

وہابیت کی ابتدا نجد سے ہوئی، وہاں سے دہلی آئی اوراس کے بعداس کو فروغ حاصل ہوا۔ قادیانیت کی ابتدا قادیان سے ہوئی اور وہاں سے سب سے پہلے برصغیر کےاندراس کاپھیلاؤہوااوراس کےبعد کسی اورجگہ پہنچی۔ دیوبندیت کی ابتدا سہارن پور سے ہوئی اور سہارن پور ہی سے کہیں اور پھیلی ہے۔

الغرض ہم سب یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ پہلے ان فرقوں کا کہیں کوئی وجود نہیں تھا، لیکن آج آپ آبادی کا تناسب دیکھیں تو ہو سکتا ہے کہ وہ غالب ہوں، جس جماعت کا کوئی فرد وجود میں نہیں تھا، وہ وجود میں آتی ہے اور بڑھتے بڑھتے پوری آبادی کو، پورے پورے شہر کو، پورے پورے ضلع کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے تو یہ پھیلاؤ غفلت کے ساتھ، تعطل کے ساتھ، جمود کے ساتھ کبھی نہیں ہوسکتا۔

جس شخص کا جو عقیدہ ہو وہ اسے اپنے ہی تک محدود رکھے تو اس کا کوئی پھیلاؤ نہیں ہوگا اور اس عقیدے پر چلنے والے افراد کہیں نظر نہیں آئیں گے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ فرقے جب پیدا ہوئے تو پیدا ہونے کے بعد انھوں نے بہت زیادہ تگ و دَو کی ہے اور طرح طرح کی کوششوں سے، جن میں مکروفریب اور ظاہری اخلاق و محبت، تصنع وغیرہ سب کچھ شامل ہے اور طرح طرح کے وسائل استعمال کرتے ہوئے سنی افراد کو اپنے عقیدے اور مذہب میں لانے کی کوشش کی ہے۔ اگر یہ افراد جو سنیت سے نکل کر دوسروں کی گود میں پہنچے ہیں سنی علما کے کنٹرول میں ہوتے اور علما کی تگ ودَو دعوت کے میدان میں زیادہ ہوتی اور برابر غیروں کے مکائد کا اور اپنوں کے حالات کا جائزہ لیتے رہتے تو ظاہر ہے کہ وہ دوسروں کی دست برد سے محفوظ رہتے اور ان کے ہاتھ میں نہ جاتے اور نہ اپنا ایمان کھوتے۔ اس سے آپ موازنہ کریں کہ ہم نے سو ڈیڑھ سو سال کی مدت کے اندر تدریجاً اپنی حرکت کس قدر کم کر دی ہے اور اپنے لوگوں کو بچانے تک میں ہم کتنے زیادہ ناکام ہو چکے ہیں۔ دوسروں کو اپنے عقائد کا حامی بنانا، یہ تو بہت دور کی بات ہو گئی ہے اور شاذو نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص پورے طور پر ان کی گود میں جا چکا ہو، پھر واپس آجائے، اگرچہ کوشش کرنے پر ایسا ہوتا ہے اور بارہا ہو چکا ہے لیکن یہ سب ہماری محنت اور تگ و

دو پر منحصر ہے۔اور ظاہر ہے کہ جب مقابلے میں ایک فریق نہیں، بلکہ کئی فریق ہیں جو لگاتار لوگوں کو اپنا بنانے کی کوشش کررہے ہیں، تو ہمیں اپنی محنت اور تگ و دو تیز سے تیز تر کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

آج اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی ذات کو ہر فرقہ نشانہ بناتا ہے اوریہاں تک وہ مشہور کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ سنی(جسے وہ بریلوی سے تعبیر کرتے ہیں) ایک نیا فرقہ ہے، جو بریلی سے پیدا ہوا۔وہی ان کی ابتدا ہے، وہی ان کی انتہا ہے۔اور مولانا احمد رضا خاں نے ایک نئے فرقے نئی جماعت کی بنیاد ڈالی ہے اس طریقہ سے وہ بہت آسانی سے لوگوں کو گم راہ کرلیتے ہیں۔

یہ لوگ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں وہاں کے طلبہ کی کسی دشواری میں کچھ مدد کردیتے ہیں اورنتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ ان لوگوں سے متاثر ہو جاتے ہیں،آناجانا شروع کردیتے ہیں،یہاں تک کہ وہ ان کے عقیدے کے ہو جاتے ہیں۔اسی طریقہ سے کسی مسجد میں وہ امامت اختیار کرلیتے ہیں اور بچوں کو اردو سکھانے کے نام پر قرآن وسنت کی تعلیم کے نام پرایک مکتب ازخود جاری کرلیتے ہیں،اس کی آڑ میں اپنا عقیدہ پڑھانا شروع کردیتے ہیں۔کچھ عرصہ بعد بچے ان کے عقیدے کے حامل ہو جاتے ہیں۔

طرح طرح کے حربے انھوں نے اختیارکررکھے ہیں، یہ ظاہر نہیں کرتے کہ ہم کوئی نیا عقیدہ لارہے ہیں، بلکہ کوئی خوش نما چیز پیش کرتے ہیں اور لوگوں کو بہکا لیتے ہیں۔ان حالات میں ضروری ہے کہ اہلِ سنت کے افراد جہاں کہیں ہوں وہ اپنی کوششیں تیز ترکریں۔

آج بہت ساری ان کی کتابیں بھی ہمارے لیے چیلنج بنی ہوئی ہیں۔ مطالعۂ بریلویت کے دوسرے حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب قادیانیت کو پاکستان میں غیرمسلم اقلیت قرار دے دیاگیا توسب سے پہلے دیوبندیوں کو فکر

ہوئی کہ قادیانی نے ختم نبوت کا انکارکیا اور نبوت کا دعویٰ کیا تو اس فرقہ کو بالاتفاق غیرمسلم اقلیت قراردے دیاگیا۔ ہوسکتاہےکہ ختم نبوت کاانکارجومولانا قاسم نانوتوی کی تحریر میں موجود ہے، اس کی بنیاد پردیوبندیوں کابائیکاٹ نہ کردیا جائے، اس لیے انھوں نے برطانیہ میں اپنی کانفرنس غالبًا بریڈفورڈ میں کی جس میں ساٹھ سے زیادہ مندوب آئے، ان میں سے ہرایک کو موضوع دےدیا گیا، جس کا مطمحِ نظرصرف یہ تھا کہ اہلِ سنت کی کتابوں کا مطالعہ کرو اور ان میں جو بھی اعتراض نکال سکتے ہو نکالو۔ یہ لوگ کچھ نہ کچھ جمع کرکے لائے۔ ہماری بہت ساری کتابوں کا انھوں نے مطالعہ کیا اور ان کے اندر اعتراضات پیدا کیے اوروہ سب جمع کرکےانھوں نے ایک شخص کودے دیے۔اس نے اسے کتابی شکل دے دی، جسے بہت پھیلا کرکئی جلدوں میں شائع کیا۔

ان اعتراضات کو دیکھ کرخودوہ تاثر لکھتا ہےکہ لوگ یہ تاثر لےکرگئے کہ بریلویت پر بھی اعتراض ہےاوردیوبندیت پربھی اعتراض ہے۔ دونوں پر اعتراض ہیں، پتہ نہیں کون صحیح ہے کون صحیح نہیں ہے۔تو انھوں نےخودکو بچانے کےلیے یہ تدبیر آج سے تقریبًاچالیس سال پہلے شروع کی تھی اور وہ جاری ہے۔ان کے اندر باہمی تعاون کا جذبہ بھی ایسا ہے کہ الگ الگ افراد محنت کررہے ہیں اور موادجمع کرکے ایک شخص کو دیتے جارہے ہیں اور وہ اپنے نام سے اس کو چھاپتا جا رہا ہے۔

ہمارے اندراس کے مقابلے میں کوئی جماعت تیار نہیں ہوئی جوان کےنئے عقائدکو یاپرانے عقائد کو نئی پرانی کتابوں سے چھانٹ کرلائے اوران کے حالات کو واضح کرے اورخاص طور سے مسلمانوں کو بتائے کہ ان کے جو پہلے کے عقائد ہیں ان کی بنیاد پر یہ دین سے بالکل باہر ہو چکے ہیں۔اور ان کی دوسری چھوٹی بڑی غلطیاں مزید برآں ہیں۔تو ایک طرف کام بھی ہے،

جذبۂ تعاون بھی ہے، دوسری طرف کام میں کمی بھی ہے اور جذبۂ تعاون کا فقدان بھی ہے۔ مزید برآں ہماری حالت یہ ہے کہ اندرونی انتشار و اختلاف اور ایک دوسرے کے اوپر طعن و تشنیع اور ایک دوسرے کے اوپر اعتراض اسی میں بہت ساری توانائیاں برباد ہو رہی ہیں، جب کہ ہمارا طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ ایک دوسرے کی نیک اور محمود کوششوں کی حوصلہ افزائی کریں، جو ہو سکے تعاون کریں یا کم از کم خاموش ہی رہیں۔

کئی محاذ خالی ہیں، جیسے سیاسی محاذ، یہ تو بالکل ہی خالی ہے۔ جب کہ آزادی کے پہلے سے دوسرے لوگ اس محاذ پر لگے ہوئے ہیں۔ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے ضروری تھا کہ ہم کچھ افراد کو اس میدان میں بھی اتاریں تاکہ ملکی پیمانے پر ہماری ایک آواز رہے۔ اسی طرح تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی بہت سارے ابواب کو ہم نے چھوڑ رکھا ہے، جب کہ وہ روز افزوں اضافہ کر رہے ہیں۔ مثلاً علمِ حدیث کی کسی کتاب مثلاً بخاری مسلم وغیرہ اور ان کی شرحیں آدمی جب پڑھتا ہے اور اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کوئی دوسری شرح بھی ہے تو اسے حاصل کر کے اسے پڑھتا ہے، جس کی وجہ سے شارح سے متعارف ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ شارح کو کم از کم ایک محدث کی حیثیت سے تسلیم کر لیتا ہے اور اس کے اندر جو عقائد اس نے داخل کر دیے ہیں ان میں سے کچھ کو سمجھتا ہے کچھ کو نہیں سمجھتا ہے۔ لیکن کم از کم حدیث کے میدان میں اس کی خدمت کا اعتراف کرتا ہے۔ سو سال کا تقریباً ایسا عرصہ گزرا ہے جس میں ہماری طرف سے ایسی کوششیں بہت کم ہوئیں جب کہ اگر ہماری کوششیں بھی ہوتیں تو ہمارے علما بھی پوری دنیا میں متعارف ہوتے۔

آج بھی وقت ہاتھ سے گیا نہیں ہے، آج بھی اس طرح کی کوششیں کرنا ضروری ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ آپ اپنے بزرگوں سے کچھ نہیں کہہ سکتے، لیکن ان سے توقع رکھ سکتے ہیں کہ اس طرح سے جو جماعتیں، جو تنظیمیں، جو افراد کام کررہے ہیں، وہ ان کی قدر کریں۔ پہلا طریقہ تو یہی تھا کہ خود یہ حضرات، جماعتیں، تنظیمیں یا افراد مقرر کردیتے اور کام ان کے سپرد کردیتے۔

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ کام کرنے والے افراد کی مدد کرتے، ان کی ہمت افزائی کرتے۔

تیسرا طریقہ یہ تھا کہ جو جماعتیں کام کررہی ہیں ان کا ذکر خیر کرتے یا کم از کم ان کی بدگوئی سے باز رہتے۔ یہ فریضہ بزرگوں پر عائد ہوتا ہے اور خود علما کی حیثیت سے تمام علما پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

آج غیر مقلدیت سعودی عرب کی مدد کی وجہ سے اورزیادہ بڑھتی اور پھیلتی جارہی ہے، یہ لوگ مسلمانوں کی آبادیوں میں پہنچ کر، مسلمان طلبہ کے پاس پہنچ کر، کالجوں میں، اسکولوں مدرسوں میں اپنے خیالات پیش کررہے ہیں اور بڑی تیزی سے ان کا ذہن مسموم کررہے ہیں۔ اس سلسلے میں جماعت ہی کے بعض افراد نے امام اعظم کانفرنس بمبئی میں منعقد کی جس کی سرپرستی امینِ ملت نے کی تو پوری جماعت کا یہ شعوری فریضہ تھا کہ وہ صاف طور سے سمجھ لیتی کہ غیر مقلدیت کے پھیلاؤ کا یہ ایک جواب ہے اوراس صورت میں حنفیت اور اہلِ سنت کو متعارف کرانا مقصود ہے۔

غیر مقلدوں نے تو یہ سمجھ لیا کہ امام اعظم کانفرنس سراسر ہمارے اوپر اٹیک ہے اور ہم پر حملہ کرنے کے لیے اسے منعقد کیا گیا ہے، لیکن سنیوں میں سے بہت سے لوگوں نے نہیں سمجھا۔ وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ امام اعظم کانفرنس اعلیٰ حضرت کو ڈاؤن کرنے کے لیے ہے۔ یعنی امام اعظم اور اعلیٰ حضرت برابر کے تھے، گویا ہم نے امامِ اعظم کو چھوڑ کر امام شافعی کو مان لیا۔ یا امام شافعی کو

چھوڑ کرامام اعظم پر آگئے۔[حالاں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ زندگی بھر امام اعظم کے مقلد، ان کے خرمنِ فیض سے خوشہ چیں اور ان کے مذہب کے زبردست حامی و مبلغ رہے۔ساتھ ہی دیگر ائمہ کی عظمت اور بارگاہِ الٰہی میں ان کی مقبولیت کے بھی قائل رہے۔]

ایسے مرض کا علاج کم ازکم جواہلِ علم ہیں،وہ کرسکتے ہیں اوران کوراہِ راست پرلانے کی کوشش کرسکتے ہیں۔اس طرح کے خیالات کوبڑھاوادینے سے جماعت کی توانائیاں برباد ہوتی ہیں۔جس جماعت کو بہت سارے محاذوں پر کام کرناتھا، اس کے سپاہیوں کو بہت سارے محاذوں پر اترنا تھا، وہ آپس میں ہی دست وگریبان ہورہے ہیں توآگے کوئی کام کیسے انجام دیاجاسکتا ہے۔آج ہماری ذمہ داری ہےکہ ہرفتنے کےسدِباب کےلیے پورے طورپرتیارہو جائیں۔ دیوبندیت اور غیر مقلدیت مختلف حیلوں سے، مختلف طریقوں سے بڑھ رہی ہے۔اس سے زیادہ یاکم ازکم اس کے برابر طریقے اورتدابیر ہمارے پاس ہوں گی توہم ان کاجواب دے پائیں گےاور اپنے لوگوں کے تحفظ کا سامان کرسکیں گے۔

سیاسی میدان میں ہمارا کہیں ذکرنہیں آتا، اس کے پیشِ نظر علامہ فضل حق خیر آبادی کا ذکرآیا۔ ان کے وصال کے ڈیڑھ سوسال پورےہونے کی مناسبت سےمولانا یٰسین اختر مصباحی کے ذریعہ کافی جگہوں میں کانفرنسیں منعقد ہوئیں اورغیروں نے اس کا اثر محسوس کیا کہ یہ جنگ آزادی کا سہرا ایک سنی کے سر پر باندھ رہے ہیں، ایک جماعت ایسی بھی تھی جو علامہ فضل حق خیر آبادی سے اپنا سلسلۂ تلمذ جوڑتی تھی، وہ حیرت زدہ اس بات پرہے کہ یہ ہم پر سبقت کیسے لے گئے۔دوسری جماعت جومخالف تھی وہ پہلے ہی اس کونظرِ بد سےدیکھتی تھی۔لیکن پہلی جماعت کی حیرت اور دوسری جماعت کی بدنظری ہمارے لیے تعجب کی بات نہیں۔یہ توہوناہی تھااس لیے کہ انھوں نے سب

سے پہلے اسماعیل دہلوی کارد کیا اور تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ لکھا۔ جیساکہ خوداعلیٰ حضرت نے ان کے فرزند مولاناعبدالحق خیرآبادی سے فرمایا:ہندوستان میں وہابیت کارد کرنے والے سب سے پہلے شخص آپ کے والد ماجد ہیں۔ تو جس نے وہابیت کا سب سے پہلے رد کیا اس کی تعریف و توصیف سے تمام اہلِ سنت کو مسرت اور خوشی ہونی چاہیے، لیکن کچھ لوگوں کو خوشی ہو رہی ہے اور کچھ لوگوں کو غم ستا رہا ہے۔ جب کہ یہ سب کے لیے ایک خوشی کا موقع تھا۔

اور بھی ہمارے افراد ہیں جو جنگ آزادی میں بہت نمایاں طور پر شریک رہے اور ان پر باقاعدہ مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب نے کتاب بھی لکھی ہے۔ ضروری تھا کہ ہم ان تمام شخصیات کو عام کرنے کی کوشش کرتے، لیکن اگر ایک ہی شخصیت کو لیا گیا ہے تو وہ بھی عقلاے جماعت کے اوپر بھاری ہو رہی ہے۔

غیروں کی مساعی اور تگ و دو کتنی زیادہ ہو رہی ہے اور کس کثرت سے ہمارے لوگ ہمارے ہاتھوں سے نکلتے جا رہے ہیں، اس کی کوئی فکر نہیں ہے اور اگر کچھ لوگ اپنے طور پر اپنے لوگوں کا تحفظ کرنا چاہتے ہیں اور اپنے بزرگوں سے لوگوں کو متعارف کرانا چاہتے ہیں تو یہ بھی گوارا نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پوری جماعت معطل ہو کر بیٹھ رہے تو یہ بہتر ہے اور بھیڑیے جیسے چاہیں بکریوں کو کھا جائیں۔

ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم صحیح طور سے مسلک کی، مذہب کی اشاعت کریں، خدمت کریں اور یہ سمجھ لینا کہ جہاں علامہ فضل حق خیرآبادی کا نام آگیا تو اعلیٰ حضرت سے انحراف ہو گیا، اور حضرت بحرالعلوم فرنگی محلی کا نام آگیا تو بھی انحراف ہو گیا، شاہ ولی اللہ کا نام آگیا تو بھی انحراف ہو گیا، یہاں تک کہ امام اعظم کا نام آگیا تو بھی انحراف ہو گیا۔ اس طرح کی فکر کم از کم اہلِ علم میں نہیں ہونی

چاہیے۔اور اس بیمار فکر کا علاج کرنا، اس کا حل نکالنا پوری جماعت کی ذمہ داری ہے۔جس طریقہ سے پوری جماعت کی ذمہ داری ہے کہ اہلِ سنت کو بچائیں اور غیروں کی دست بردسےان کو محفوظ رکھیں، یہ بھی ہمارا مذہبی فریضہ ہوتا ہے۔

جامعہ البرکات میں آپ نے دیکھاکہ کتنے شعبے کھولے گئےاور کتنے ادارے قائم کیے گئے اوران سب سے مسلمانوں کو عمومی طورپر فائدہ پہنچ رہا ہے۔اس لیے کہ مسلمانوں کو آج تمام میدانوں میں آنے کی ضرورت ہے۔

ایک فکر یہ ہے کہ جماعت کی ضرورتوں کی تکمیل کی جائے اور مسلمانوں کو خود کفیل بنایا جائے کہ یہ دوسروں کے دست نگر نہ رہیں اور دوسری فکر یہ ہے کہ ہماری تو کچھ ذمہ داری ہی نہیں اور ہم کو کرنا کچھ نہیں ہے۔

جماعت کی ضروریات کا احساس کیا جائے اور اس کی تکمیل کے لیے پیش قدمی کی جائے تو یہی صحیح فرضِ منصبی کی ادائگی ہے۔

یہ بھی نہیں ہوسکتا ہے توکم ازکم اتنا ہونا چاہیے کہ اجتماعی یا انفرادی طور پر جولوگ جس طرح کی خدمتیں انجام دے رہے ہیں، جن سے اہلِ سنت کا فائدہ ہو رہا ہے، تو ان کے لیے دو کلمۂ خیر ہی استعمال کریں۔

یہ بھی اگر نہیں ہو سکتا ہے توکم ازکم اتناہونا چاہیے کہ ان کی مخالفت سے، ان کی حوصلہ شکنی سے بازرہیں، ورنہ یہ صرف ان حضرات کی حوصلہ شکنی نہیں ہے،بلکہ پوری جماعت کوہلاکت کے دہانے پرڈال دیناہے،کیوں کہ جماعت جب کام کرنےوالےافرادسےمنسلک نہیں رہ جائےگی تووہ مغلوب ہو کر دوسروں کا شکار بن جائے گی۔

اس بات کوسمجھنا اور سوچنا ضروری ہے اور ملت کو غیروں سے محفوظ رکھنا یہ ہم سب کی منصبی ذمہ داری ہوتی ہے، چوں کہ آپ حضرات علماے کرام

ہیں اور مختلف مقامات سے مختلف علاقوں سے وابستہ ہیں، اس لیے ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ اس فکر کو عام کریں کہ غیروں کا حملہ ہمارے اوپر کس قدر ہو رہا ہے، اور اس کے مقابلے میں ہم کیا کیا کر سکتے ہیں۔آپ ان باتوں کو اچھی طرح سمجھ رہے ہوں گے۔اور ایسے بہت سے طریقے جانتے ہوں گے جن سے مذہبِ حق کا مقامی، ملکی اور عالمی پیمانے پر فروغ ہوسکتا ہے۔

جو حضرات بھی اس طرح کی خدمات انجام دے رہے ہیں وہ بہر حال ہماری طرف سے مبارک باد کے قابل ہیں اوراجر وثواب کے مستحق ہیں۔ہماری فکر مثبت ہونی چاہیے۔منفی فکراور جمودو تعطل کاماحول ختم ہونا چاہیے، ورنہ ہماری جماعت جتنے خطرناک موڑ پر ہے بس خدا ہی حافظ ہے۔

مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کے اکیسویں فقہی سیمینار

(منعقدہ : پونہ شہر، بتاریخ ۱۵/۱۶/۱۷/ صفر ۱۴۳۵ھ / ۱۹/۲۰/۲۱/ دسمبر ۲۰۱۳ء
باہتمام : دارالعلوم قادریہ، پونہ، مہاراشٹر) کا خطبۂ صدارت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ـــــ نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

حضرات! یہ دار العلوم قادریہ پونہ کے زیر اہتمام مجلس شرعی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا اکیسواں فقہی سیمینار ہے جو مہاراشٹر کے مشہور شہر "پونہ" کی سرزمین پر منعقد ہو رہا ہے۔ میں اس سیمینار میں آپ حضرات کی تشریف آوری پر خیر مقدم کرتا ہوں اور آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنے قدوم میمون سے ہمیں ممنون فرمایا۔ یہی نہیں بلکہ چند ماہ قبل جب مجلس شرعی کے سوالات آپ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے اپنی دیگر علمی، دینی اور ذاتی و خانگی مصروفیات سے اِن سوالات کے جوابات تیار کرنے کے لیے اپنا قیمتی اور اہم وقت نکالا، اور حل تک رسائی کے لیے حسب وسعت سعیِ بلیغ فرمائی اور اب ابحاث و مذاکرات میں بھی حصہ لے کر مسائل کو روشن و منقح اور فیصل کرنے کے لیے اپنی فکری و علمی توانائیاں صرف کریں گے۔ یہ ساری مساعیِ جمیلہ ہمارے لیے مزید تشکر و امتنان اور قلبی مسرّت و اطمینان کا ہمّت افزا ساماں ہیں۔ ربّ کریم سب کو اپنی جزاے فراواں اور نعمتہاے بے پایاں سے نوازے۔ آمین یا أکرم الأکرمین.

دوسری طرف ہم دار العلوم قادریہ کے صدر مولانا نوشاد عالم مصباحی غازی پوری مقیم افریقہ، ناظم اعلیٰ مولانا ایاز احمد مصباحی اور دیگر ارکان و معاونین اور محبین و مخلصین کے بھی شکر گزار ہیں کہ انھوں نے اکیسویں فقہی سیمینار کی ذمہ داری اپنے سر لی۔ اِس راہ میں جامعہ اشرفیہ کو اپنے بیش بہا تعاون سے نوازا اور اِس علمی و فقہی کارواں کی راحت و

ضیافت کے لیے اپنی قربانیاں پیش کیں۔ یقیناً یہ حضرات اپنی سعادت اور علم و علما سے والہانہ محبت کے باعث آپ کی دعاؤں کے مستحق ہیں۔ رب جلیل انھیں دارین کی فیروز مندیوں سے سرفراز بنائے۔

حضرات! مجلس شرعی کے مذاکرات کی یہ دیرینہ روایت ہے کہ اس میں ہر صاحب علم کو سنجیدگی اور متانت کے ساتھ کھل کر بحث کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ ایک مندوب نے کوئی راے پیش کی اور دوسرے کو اس سے اختلاف ہے تو وہ برملا اس کا اظہار کرتا ہے۔ ایک نے کوئی دلیل یا کوئی عبارت اپنے موقف کے ثبوت میں پیش کی اور دوسرے کی نظر میں اس کے خلاف کوئی دلیل یا کوئی عبارت ہے تو وہ اسے سامنے لاتا ہے، کسی نے کوئی نظریہ پیش کیا جس کی دلیل لوگوں کی نظر میں نہیں تو اُس سے دلیل کا مطالبہ ہوتا ہے۔ میں کئی سال پہلے اپنے ایک مضمون میں لکھ چکا ہوں کہ اسباب ستّہ سے متعلق مذاکرات میں ایک بار فقہاے کرام کے ارشاد ”الحاجة قد تتنزل منزلة الضرورة“ پر یہ سوال ہوا کہ وہ کون سے مواقع ہیں جہاں حاجت بمنزلۂ ضرورت قرار پاتی ہے؟ بہت سے لوگوں نے جواب دینے کی کوشش کی مگر ہر جواب پر اعتراض وارد ہوتا رہا۔ کافی دیر کے بعد نائب مفتی اعظم ہند حضرت شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ نے اپنے جنچے تُلے جامع و مانع الفاظ میں اس کی وضاحت فرمائی۔ اس پر کوئی اعتراض تو نہ ہو سکا مگر خاص طور سے نوجوان مندوبین کی جانب سے بیک زبان اس کا مطالبہ ہونے لگا کہ حضرت! اس پر کوئی حوالہ پیش فرمائیں۔ یہ نوجوان علما حضرت شارح بخاری کے تلامذہ کے تلامذہ کی صف میں آتے تھے اور ان کے علمی پوتوں کی حیثیت رکھتے تھے مگر وہ حضرت سے مرعوب ہو کر خاموش نہ رہے اور نہ حضرت نے اپنی لمبی عمر اور طویل فقہی تجربات کا حوالہ دے کر انھیں خاموش کرنے کی کوشش کی بلکہ فرمایا کہ ”مجھے خوشی ہے کہ مجھ سن رسیدہ سے آپ لوگ مرعوب نہ ہوئے اور مجھ سے بھی حوالے کا مطالبہ کر دیا۔ اس سے مجھے امید ہے کہ ہمارے بعد بھی آپ یہ

علمی و فقہی کام پوری تحقیق و تنقیح کے ساتھ انجام دیتے رہیں گے اور کسی سے مرعوب ہو کر کوئی بے دلیل بات قبول نہ کریں گے۔'' جو حضرات مجلس شرعی کے سیمیناروں میں شریک ہوتے ہیں انھیں بخوبی معلوم ہے کہ آج بھی وہ روِش برقرار ہے۔ سوالات اور اعتراضات کو سنجیدگی سے سنا جاتا ہے اور شافی حل نکالنے پر پوری کوشش صرف ہوتی ہے۔ ربّ جواد و منان و وہاب اس علمی و تحقیقی روش کو ہمیشہ قائم رکھے اور ہر قسم کی نظرِ بد سے بچائے۔

ہمارے سیمیناروں میں شرکت کرنے والے حضرات کو معلوم ہے کہ جب کسی عنوان پر مقالات کی تلخیص پیش ہوتی ہے تو رایوں میں بڑا اختلاف نظر آتا ہے۔ بعض اوقات دو مختلف رایوں میں سے ہر راے پر دلیل کی قوت بھی نظر آتی ہے، تلخیص میں ہر راے کو اس کی دلیل کے ساتھ پوری دیانت داری سے ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ پھر جب سنجیدگی و متانت، اخلاص و حسن نیت اور دلائل و شواہد کی قوت کے ساتھ بحث ہوتی ہے تو ربّ کریم کا فضل عظیم شامل حال ہوتا ہے اور اکثر یہی ہوتا ہے کہ کسی قوی اور راجح دلیل کے باعث تمام مندوبین کا ایک راے پر اتفاق ہو جاتا ہے۔ اور اسی کے مطابق فیصلہ درج کر لیا جاتا ہے۔

بالفرض کسی کو کوئی اختلاف ہوا اور جوابات سے اس کی تشفی نہ ہو سکی تو اسے تصدیقی دستخط ثبت کرنے سے آزاد رکھا جاتا ہے۔ کسی سے اس بات کی گزارش نہیں ہوتی کہ ہماری رعایت میں اپنے موقف کے خلاف دستخط کر دیجیے۔

ایک دو نظیریں ایسی بھی ہیں کہ کسی راے پر سب کا اتفاق نہ ہو سکا تو اختلاف کی نشان دہی کے ساتھ فیصلہ درج کیا گیا۔ یہ بھی کسی جزئی فرعی راے میں ہوا ورنہ اکثر مسائل بنیادی نقطۂ نظر کے اعتبار سے شافی حل سے ہمکنار ہوئے۔ ان شاء المولیٰ تعالیٰ ان فیصلوں کا مجموعہ جلد ہی اشاعت پذیر ہو گا جسے ملاحظہ فرمانے کے بعد اہلِ علم اِن شرکاے مذاکرات کی تحقیقی کاوشوں کا مکمل نہیں تو کچھ اندازہ ضرور کر سکیں گے۔

رہے عوام تو وہ بھی اپنی ضرورتوں کا حل دریافت کر کے یقیناً مسرور ہوں گے۔

گذشتہ سال بیسواں فقہی سیمینار جامعۃ البرکات علی گڑھ کی سرزمین پر سرکار مارہرہ مطہرہ کے سجادہ نشین امین ملت حضرت سید شاہ محمد امین برکاتی دام ظلہ کی سرپرستی اور ان کے اعزّہ کے اہتمام وانتظام میں منعقد ہوا، اس کے موضوعات یہ تھے:

۱ انٹرنیٹ کے موادو مشمولات کا شرعی حکم

۲ عذر کے باعث طوافِ زیارت میں ایک یوم کی تاخیر

۳ جینٹک ٹیسٹ کا شرعی حکم

۴ دور حاضر میں چلتی ٹرین پر نماز کا حکم۔

ان موضوعات پر کھل کر بحثیں ہوئیں اور مسائل اپنے دلائل کے ساتھ حل کی منزل سے ہمکنار ہوئے جس سے علی گڑھ اور دیگر مقامات کی علمی فضا پر اچھا اثر قائم ہوا۔ فالحمدللہ علی ذلک۔

مگر کچھ اپنے ہی کرم فرماؤں نے اپنے خاص سنی حنفی بھائیوں کے بعض حسّاس حلقوں میں اس کا سخت منفی اثر پیدا کرنے کی کوشش کی اور صرف چلتی ٹرین کا مسئلہ ذکر کیا گویا بیسویں فقہی سیمینار میں نہ کوئی دوسرا موضوع زیر بحث آیا، نہ اُس پر کوئی فیصلہ ہوا۔ **اسی پر بس نہیں** دیگر سیمیناروں میں جو فیصلے ہوئے انھیں بھی مبہم طور پر بے وقعت اور ناقابلِ التفات جتانے کی سعیِ ناروا، روا رکھی گئی۔ **اِس سے بھی تسلّی نہ ہوئی تو الجامعۃ الاشرفیہ** کے پورے وجود کو نشانہ بنایا گیا اور ممبئی و پوربندر کی سرزمین سے اس پر علانیہ حملوں کا "مجاہدانہ و بہادرانہ" کارنامہ انجام دیا گیا۔ جس پر اہل سنت کو حیرت کے ساتھ افسوس بھی ہے کہ وہ ادارہ جو ماضی کی طرح حال میں بھی دین و مسلک کی نمایاں اور ممتاز خدمات انجام دینے میں منہمک ہے، جس کے فرزند آج بھی اہل باطل کے خلاف ملک و بیرونِ ملک ہر جگہ سینہ سپر ہیں اسے یوں نشانہ بنانا کسی طرح درست نہیں۔ ہاں! اس محاذ آرائی میں غیروں کے لیے مسرت و خوشی کا سامان ضرور ہے۔

چلتی ٹرین کا مسئلہ مجلس شرعی سے نشر شدہ دو کتابوں میں پوری علمی و تحقیقی متانت کے ساتھ بغیر کسی گالی گلوچ کے واضح کیا جاچکا ہے۔ (۱) فقہ حنفی میں حالات زمانہ کی رعایت فتاوی رضویہ کے حوالے سے۔ (۲)چلتی ٹرین میں نماز کا حکم ——— اہل علم اِن دونوں کا مطالعہ کرلیں، اِن شاءاللہ پوری تشفی ہوجائے گی۔

اس کے بعد یہاں اسے بیان کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی مگر توضیح مزید کے لیے میں بھی اپنے الفاظ میں کچھ عرض کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ خدا نے چاہا تو رائیگاں نہ ہوگی۔

ہم اس بات کے قائل ہیں کہ نماز یا وضو وغسل سے رکاوٹ کی دو قسمیں ہیں:

ایک وہ جو رب کی طرف سے ہو، **دوسری** وہ جو بندوں کی طرف سے ہو۔

اول میں جس طرح ہو سکے نماز ادا کرلے اور بعد میں اعادہ نہیں۔

دوم میں جیسے ہو سکے ادا کرلے پھر جب رکاوٹ جاتی رہے تمام شرطوں کے ساتھ اعادہ کرے۔ یہ حکم فرض و واجب یا ملحق بواجب نمازوں کے لیے ہے۔

کتب فقہ میں بندوں کی جانب سے رکاوٹ کے تحت یہ مثالیں دی گئی ہیں:

(۱) کسی شخص کو کسی دشمن نے قید کرلیا اور وضو یا نماز کی مہلت نہیں دیتا۔

(۲) پانی پر دشمن ہے اور دھمکی دے چکا ہے کہ تم ادھر آئے تو قتل کردوں گا یا ہاتھ پاؤں توڑ ڈالوں گا۔

(۳-۴) یا پانی سے وضو وغسل کرنے پر یا باوضو کو نماز پڑھنے پر اس طرح کی دھمکی دے رہا ہے اور نمازی کو غالب گمان ہے کہ دشمن جو کہہ رہا ہے اسے کر گزرے گا تو ان حالتوں میں اسے حکم ہے کہ جیسے ہو سکے نماز ادا کرلے پھر بعد زوال مانع اعادہ کرے۔

اس مضمون کے فقہی جزئیات میں یہ امر بالکل واضح ہے کہ کوئی شخص نمازی کو براہ راست نماز یا وضو وغسل سے روکنے والا ہے۔ آج بھی کوئی شخص اس طرح کسی نمازی کو براہ راست نماز یا وضو وغسل سے روکے تو اس کے منع من جهة العبد ہونے میں کوئی

کلام نہیں، اور حکم وہی ہوگا کہ فی الحال جیسے ہوسکے ادا کرلے اور زوال مانع کے بعد اعادہ کرے۔

اب ریلوے نظام پر غور کریں تو مختلف صورتیں سامنے آئیں گی:

۱ ابتدا میں یہ حال تھا کہ ٹرینوں میں پانی کا انتظام نہ ہوتا۔ بعد میں کچھ ٹرینوں میں انتظام رہنے لگا۔ اب تقریباً سبھی ٹرینوں میں پانی موجود ہوتا ہے۔ اس لیے وضو وغسل سے رکاوٹ جاتی رہی۔

۲ اعلیٰ حضرت اور محدث سورتی علیہما الرحمہ کے زمانے میں بالعموم ٹرینوں کے اسٹاپ قریب قریب اور ٹھہرنے کے وقفے زیادہ تھے اس لیے محدث سورتی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ مجھے سو بار سے زیادہ ٹرین سے سفر کا اتفاق ہوا، ایک اسٹیشن پر اتر کر وضو کرلیا، دوسرے اسٹیشن پر اتر کر نماز پڑھ لی، کبھی چلتی ٹرین پر نماز پڑھنے کی نوبت نہ آئی، خود امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے سفر ریل سے متعلق فرمایا: مجھے بڑے بڑے سفر کرنے پڑے اور بفضلہٖ تعالیٰ پنج وقتہ جماعت سے نماز پڑھی (الملفوظ اول ص ۵۲)۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُس زمانے کا حال یہ تھا کہ ذرا اہتمام کرلیا جائے تو ٹرین سے اُتر کر باضابطہ زمین پر نماز کی ادائگی میسّر تھی۔

۳ اب یہ حال ہے کہ بہت سی ٹرینیں بعض نمازوں مثلاً عصر یا مغرب یا فجر کے پورے وقت میں ایک بار بھی نہیں رکتیں اور کبھی رکتی ہیں تو اس قدر کم کہ اتنے وقفے میں نماز کی ادائگی نہیں ہو پاتی۔ اور اب چند سالوں سے کچھ ایسی ٹرینیں بھی چلی ہیں جو ظہر وعشا کے اوقات میں بھی نہیں رکتیں۔

۴ پہلے ریلوے نظام، حکومت نے پرائیویٹ کمپنیوں کے ہاتھ میں دے رکھا تھا۔ انھوں نے ٹرینوں کے ٹھہرنے کے اوقات میں انگریزوں کے کھانے کی رعایت رکھی تھی۔ بعد میں یہ نظام جب حکومت نے خود اپنے ہاتھوں میں لیا تب بھی وقفۂ طعام کی رعایت برقرار رہی۔ اب بیس سال یا زیادہ عرصے سے یہ حال ہے کہ ٹرینوں کے

ٹھہرنے میں کھانے کے اوقات کی خاص رعایت بالکل نہ رہی۔ رکتی ہیں تو سب کے لیے، نہیں رکتی ہیں توکسی کے لیے نہیں۔

۵ یہ بات نظر انداز نہیں ہونی چاہیے کہ ٹرین کا سفر صرف سفرہی نہیں ایک عقد اجارہ پر بھی مشتمل ہوتا ہے جو جانبین کے اختیار و عمل سے وجود میں آتا ہے۔ مسافر اس عقد میں مُستاجِر(مال دے کرفائدہ اٹھانے والا) ہوتا ہے اور محکمۂ ریلوے مُوجِر(مال کے عوض فائدہ اور سہولت فراہم کرنے والا) ہوتا ہے۔ معقود علیہ (جس پر معاملہ طے ہوا) مقررہ منزل تک پہنچنا، پہنچانا ہوتا ہے۔

عقد اجارہ میں اُس کا اعتبار ہوتا ہے جو عاقدین کے درمیان طے ہوا اور کچھ اس کا جو معروف و معمول ہو، مثلاً کسی نے کوئی رکشہ یا کار تین کلو میٹر پر واقع کسی منزل تک جانے کے لیے چند روپے کے عوض طے کی، اس کے مطابق منزل تک رسائی ہوگئی تو سواری والا مقررہ اجرت کا بے نزاع و بے کم و کاست مستحق ہو گیا۔ لیکن گاڑی والا یا سوار اس مسافت کے درمیان کہیں ٹھہر جاتا ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ یہ ٹھہرنا کس وجہ سے اور کتنی دیر تک کا ہے۔ اگر عرف وتعامل کے تحت ہے یا کسی مانع ناگہانی کے باعث، عاقدین کے عمل دخل کے بغیر ہے تو اس میں اختلاف نہ ہوگا، مثلاً گاڑی والا یا سوار ایک دو منٹ کہیں پانی پینے، استنجا کرنے، یا کسی ضروری بات کرنے کے لیے رُک گیا تو اتنا وقفہ عرف حاضر کے لحاظ سے باعث نزاع نہ ہوگا۔ یا کسی مقام پر گاڑیوں کی کثرت کی وجہ سے روڈ جام ہو گیا یا ٹائر پنچر ہو گیا یا اور کوئی خرابی پیدا ہو گئی جسے بنوانا پڑا اس لیے بہت دیر ہوگئی تو اس میں عاقدین ایک دوسرے کو الزام نہ دیں گے، ہاں باہمی رضامندی سے کسی طرح معاملہ فسخ کرنے کا اختیار رہے گا۔

لیکن تین کلو میٹر کی مسافت میں جانبین میں سے کوئی ایک پندرہ منٹ یا زیادہ ٹھہرتا ہے تو آج کے عرف ورواج کے اعتبار سے دوسرے کو اعتراض ضرور ہوگا۔ اور ہو سکتا ہے کہ مقررہ کرایہ کم یا زیادہ کرنے کی بھی بات آجائے۔

اگلے زمانے میں ٹرین کوئلے پانی سے چلتی تھی، ایندھن بنانے کی ضرورت کے باعث اس کے اسٹاپ بھی زیادہ ہوتے تھے۔ ان وقفوں سے مسافرین کا فائدہ بھی تھا، نقصان بھی۔ فائدہ یہ کہ وہ اسٹیشنوں پر اتر کر اپنی کم وقتی ضروریات پوری کر لیتے تھے اور کہیں لمبا وقفہ ہے تو لمبا کام بھی کر سکتے تھے۔ نقصان یہ کہ کثیر وقفوں کی وجہ سے ان کے سفر کی مدت طویل ہو جاتی تھی۔ مگر محکمۂ ریلوے کی جانب سے ہر ٹرین کے اسٹاپ اور وقفے کی مدت کا باضابطہ اعلان رہتا تھا اور مسافر یہ سب جان کر کسی ٹرین کا سفر اختیار کرتا تھا اور اسے کوئی اعتراض نہ ہوتا تھا۔ کسی آفت ناگہانی کی وجہ سے وقفہ دراز ہو گیا تو اسے نظر انداز کرتا تھا۔ یہ آج بھی ہے۔

وقت چوں کہ بڑی اہم اور قیمتی چیز ہے اس لیے محکمۂ ریلوے نے مسافروں کو کم وقت میں منزل تک پہنچانے پر خاص توجہ صرف کی۔ برقی لائن اور طاقتور انجنوں کا انتظام ہوا، وقفے کم کیے گئے بلکہ ماضی قریب سے ایسی ٹرینیں بھی زیر عمل آئیں جن کا اسٹاپ دس گھنٹے، بیس گھنٹے، چالیس گھنٹے کے درمیان کہیں نہیں، بجز اس کے کہ خود ٹرین چلنے چلانے کے تحت کہیں کہیں وقفہ ہو ـــــ اور پوری مسافتِ سفر کے بعض حصوں میں ڈیڑھ گھنٹے، دو گھنٹے، تین گھنٹے تک نہ رُکنے والی ٹرینیں تو ایک عرصے سے خاصی تعداد میں رواں دواں ہیں۔ اور مسافرین یہ سب جانتے ہوئے ان ٹرینوں کا سفر اختیار کرتے ہیں اور کم وقت میں اپنی منزل تک پہنچنے کا فائدہ بھی اٹھاتے ہیں اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں وقت، فلاں مقام پر ٹرین نہ روک کر محکمۂ ریلوے نے ہمارے عقد اجارہ میں خیانت کا ارتکاب کیا اور نماز کی راہ میں رکاوٹ بنا۔ ٹرین کے ابتدائی زمانے میں بھی صرف سفر اور منزل تک پہنچانے کے لیے پرائیویٹ کمپنیوں سے عقد اجارہ اور ٹکٹ لینا ہوتا تھا۔ اس عقد میں کبھی نہ مسلمانوں نے اوقاتِ نماز میں ٹرین روکنے کی شرط رکھی، نہ کسی کمپنی کی منظوری کا مسئلہ در پیش ہوا۔ البتہ جتنے پر معاملہ رائج تھا کمپنیاں اس کی پابندی کرتی تھیں اور مسلمان بھی اس عرف و عمل کو جانتے ہوئے اپنے اختیار سے

ٹرینوں پر سفر کرتے تھے۔ ان کمپنیوں کی جانب سے عقد اجارہ کی کوئی خلاف ورزی نہ تھی، ہاں بے قصد و اختیار کسی آفت ناگہانی کا معاملہ الگ ہے جس سے مسافرین بھی صَرفِ نظر کرتے تھے۔

شاید اسی لیے اُس دور کے بعض علما نے کمپنیوں کو اداے نماز سے مانع نہ قرار دیا اور مسافرین کے اس دانستہ سفر کو بھی ناجائز و محظور نہ ٹھہرایا، اگرچہ ٹرین کا سفر ترک کر کے دوسرا ذریعہ اختیار کرنا، یا بار بار ٹرینیں تبدیل کرنا ان کے لیے ممکن تھا، مگر یہ پابندی سخت حرج، مشقت اور دشواریوں پر مشتمل تھی، اس لیے کسی عالم نے ایسا کوئی حکم جاری نہ کیا اور بعض علما رُکی ہوئی ٹرین کی طرح چلتی ٹرین پر نماز ادا کرنے میں کمپنیوں کی جانب سے کسی خلل اندازی اور منع من جہۃ العبد کے قائل نہ ہوئے۔

البتہ امامِ اہل سنت قدّس سرہ نے یہاں دِقّتِ نظر سے کام لیا۔ ایک طرف انھوں نے یہ دیکھا کہ ٹرینوں کے وقفے اتنی جلد اور اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ مسلمان اہتمام رکھے تو بآسانی ٹھہری ہوئی ٹرین پر یا پلیٹ فارم پر نماز ادا کر سکتا ہے اور جیسا کہ محدّث سورتی قدّس سرّہ اور امام اہل سنت قدس سرہ نے بتایا چلتی ٹرین پر نماز پڑھنے کی نوبت ہی نہ آئے گی مگر نادرًا، مثلاً ٹرین رُکنے کے وقت، ڈبّے کے دروازوں، اندر کے راستوں اور سیٹوں کی درمیانی جگہوں میں واردین، صادرین کی وجہ سے ایسی بھیڑ ہے کہ باقاعدہ دو رکعت یا زیادہ ادا کرنے کی گنجائش نظر نہیں آتی اور آدمی تنہا ہے، پلیٹ فارم پر جا کے پڑھے تو سامان چوری ہونے یا ٹرین چھوٹنے کا اندیشہ ہے، سامان بھی ہلکا اور تھوڑا نہیں کہ بآسانی لے کر اُتر جائے اور ٹرین رواں ہو جائے تو بعجلت سامان لے کر بآسانی سوار ہو جائے یا ٹرین چھوٹ جائے تو بھی سامان سے محروم نہ ہو۔ واقعۃً وقفہ ریل میں اداے نماز کی ایسی سخت دشواری یا سامان سے بالکل محرومی اُس دور میں شاذ، بلکہ ہمارے دور اول (کی اکثر ٹرینوں) میں بھی نادر تھی مگر بالکلیہ ایسی صورت کے وقوع کی نفی بھی نہیں ہو سکتی۔

حالت نادرہ مذکورہ میں تو آدمی معذور ہے اور اس کے لیے بعد میں اعادے کا حکم بھی نہ ہوگا۔ مگر حالت عامّہ میسّرہ میں وہ رُکی ہوئی ٹرین یا پلیٹ فارم پر نماز نہیں پڑھتا اور چلتی ٹرین ہی پر پڑھنے کا منتظر رہتا ہے تو یہ اس کی بے اعتنائی و بے احتیاطی کی دلیل ہے اور اس کا حال محلّ نظر ہے۔

دوسری طرف امام اہل سنّت قدّس سرّہ نے یہ ملاحظہ کیا کہ بیع یا اجارہ والی کمپنیاں کبھی اپنے معاملہ کرنے والوں کو کوئی نفع یا سہولت بھی دیتی ہیں اور اسے سب کے لیے عام رکھتی ہیں، یہ طریقہ جب مشہور و متعارف اور معمول ہو جاتا ہے تو عاقدین کے ذہن میں وہ بھی زیر عقد داخل شمار ہوتا ہے۔ اور اگر کمپنیاں معاوضہ تو سب سے یکساں لیں مگر سہولت کسی ایک قوم کے لیے خاص کر دیں تو یہ دوسروں کے ساتھ اُن کی ناانصافی اور زیادتی شمار ہوگی۔

دور سابق میں یہ زیادتی ریل چلانے والی کمپنیوں کے معاملے کا جز تھی، ان کا عقد اجارہ اگرچہ صرف سفر کرانے اور منزل تک پہنچانے سے متعلق تھا مگر یکساں کرایہ لے کر انھوں نے جو سہولتِ وقفہ فراہم کی وہ انگریزوں کے کھانے سے خاص تھی، مسلمانوں کی نماز کے لیے باضابطہ اس کی فراہمی نہ تھی، ضمناً اُس وقت، یا کسی بھی وقفے میں نماز بھی ادا ہو جائے یہ الگ بات ہے۔ یہ تفریق اس بات کی دلیل ہوئی کہ ایک قوم کے کام کے لیے کمپنی نے وقفۂ ریل کی سہولت فراہم کی اور دوسرے کے ایک اپنے دینی کام کی اس کے مقررہ ضابطے کے مطابق ادائگی سے اپنی سہولت کو روکا۔ اس دلیلِ تفریق، اصل نامقبول اور ضابطۂ دورُخی سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حسب ضابطہ نماز کی ادائگی نہ ہونے میں اس کی ناانصافی کا عمل دخل ہے اور ضرور ہے اس لیے اس رکاوٹ کی اس کی جانب نسبت درست ہے اور اسے منع من جهة العبد شمار کرنا بجا ہے۔

مگر جب ایسی کوئی عملی تفریق نہ ہو اور سواری والے کا بے وقفہ اوقات نماز چلنا چلانا معلوم و معروف ہے اس کے باوجود مسافر اُس کے متبادل انتظام کی مشقتوں اور

دشواریوں کو دیکھ کر اُسی سواری کو اختیار کرتا ہے اور سواری والا عقد اجارہ اور عرف وعادت کے مطابق اپنا کام پورا کرتا ہے تو بحالت استقرار ادائے نماز میں اُس کی جانب سے کسی رکاوٹ کا دخل نہیں، نہ عقد اجارہ میں کوئی ناانصافی وخیانت، لہٰذا رُکاوٹ کی نسبت اُس کی جانب درست نہیں، ہاں اُس مستاجر کی جانب چاہیں تو کریں جس نے اچھی طرح جان بوجھ کر ایسی سواری کا سفر پسند کیا اور عمل میں لایا۔

میں ذرا وضاحت کر دوں کہ اعلیٰ حضرت قدّس سرّہ کے زمانے میں انگریزوں کے کھانے اور مسلمانوں کی نماز کے لحاظ سے ٹرین کے روکنے نہ روکنے کی چار صورتیں ذہن میں بنتی ہیں۔

(۱) انگریزوں کے کھانے اور مسلمانوں کی نماز دونوں کے لیے روکنا۔

(۲) مسلمانوں کی نماز کے لیے روکنا، انگریزوں کے کھانے کے لیے نہ روکنا۔

(۳) انگریزوں کے کھانے کے لیے روکنا، مسلمانوں کی نماز کے لیے نہ روکنا۔

(۴) انگریزوں یا کسی کے کھانے اور مسلمانوں کی نماز دونوں کے لیے نہ روکنا۔

پہلی صورت میں منعِ نماز کا کوئی مسئلہ نہیں، دوسری صورت میں بھی نماز سے رُکاوٹ کا کوئی مسئلہ نہیں، تیسری صورت میں تفریق و ناانصافی اور نماز کی ضروری سہولت کی نافراہمی کے باعث رُکاوٹ کی نسبت کمپنی یا محکمۂ ریلوے کی جانب درست ہے۔

چوتھی صورت میں کوئی تفریق وجانب داری نہیں، عقد اجارہ میں بھی ایسی کوئی شرط مذکور و منظور نہیں، اور عمل درآمد بھی معلوم ومعروف ہے، اور اسی حالت پر مسلم نے اپنا عقد، ادائے نماز نہیں بلکہ مقام معین تک پہنچنے پہنچانے کے لیے کیا ہے اور محکمۂ ریلوے اس عقد کی حتی المقدور تکمیل کرتا ہے اس لیے اس کی جانب نماز سے روکنے کی نسبت درست نہیں جیسے قافلے کے شتربانوں کی جانب نماز سے روکنے کی نسبت درست نہیں اور بحالت معلومہ و معہودہ چلتے اونٹوں پر حنفیوں کی نماز صحیح ہے اور

اعادے کی حاجت نہیں۔

پہلی دوسری صورت ایسی واضح ہے کہ عام مسلمان بھی اسے سمجھتا ہے اور اس کے ذکر کی کوئی حاجت بھی نہ تھی، تیسری صورت اعلیٰ حضرت قدس سرّہ کے زمانے میں رائج تھی اس لیے اس کا ذکر اور اس کے حکم کا بیان ضروری تھا۔

چوتھی صورت اُس دور میں نہ تھی۔ بہت بعد کے زمانے میں پائی گئی اُس کی جانب اپنی عبارت سے اشارہ فرمادیا۔ فرماتے ہیں:

"انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لیے روکی جاتی ہے اور نماز کے لیے نہیں تو منع من جهة العباد ہوا اور ایسے منع کی حالت میں حکم وہی ہے کہ نماز پڑھ لے اور بعد زوال مانع اعادہ کرے"۔ (۱)

یہ عبارت بتا رہی ہے کہ منع من جهة العبد ہونے کا حکم ریل کمپنیوں کے اسی ضابطۂ ناانصافی کے بطن سے پیدا ہوا ہے کہ کرایہ تو یکساں لیا مگر ایک قوم کو اپنی فیاضی سے ایک سہولت عطا کی اور دوسری قوم کی اُس سے اہم ضرورت کے وقت اپنی عطا کا دروازہ بند کر لیا۔ یقیناً یہ ممانعتِ آں عباد اسی اصل تفریق سے متفرع ہے اور جہاں یہ تفریق نہیں، بندوں کی وہ ممانعت بھی نہیں۔

اسی بات کو کچھ اس طرح عرض کیا گیا کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فقیہ فقید المثال علیہ رحمۃ المتعال نے اپنے جامع الفاظ میں اخیر کی دونوں قسموں کا حکم بیان کر دیا —— رائج صورت کا بطور منطوق، غیر رائج اور بہت بعد میں پیدا ہونے والی صورت کا حکم بطور مفہوم —— اس لیے عصر حاضر کی چلتی ٹرینوں پر نماز کے جواز بلا اعادہ کا حکم خود فتاوی رضویہ سے ثابت ہے۔

افسوس کہ ہمارا یہ ایضاح و بیان ہمارے کچھ کرم فرماؤں کی نظر میں اتنا عظیم جرم ہے کہ وہ ہمیں اہل سنت و جماعت بلکہ اگر بس چلے تو اہل اسلام سے بھی خارج قرار دینے

---

(۱) فتاوی رضویہ ج ۳- ص ۴۴، رضا اکیڈمی، ممبئی

کے لیے اپنے تمام تر آلاتِ جوارح کے ساتھ پوری طرح کمر بستہ اور تیار ہیں۔ وفّقهم الله و إيانا لما هو محبوب و مرضي لديه. و حفظنا و إياهم من جميع الشرور و الآفات ما ظهر منها و ما بطن.

۶مطبوعہ خطبے میں فتاوی رضویہ کی عبارتِ مذکورہ کے بعد میرے الفاظ یہ تھے:

"منع من جهة العباد ہونے کی تفریع دو امروں پر ہے، انگریزوں کے کھانے کے لیے روکنا اور نماز کے لیے نہ روکنا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر دونوں کے لیے "نہ روکنا" ہو تو منع من جهة العباد نہیں۔ صرف ایک امر کو لینا اور دوسرے کو ساقط کر دینا کسی طرح قرینِ انصاف نہیں"

ان الفاظ کی مزید توضیح و تفہیم میرے اوپر والے بیان میں آ گئی۔ و الله الموفّق۔

اس سے زیادہ واضح اور متفق علیہ مسئلہ شتربانوں کے قافلے کا ہے۔ وہ اونٹوں کو ایک بار دوپہر میں روکتے، دوسری بار رات کو نصف شب کے قریب روکتے۔ حنفیوں کو عصر و مغرب سواری سے اتر کر پڑھنے کا موقع نہ ملتا۔ انھیں حکم ہوا کہ چلتی سواری پر نماز پڑھ لیں اور اعادے کی حاجت نہیں۔ اس لیے کہ سارے شتربانوں کا مقررہ قاعدہ صرف دو بار رکنے کا تھا جس کی وہ پابندی کرتے۔ شتربان سب بندے تھے، ہر ایک کو عصر و مغرب کے اوقات میں اپنا اونٹ روکنے کا پورا اختیار تھا، ان کے اوپر حکومت یا حکومت کے کسی محکمے کی جانب سے کوئی پابندی نہ تھی، نہ کسی جرمانے یا جیل جانے کا کوئی خطرہ، بس وہ اپنے مقررہ ضابطے کے باعث مذکورہ اوقات میں سواریاں نہ روکتے۔ یہ نہ روکنا ان بندوں کا اپنا مصنوعی اور اختیاری عمل تھا اس لیے اسے منع من جہۃ العباد قرار دے کر سواری پر ادا کی ہوئی نماز کے اعادے کا حکم ہو سکتا تھا مگر نہ ہوا حالاں کہ اس سواری پر صرف استقرار علی الارض اور اتحادِ مکان کی شرط ہی فوت نہ ہوتی تھی، کئی رکن اور فرض بھی فوت ہوتے تھے یعنی قیام، رکوع، سجود بروجہِ معروف ادا نہ ہوتے جب کہ

چلتی ٹرین میں قیام، رکوع، سجود، قومہ وغیرہ بروجہِ معروف ادا ہوجاتے ہیں۔ شرط کے ساتھ مذکورہ فرائض فوت ہونے کا تقاضا تو اور سخت تھا کہ اونٹوں پر بروجہ ممکن نماز ادا کرنے کے بعد اعادہ کا حکم ضرور ہو۔ اگر کہا جائے کہ مسافر کو تنہا اترنے میں جان و مال کے ضیاع کا اندیشہ تھا اس لیے یہ منع من جہۃ العباد نہ قرار پایا تو ہم کہیں گے کہ یہ خطرہ بھی تو ان شتربانوں کے سواریاں نہ روکنے ہی کی پیداوار ہے اس لیے اس کی نسبت بھی بندوں ہی کی طرف ہونی چاہیے۔

احقر کو خوشی ہے کہ شتر رانوں کے قافلے کی مثال پر تا حدّ وُسع، ردّ و قدح کے باوجود یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ:

''شتربانوں نے یہ قاعدہ خود اپنی جانوں اور مسافروں کی حفاظت کو مدّ نظر رکھتے ہوئے طے کیا کہ پُر خطر راستوں کو اجتماعی قافلے کی صورت میں طے کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ قافلہ منتشر ہوجائے کہ اس صورت میں جان و مال کا اندیشہ تھا۔ تو یہ خوف جس طرح چند افراد کے حق میں تھا اسی طرح پورے قافلے کو یہ خوف تھا۔ لہٰذا انھوں نے یہ طے کیا کہ ایک بڑی جماعت اکٹھا ہو کر سفر کرے۔ بالجملہ یہ صورت بھی صورتِ عذر ہے جس کی رُو سے چلتے ہوئے دابّہ (چوپایہ) پر نماز فرض جائز ہے۔''

اس اعتراف کے بعد راقمِ ناتواں بہت سارے بارہائے جواب سے سبک دوش ہو گیا۔

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ اونٹوں کے سفر میں خوفِ جان و مال کا مداوا بڑی جماعت کا اجتماعی سفر ہے۔ اب عرض ہے کہ اوقات نماز میں ایک یا چند افراد کو پیش آنے والے خوفِ جان و مال کا درماں بھی اجتماعی وقوف ہے جس سے حنفیوں کی جماعت محروم ہے اور اجتماعی وقوف سے مانع سارے شتربان ہیں جو خالص بندے ہیں اور حنفیوں کی عصر و مغرب بروجہِ معروف ادا ہونے سے اپنے اجتماعی عدم وقوف کی بنا پر مانع ہیں اس لیے اونٹوں پر ادا کی ہوئی نمازِ حنفیہ میں منع من جهة العباد شامل ہے اور اسکا حکم

یہی ہونا چاہیے کہ بحالت مجبوری ادا کرلیں اور بعد میں وجوباً اعادہ کریں۔ جیسے موجودہ ٹرینوں کے سفر میں یہ حکم دیا گیا کہ ”بحالت مجبوری ٹرین پر نماز ادا کرلیں اور بعد میں اعادہ واجب ہے اس لیے کہ ڈرائیور اور گارڈ سے لے کر وزارت ریلوے اور پارلیامنٹ تک سب بندے ہی بندے ہیں اور ان کے سبب جو رکاوٹ ہے وہ منع من جہۃ العباد ہے۔“

اور اگر دَورِ شتربانی کا خوفِ جان و مال، جملہ افرادِ قافلہ کے بندے ہونے کے باوجود اور قافلہ نہ روک کر حنفیوں کو سواری پر ادائے فرض کے لیے مجبور کرنے کے باوجود، معتبر ہے اور اس کے باعث فرض و واجب نماز سواری پر جائز بلا وجوبِ اعادہ ہے تو اس طرح کا خطرہ آج ٹرینوں سے اترنے میں بھی موجود ہے۔

کم از کم شقیقِ نفس - مال - کی بربادی، ریزرویشن ٹکٹ کا نقصان، وقت کا ضیاع، مقصدِ سفر کی ناکامی، یا مشکلات کی افزونی تو ضرور موجود ہے۔ لہٰذا اگر دور ماضی کا وہ خوف مان کر جواز بلا اعادہ کا حکم ہوا تو آج کا خوف و نقصان بھی مان کر وہی حکم ہونا چاہیے۔ اور اگر اسے رد کر کے ٹرین ہی پر نماز پڑھوا کر اعادہ کروانا ضروری ہے تو اونٹوں پر بھی نماز پڑھوا کر اعادہ کا حکم ہونا چاہیے تھا۔

غور کیجیے تو وجہ یہی ہے کہ یہ ایک عقد اجارہ ہوتا تھا جس کے تحت صرف منزل تک پہنچنا، پہنچانا معقود علیہ ہوتا تھا۔ جملہ اوقاتِ نماز میں قافلہ روکنے کی شرط نہ مذکور ہوتی نہ معہود، حنفیوں کو معلوم تھا کہ یہ قافلے عصر و مغرب کے اوقات میں وقوف نہیں کرتے۔ مگر بالعموم انھیں اپنی پسند کا دوسرا ذریعۂ سفر میسر نہ تھا، اس لیے جان بوجھ کر انھی اونٹوں کا سفر اختیار کرتے۔ نہ مُستَاجِر یہ ضد کر سکتا تھا کہ میری نمازوں کے اوقات میں سارے بندے رکیں، نہ مُوجِر اور باقی شتربان اس کے پابند ہوتے کہ اپنا معروف طریقہ چھوڑ کر ہر نماز کے وقت رکیں۔ قانونِ اجارہ کی رُو سے ان شتربانوں پر عقد و عہد کی خلاف ورزی کا جرم بھی عائد نہیں ہوتا۔ اگر کوئی مجرم قرار دے گا تو اسی مستاجر کو جس

نے دانستہ ایسے قافلے میں سفر اختیار کیا جس میں اس کی نمازوں کے اوقات پر قافلہ ٹھہرانے کی کوئی رعایت نہیں۔

الغرض قافلۂ شتربانان، اجتماعی وقوف پر بخوبی قدرت کے باوجود اسے عمل میں نہ لاتا جس کے باعث حنفی کو استقرار علی الارض، اتحاد مکان اور دیگر ارکان معروفہ کے ساتھ عصر و مغرب کی ادائگی میسر نہ تھی، مگر اس رکاوٹ کی نسبت ان بندوں کی طرف نہ ہوئی اور نہ اسے منع من جہۃ العبد قرار دے کر اعادۂ نماز کا حکم ہوا۔

اب یہی حال ٹرینوں کا ہو چکا ہے لوگ برق رفتار ٹرینوں کا سفر منزل تک جلد پہنچنے کے لیے اختیار کرتے ہیں۔ اس کے لیے مقررہ کرایہ ادا کرتے ہیں، جو بعض ٹرینوں اور بعض کلاسوں میں بہت زیادہ ہوتا ہے۔ محکمۂ ریلوے بھی چاہتا ہے کہ مسافروں کو ان کی منزلوں تک جلد پہنچایا جائے اس لیے کہ اسی غرض سے وہ ہمیں کرایے کی رقم ادا کر رہے ہیں۔ کسی کو نماز یا دیگر ضروریات سے روکنا مقصود نہیں ہوتا۔ نہ وہ عقد اجارہ کی کسی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جیسے مسلسل شترانی سے شتربانوں کا مقصد حنفیوں کو نمازوں سے روکنا نہیں ہوتا تھا بلکہ اپنے مقررہ قاعدے کے مطابق منزل تک جلد پہنچانا ہوتا تھا اور حنفی مسافرین جان بوجھ کر ایسے قافلوں میں سفر کرتے تھے، تو اب ٹرینوں کے سفر میں بھی وہی حکم ہوگا جو اگلے زمانے میں اونٹوں پر سفر کا تھا۔ اب یہاں بھی اعادۂ نماز کا حکم نہیں۔ اس مسئلے کو سیمینار میں واضح کر دیا گیا اور فتاوی رضویہ کا مفہوم بھی عیاں کر دیا گیا۔ غور کیجیے کہ چلتے اونٹوں پر نماز پڑھنے میں شرط کے ساتھ کئی کئی فرض فوت ہوتے تھے پھر بھی بشمول امام احمد رضا قدس سرہ فقہاے احناف نے جواز بلا اعادہ کا حکم دیا مگر ان کی پیروی کرتے ہوئے مجلس شرعی نے عصر حاضر کی ٹرینوں پر جواز بلا اعادہ کا حکم دیا تو ہمارے مہربانوں نے نہ صرف یہ کہ "چلتی ٹرین" بلکہ "پوری ریلوے لائن" سر پر اٹھالی اور یہ مسئلہ دار الافتاؤں اور دانش گاہوں سے نکال کر سخت ہنگامہ خیز حالت میں بازاروں، ہوٹلوں اور سڑکوں پر کھڑا کر دیا۔ فإلی اللہ

المشتكى.

اب اگر کوئی یہ کہے کہ ریلوے نظام میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی، سو سال پہلے جو نظام تھا وہی آج بھی رائج ہے تو ریلوے نظام کا کوئی واقف کار اس دعوے پر اچھا تبصرہ کر سکتا ہے ہم تو سکوت ہی میں عافیت سمجھتے ہیں، الغرض اگر کوئی سمجھنے کے لیے آمادہ نہ ہو، یا سمجھ بوجھ کر نہ مانے تو منوا دینا نہ ہماری ذمہ داری ہے نہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی۔ مصرّف القلوب رب العزت جلّ جلالہ ہے، و بیدہ أزمّة الأمور۔

بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ جب آج کی برق رفتار ٹرینوں میں کُل یا بعض نمازوں کی شرعی ادائگی نہ ہونا بالکل یقینی ہے تو قصداً ان کا سفر اختیار کرنا جائز ہے یا سخت ناجائز و حرام؟ — ایسے سائلین کی کامل تفہیم و تشفی کی بھی فکر ہونی چاہیے۔

اونٹوں کے قافلے کا مسئلہ اور اس سے متعلق کتابوں کی عبارتیں مقالات اور بحثوں میں آچکی تھیں اور میں نے یہی سمجھا کہ یہ مسئلہ اہل علم میں معروف و مشہور ہے اس لیے کوئی عبارت نقل نہ کی۔ ماسبق میں جو تسلیم و اعتراف میں نے نقل کیا ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ نقلِ عبارات کا محتاج نہیں۔

میرے بیان کو بغور پڑھنے والا یہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ میں مطلقاً اور بلا عذر ہر چلتی سواری پر جواز فرض و واجب کا قائل نہیں کہ فتاوی رضویہ اور دیگر کتابوں کی وہ عبارتیں میرے خلاف حجت بنیں جن کا مضمون اور حاصل و مفاد کچھ اس طرح ہے کہ:

۱- آدمی اپنی سواری پر امن و بے خوفی کی حالت میں سفر کر رہا ہے، اونٹ یا گھوڑے یا دوسری سواری پر از خود سوار ہونے اور اترنے کی قدرت بھی رکھتا ہے، اترنے کے بعد بھی کسی دشمن یا درندے سے اسے کوئی خطرہ نہیں۔ راستہ پُر امن ہے۔ وہ تمام ارکان و شرائط کی پابندی کے ساتھ زمین پر قبلہ رُو ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے تو فرض و واجب کی ادائگی کے لیے اُس پر یہی لازم ہے کہ اتر کر بطریقِ معروف نماز ادا کرے۔ ایسا شخص اگر سواری پر فرض و واجب پڑھے تو نماز نہ ہوگی۔

۲- ہاں اگر عذر کی حالت ہے تو اس کا حکم الگ ہے۔ عذر اور خوف کے احوال و اقسام کے لحاظ سے اس کے احکام بھی تفصیلی ہیں۔ ان سب سے واقفیت کے لیے کتب فقہ کی مراجعت کافی ہے۔

حجاج کو جدہ سے مکۂ مکرمہ، مکۂ مکرمہ سے مدینۂ طیبہ کے سفر میں اور عام مسافروں کو دوسرے بہت سے اسفار میں بے قافلہ سفر بڑا پُر خطر تھا۔ اسی کا ذکر میں نے اپنے خطبے میں کیا ہے۔ ہر صاحب علم جانتا ہے کہ یہ سفر عذر اور خوف و خطر سے خالی نہ ہوتا۔ تو میں نے جس رخصت اور جواز بلا اعادہ کا ذکر کیا ہے وہ ایسے ہی قافلہ جاتی سفر سے متعلق ہے۔ نہ کہ ہر سفر دابّہ سے متعلق۔ اگر چہ وہ عذر اور خوف و خطر سے یکسر خالی ہو۔ ایسے عموم کا کوئی اشارہ و کنایہ بھی میرے کلام میں کسی مقام پر نہیں۔ بالفرض کسی کو کہیں ایسا خیال گزرتا ہے تو وہ میری اس تصریح سے اُس کا ازالہ کر لے۔ واللہ الموفّق لکل خیر.

مبحث سے متعلق کچھ عبارات فقہا

لو صلّى المكتوبة في البادية على الراحلة، والقافلة تسير، يجوز لأنه يخاف على نفسه وثيابه لو نزل، لأن القافلة لا ينتظرونه. (۱)

لو صلى المكتوبة في البادية على الراحلة، والقافلة تسير يجوز، لأنه يخاف على نفسه و ثيابه لو نزل، لأن القافلة لاتنتظره. (۲)

الفرض و الواجب بأنواعه لا تجوز على الدابّة من غير عذر لعدم لزوم الحرج في النزول، و من الأعذار أن يخاف اللص أو السبع على نفسه أو ماله أو لم يقف له رفقاؤه. (۳)

---

(۱) فتاوی تاتارخانیہ ۲/ص ۴۱۱
(۲) المحيط البرهاني في المذهب النعماني ۲/ ص ٥٦ ـ و عنه في الهندية
(۳) غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر – ج۱ ، ص ۲٥۲

المسافر إذا خاف اللصوص أو قطاع الطريق و لا ينتظره الرفقة جاز له تأخير الصلاة ؛ لأنه بعذر، و لو صلى بهذا العذر بالإيماء و هو يسير جاز. [۱]

ما عدا النوافل من الفرض والواجب بأنواعه لا يصح على الدابة إلا لضرورة، كخوف لص على نفسه أو دابّته أو ثيابه لو نزل، و خوف سبع و طين و نحوه. . . و الصلاة على المحمل الذي على الدابة كالصلاة عليها، فيؤمىء عليها بشرط إيقافها جهة القبلة إن أمكنه، و إلا فبقدر الإمكان، و إذا كانت تسير لا تجوز الصلاة عليها إذا قدر على إيقافها، و إلا بأن كان خوفه من عدوّ، يصلّي كيف قدر — كما في الإمداد وغيره – و لا إعادة عليه إذا قدر، بمنزلة المريض — خانيه – [۲]

امام احمد رضا قدّس سرہ (بأن كان خوفه من عدوّ) کے *تحت جدّ الممتار* *میں فرماتے ہیں*: "و من الأعذار ذهاب القافلة وانقطاعه عنها، كما مرّ في استقبال القبلة". [۳]

رد المحتار (مبحث استقبال القبلہ) میں ہے:

فكما تجوز له الصلاة على الدابة ولو كانت فرضا و تسقط عنه الأركان كذلك يسقط عنه التوجه إلى القبلة إذا لم يمكنه، و لا إعادة عليه إذا قدر. فيشترط في جميع ذلك عدم إمكان الاستقبال، و يشترط في الصلاة على الدابة إيقافها إن قدر، و إلا بأن خاف الضرر كأن تذهب القافلة و ينقطع فلا يلزمه إيقافها و لا استقبال القبلة كما

---

[۱] رد المحتار ۲/ ٤٦

[۲] رد المحتار ۲/ ٤٨٨

[۳] جد الممتار، ج۱/ ۳۳۲- اشاعت المجمع الاسلامی مبارك پور

في الخلاصة و أوضحه في شرح المنية الكبير و الحلية .[1]

کہا گیا کہ محکمہ ریلوے ٹرینوں کانظام الاوقات بنانے اور اوقات نماز میں ٹرینوں کو روکنے کے سلسلے میں خود مختار ہے مگراوقات نماز میں نہ روکنے کے باعث وہ مانع ہے اور یہ منع "من جهة العباد" ہے۔اس لیے اعادہ واجب ہے۔

اوّلاً یہی بات شتربانوں سے متعلق بھی کہی جاسکتی ہے کہ وہ ہر دس، پانچ میل کے بعدیاکم ازکم اوقات نماز میں اونٹوں کو روکنے کے سلسلے میں خود مختار ہیں، مگراوقات نماز میں نہ روکنے کے باعث وہ مانع ہیں اور یہ منع بھی "من جهة العباد" ہے اس لیے چلتے اونٹوں کی پشت پر نماز اداکرنے کے بعد اعادہ واجب ہے۔

اور یہ کہنا کہ " قافلہ کسی سوار کو اتر کر نماز پڑھنے سے مانع نہیں ہے۔ نمازی اگر چاہے تو اپنی سواری کو روک کر زمین پر اتر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔" یہ دعویٰ عقل اور عرف و عمل دونوں کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ قافلہ اونٹوں، ساربانوں اور سواروں کے مجموعہ ہی کا نام ہے۔ الگ سے اس کا کوئی وجود خارجی نہیں۔ جیسے حکومت یا محکمۂ ریلوے متعلقہ افراد کی خاص ہیأتِ اجتماعی ہی کا نام ہے۔جب قافلہ کے سارے شتربان اپنے اپنے اونٹوں کو چلاتے رہیں تو نمازی کے لیے اترناکیوں کر میسر ہو گا اور یہ کہنا کہ "ہر سوار یا خاص کوئی ایک نمازی اپنے اونٹ کو روک کر زمین پر اتر کر نماز پڑھ سکتا ہے"۔ یہ دعویٰ بھی محض دعویٰ ہے۔ جب شتربانوں سے اوقات نماز میں اونٹوں کو روکنے کی شرط نہ ہوئی اور مستاجر یعنی مسافر نے ان کے مقررہ دستور کو قبول کرتے ہوئے معاملہ طے کیا ہے، پھر یہ چلتے اونٹ کو نماز کے لیے رکوانا چاہتا ہے تو موجر یعنی شتربان اس کے مطالبے پر روکنے کا پابند نہیں اور مستاجر کا مطالبہ بھی عقد وعہد کی خلاف ورزی ہے۔ اس لیے یہ صورت مسافر کے بس میں اور اس کے لیے میسر مان لینا محض ایک مفروضہ یا امر اتفاقی ہے۔ امر اتفاقی یوں کہ کسی کا شتربان خلاف شرط وعہد محض رعایت

[1] رد المحتار ، مبحث استقبال القبله، ۲/ ۱۱۵

اور ہمدردی کے تحت اس بات پر راضی و آمادہ ہوجائے کہ وہ اپنا اونٹ روک دے، سوار اترجائے پھر شتربان اونٹ چلاتا رہے، سوار آگے بڑھ کر بعجلت نماز ادا کرلے پھر اور آگے بڑھ کر اونٹ کے پاس پہنچ جائے، پھر شتربان اپنے احسان اور رحم دلی کے تحت اونٹ بٹھاکر اس نمازی کو بٹھالے اور اپنے قافلے سے جاملے۔

یہ ایک نادر اور اتفاقی صورت ہے جس پر فقہانے بنائے حکم نہ رکھی، نہ یہ مبنائے حکم بننے کے قابل۔ ایسی نادر صورت تو بعض اوقات، بعض ٹرینوں میں، بعض مسافروں کے لیے بھی فرض کی جاسکتی ہے۔ مثلاً کسی اسٹیشن پر کسی ٹرین کا وقفہ صرف ایک دو منٹ ہے۔ کوئی شخص ایسا ہے جو چلتی ٹرین یا سلو (آہستہ) ٹرین سے اترنے اور اس پر چڑھنے کا مشّاق ہے وہ پچیس سکنڈ پہلے اتر گیا اور نماز پڑھ کر جب ٹرین روانہ ہوئی تو پچیس سکنڈ بعد سوار ہوگیا۔ مہارت کی وجہ سے پچاس سکنڈ زیادہ اسے میسر آگئے۔ کیا اس نادر صورت کی بنیاد پر کوئی فقیہ یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ یہ ایک منٹ وقفہ والی چلتی ٹرین شرط استقرار سے مانع نہیں۔ ٹرین چلتی رہے تو بھی مسافر اتر سکتا ہے، ٹرین ٹھہر جائے مسافر نہ اترے یہ بھی ہوسکتا ہے، بلکہ اکثر و بیشتر یہی ہوتا ہے کہ درمیان میں ٹرین رکتی ہے اور اکثر مسافرین نہیں اترتے۔ لہذا نماز کے لیے استقرار کے معاملے میں ٹرین کے وقوف وعدم وقوف کا کوئی دخل نہیں۔ یہ مسافر کا اپنا اختیاری فعل ہے۔ ہر شخص کہے گا کہ ایسی نادر صورتوں سے حکم عام نکالنا کوئی فقاہت نہیں۔

بہار شریعت حصہ ششم آداب سفر و مقدمات حج کے بیان میں ہے:

(۵۹) مکۂ معظّمہ سے جب مدینہ طیبہ کے لیے اونٹ کرایہ کریں تو ایک معلم کے جتنے حجاج ہیں وہ سب متفق ہوکر شرط کرلیں کہ نماز کے اوقات میں قافلہ ٹھہرانا ہوگا۔ اس صورت میں نماز جماعت کے ساتھ بآسانی ادا کرسکیں گے۔ جب یہ شرط ہوگی تو اونٹ والوں کو وقت نماز میں قافلہ روکنا پڑے گا۔

اور اگر شرط نہ کی تو صرف مغرب کے لیے قافلہ روکیں گے باقی نمازوں کے لیے

نہیں۔ اور اس صورت میں یہ کرے کہ نماز پڑھنے کے وقت اونٹ سے کچھ آگے نکل جائے اور نماز ادا کر کے پھر شامل ہو جائے۔ اور قافلہ سے دور نہ ہو کہ اکثر خطرہ ہوتا ہے۔

یہ اسی صورت نادرہ کا بیان ہے جو بہ نظر خیر خواہی ذکر ہوئی تا کہ اگر کوئی اس پر عمل کی راہ پیدا کر سکتا ہو تو عمل کر لے۔ یہ مطلب نہیں کہ چلتے اونٹ سے چھلانگ لگا کر اتر جائے پھر آگے جا کر چلتے اونٹ پر جست لگا کر سوار ہو جائے۔ نہ یہ مطلب ہے کہ ہر شخص کے لیے اونٹ رکوا کر اُتر لینا پھر اونٹ رکوا کر سوار ہو جانا میسر اور سہل ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو عقد اجارہ میں روکنے کی شرط نہ ہونے کے باوجود ہر شخص پر فرض ہوتا کہ اسی آسان صورت پر عمل کرے۔ اس کی دلیل خود بہار شریعت کی یہ عبارت ہے جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی "انورالبشارۃ فی مسائل الحج والزیارۃ" (۱۳۲۹ھ) سے منقول ہے:

(۶۰) سفر مدینہ طیبہ میں بعض مرتبہ قافلہ نہ ٹھہرنے کے باعث بہ مجبوری ظہر و عصر ملا کر پڑھنی ہوتی ہے۔ اس کے لیے لازم ہے کہ الخ۔

اگر سواری سے اترنا، پھر زمین پر نماز ادا کر کے سوار ہو جانا ایک آسان عمل ہے تو مجبوری کیسی؟ اور اپنے مذہب کے مطابق آسان عمل کو چھوڑ کر مذہب غیر پر عمل کی اجازت چہ معنی؟

فتاویٰ رضویہ کی فیصلہ کن عبارت دیکھیے۔ فرماتے ہیں:

"جس قافلے میں یہ فقیر ۱۲۹۵ھ میں اپنے رب کے دربار سے اس کے حبیب کی سرکار میں حاضر ہوتا تھا۔ جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ قافلہ بعد زوال ظہر و عصر پڑھ کر رواں ہوتا اور وقت مغرب خفیف قیام کرتا کہ لوگ مغرب و عشا کے فرض و وتر پڑھ لیتے۔ شافعیہ اپنے مذہب پر ایسا کرتے اور حنفیہ بہ ضرورت تقلید غیر پر عامل ہوتے کہ بحال ضرورت۔ ان شرائط پر کہ فقہ میں مفصل ہیں۔ ایسا روا ہے۔

مگر یہ فقیر بحمد اللہ اپنے امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابقِ مذہب ہر نماز خاص اس کے وقت

مقرر ہی میں پڑھتا جس کی تعیین اللہ ورسول (جلّ وعلا۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے فرمادی ہے۔ مجھے عصر وعشا کے لیے اترنا پڑتا، قافلہ دور نکل جاتا، میں جلدی کرکے مل جاتا۔

قضاے حاجت کے لیے بھی لوگ اس خیال سے کہ قافلہ بعید نہ ہوجائے نزدیک ہی بیٹھ جاتے ہیں۔ مجھے یہ پسند نہ آتا اور دور کسی پیڑ یا پہاڑ کی آڑ میں جاتا، اس میں بھی قافلہ دور نکل جاتا۔ دن کی تنہائیوں اور رات کی اندھیریوں میں بارہا بدوی ملے، وہ مسلح تھے اور میں نہتّا، مگر کبھی سوا "السلام علیکم وعلیکم السلام، مسّاکم اللہ بالخیر والسعادة، صبّحکم اللہ بالرضاء و النعیم" کے اصلاً کسی نے کوئی تعرض نہ کیا۔ وللہ الحمد۔ [۱]

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت قدس سرہ نے یہ خاص اپنا معمول ذکر کیا، دوسروں کے لیے اسے واجب یا آسان نہ بتایا، بلکہ ان کے لیے ضرورت اور مجبوری تسلیم کرتے ہوئے مذہب غیر اور تقلید غیر پر عمل روا رکھا۔ حقیقت یہی ہے کہ نادر صورتوں کا نہ اعتبار ہوتا ہے نہ ان پر فقہ کے قواعد واحکام عامہ کی بنا ہوتی ہے۔

ثانیاً محکمہ ریلوے نے نان اسٹاپ ٹرین کا اعلان کردیا، جلد منزل تک پہنچنے کے پیش نظر ساٹھ دن پہلے ہی مسلم وغیر مسلم مسافروں نے کرایہ دے کر ٹکٹ حاصل کرلیے، اور بعض نے وقت سفر سے ایک دن پہلے مقررہ زائد کرایہ دے کر ٹکٹ حاصل کیا۔ عقد میں مشروط اور عمل میں معہود یہی ہے کہ ٹرین کو مقررہ مسافت کے درمیان ناگہانی آفت وحاجت کے بغیر کہیں رُکنا نہیں ہے۔ اگر محکمہ اپنے اعلان، اپنے عقد اور عہد کے برخلاف ہر نماز کے وقت ٹرین روکتا چلے تو غیر مسلموں کو سخت اعتراض ہوگا اور نوبت زبردست احتجاج اور فتنہ وفساد تک پہنچ سکتی ہے۔ یوں ہی اگر محکمہ ٹرین تو سارے مسافروں کے لیے چلائے اور کرایہ بھی سب سے یکساں وصول کرے اور وقفات نماز میں خاص مسلمانوں کی رعایت کرے تو غیر مسلموں کو اعتراض ہوگا اور بعض

---

(۱) جلد چهارم، ص:٦٧٢، سنی دارالاشاعت مبارك پور

متعصب اور سخت گیر افراد اسے کسی بڑے فتنہ وفساد کا ذریعہ بھی بنا سکتے ہیں۔

ہاں! اگر مسلمان اپنے لیے کوئی ٹرین خاص کرالیں اور اس میں اوقات نماز میں ٹرین روکنا مشروط و منظور ہو، پھر اگر محکمہ ان اوقات میں ٹرین نہ روکے تو وہ نماز سے مانع، عہد و عقد کی خلاف ورزی اور سخت ظلم وزیادتی کا مرتکب ہے۔ مسلم نے مجبوراً اس پر نماز ادا کرلی تو بعد استقرار اعادہ ضروری ہے۔ مگر مروجہ صورت میں عقد و عہد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اوقات نماز میں ٹرینوں کو روکنا اجارہ کے فقہی اور ملکی دونوں قانون کے لحاظ سے محکمہ کے اختیار میں نہ رہا۔

اس لیے فتاویٰ رضویہ کی عبارت سے متعلق مانعین کے بیان کردہ مفہوم موافق ومخالف کو مان کر بھی کہا جاسکتا ہے کہ مشروط ومعہود اور عاقدین کے لیے منظور و مقبول حالات کے تحت خلاف عقد و عہد ٹرینوں کو روکنا فتنہ وفساد کا باعث اور محکمہ کے اختیار سے باہر ہے۔ اس لیے نہ یہاں منع "من جهة العبد" ثابت، نہ اعادۂ نماز کا حکم نافذ۔

جیسے زمانہ سابق میں رائج شتربانی دستور کے تحت سفر کرنے والوں پر چلتی سواریوں پر نماز پڑھنے کے بعد اعادہ واجب نہیں اور جب عقد اجارہ میں ہر نماز کے وقت روکنے کی شرط نہ ہوئی تو ان پر روکنا لازم بھی نہیں، نہ وہ اس کے سبب نماز سے مانع۔ ہاں! اگر ان سے معاملہ یوں طے ہو جائے کہ ہر نماز کے وقت قافلہ روکنا ہے، پھر وہ نہ روکیں تو ضرور وہ نماز کی شرط استقرار سے مانع ہیں۔ اور بہ مجبوری کسی نے چلتی سواری پر نماز ادا کی تو بعد استقرار اس پر اعادہ بھی واجب ہے۔

خیال رہے کہ بحث یہ نہیں کہ حکومت اور وزارت ریلوے کے اختیار میں کیا ہے، کیا نہیں ہے؟ یہ ایک الگ موضوع ہے جس پر لمبی گفتگو ہو سکتی ہے۔ بحث صرف یہ ہے کہ حکومت کے اعلان کردہ جس نظام اوقات اور اجرت کو قبول کر کے مسلم وغیر مسلم سبھی مسافرین سفر کر رہے ہیں اس کی خلاف ورزی اب حکومت یا محکمے کے اختیار میں رہ

گئی یا نہیں؟

ایک عام ہندوستانی بھی اسے اچھی طرح سمجھتا ہے کہ حکومت زور وشور کے ساتھ ایک معاملے کا اعلان کرے اور اس کے مطابق اجرت بھی اپنے خزانے میں ڈال لے مگر جب عمل کی باری آئے تو اس کے خلاف چلے۔ ایسی صورت میں سخت احتجاج اور زبردست فتنہ وفساد یقینی ہے جسے جھیلنے کی قوت کسی بھی امن پسند حکومت کے جسم میں نہیں ہے۔

واضح رہے کہ زیر بحث سفر اونٹوں کا ہو یا ٹرین کا، مسافر اسے اپنے قصد واختیار سے اپناتا ہے اور ایک خاص عقد کے تحت انجام پاتا ہے۔ اس میں وہ نہ اس قیدی کی طرح ہے جس کا تصرف واختیار دوسرے نے سلب کر رکھا ہے۔ نہ اس ریل سوار کی طرح ہے جس کے کوچ کا دروازہ کسی دوسرے نے بند کر رکھا ہے اور اس کلاس میں پانی نہیں۔ مسافر نہ کسی طرف سے نکلنے پر قادر، نہ پانی حاصل کرنے پر قادر۔ اس لیے مذکورہ قیدی اور مسافر دونوں کو تیمم سے ادائے نماز کے بعد قدرت واختیار کی حالت میں آنے پر اعادہ بھی واجب ہے کیوں کہ دونوں صورتوں میں دوسرے کسی بندے کی طرف سے رکاوٹ صاف موجود ہے۔

اسی طرح ٹرین یا اونٹ کا مسافر مذکور اس شخص کی طرح بھی نہیں جو کسی ایسے کوئیں کے پاس لائن میں کھڑا ہے جہاں ایک ہی ڈول رسی ہے، لوگ باری باری پانی لے رہے ہیں اور یہ شخص دیکھ رہا ہے کہ میری باری آنے تک نماز کا وقت نکل جائے گا۔

نہ اس شخص کی طرح ہے جو ایسے برہنہ لوگوں کی جماعت میں ہے جن کے پاس ایک ہی کپڑا ہے اور اسی کو باری باری پہن کر نماز پڑھنا ہے اور یہ شخص جانتا ہے کہ میری باری آنے تک نماز کا وقت نکل جائے گا۔

نہ اس شخص کی طرح ہے جو ایسی تنگ کشتی یا کوٹھری میں ہے جہاں رکوع یا سجود یا قیام کی گنجائش نہیں، ان تینوں قسم کے افراد کے لیے منع نہیں۔ مگر صورت منع "من

جهة العبد "ہے اس لیے وقت کے اندر جیسے ہوسکے نماز ادا کرلیں بعد میں اعادہ کریں۔ کما فی الظفر لقول زفر للامام احمد رضا قدّس سرّہ.

ٹرین یا اونٹ کے مسافر کو ایسے مسلوب الاختیار افراد کی صف میں لانا صورت واقعہ سے کسی طرح مطابقت نہیں رکھتا اخلاص، انصاف اور فقہ وفقاہت کے تقاضوں کو کام میں لانے کی ضرورت ہے۔ واللہ الموفق

مجلس شرعی کے سیمینار میں شریک ستّر سے زائد علماوفقہانے جب خود فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں آج کی چلتی ٹرینوں پر فرض وواجب نمازوں کے جواز کا حکم سنادیا تو بعض کرم فرماؤں کا غضب اس حد تک جوش زن ہوا کہ تمام مجوّزین کو نا قابل امامت گمراہوں کے حکم میں داخل کردیا۔ ایک فرعی مسئلے پر ایسا سخت حکم کسی سنجیدہ و ذی علم سنّی کی سمجھ میں آنے والا نہ تھا اس لیے کسی دلیل کی جستجو ہوئی، بعد تلاش بسیار دو دعوے کیے گئے:

(۱) فرض نماز کے لیے "استقرار علی الارض "کی شرط اجماعی ہے۔

(۲) جو حکم کسی امر اجماعی پر متفرع ہو وہ بھی اجماعی ہوتا ہے۔

دوسرے دعوے کے ثبوت میں کوئی عبارت برائے نام بھی نہ دی گئی، پہلے دعوے کے ثبوت میں امام نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہ عبارت پیش کی گئی:

فيه دليل على أن المكتوبة لا تجوز إلى غير القبلة ولا على الدابة، وهذا مجمع عليه إلّا في شدة الخوف.[1]

"اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ فرض نماز غیر قبلہ کی جانب اور دابہ (سواری کے جانور) پر جائز نہیں۔ یہ امر اجماعی ہے، مگر شدت خوف میں"۔

یہ امام نووی علیہ الرحمۃ کی عبارت کا ایک ٹکڑا ہے اس سے متّصلاً بعد کی پوری عبارت نظر انداز کردی گئی، مگر راقم پوری عبارت مع ترجمہ آگے ذکر کرے گا۔ پہلے عبارت مسطورہ پر کلام ملاحظہ ہو:

(۱) شرح نووی بر صحیح مسلم ، ج:اول،ص: ۲٤٤

اولاً یہ عبارت غیر حالت عذر سے متعلق ہے جس کی دلیل "إلّا فی شدّة الخوف" کی صراحت ہے۔ ہماری ساری بحث حالت عذر سے متعلق ہے، اس لیے اصل مبحث سے یہ عبارت بالکل بے تعلق ہے۔ اور یہ کسی طرح ہمارے خلاف حجت نہیں۔ ہم نے کب یہ کہا کہ بلا عذر کسی چلتی سواری پر فرض نماز صحیح ہے؟

ثانیاً اگر اس عبارت کو زبردستی حالت عذر پر بھی منطبق کریں تو اجماع مذکور، نص قرآنی "فَاِنۡ خِفۡتُمۡ فَرِجَالًا اَوۡ رُكۡبَانًا" کے خلاف ہوگا۔ احادیث اور فقہا کی صراحت بھی اس کے خلاف ہے۔ خود فقہاے حنفیہ اور امام احمد رضا قدس سرہ کی عبارتوں سے بحالت عذر چلتے اونٹوں پر نماز فرض کا جواز بے احتیاجِ اعادہ ثابت ہے۔ خود مانعین بھی اس کے قائل ہیں۔ کیا یہ سب حضرات بشمول جملہ مانعین اجماع کے مخالف اور ناقابل امامت ہیں؟ اگر ایسا ہے تو پورے زور و شور کے ساتھ اس کا بھی اعلان کر دیں پھر دیکھ لیں کہ انجام کیا ہوتا ہے۔

ثالثاً امام نووی کی عبارت بالا میں "استقرار علی الارض" کے شرط ہونے کا کوئی ذکر بھی نہیں۔ شرط اجماعی ہونے کی صراحت تو بہت بعد کی چیز ہے۔

رابعاً امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی درج ذیل عبارت ملاحظہ کریں جس میں تخت رواں پر استقبال قبلہ اور اتمام ارکان کے ساتھ ادا شدہ فرض نماز کے صحیح و درست ہونے کی صراحت فرمائی ہے۔ اور اس سے تخت رواں کے مثل چلتی ٹرین پر ان کے نزدیک صحت نماز کا حکم بالکل واضح اور روشن ہے۔

کیا انھیں اپنا مذہب اور موقف بھی یاد نہ رہا، یا انھوں نے اپنا کلام بھی نہ سمجھا اور شرط اجماعی کے برخلاف تخت رواں پر نماز جائز و صحیح لکھ دی؟ اور کیا وہ بھی مانعین کے بیان کردہ اس قاعدۂ کلیہ سے بے خبر تھے کہ "حکم اجماعی پر متفرع امر بھی اجماعی ہوتا ہے"؟

عبارت یہ ہے:

وتصح الفريضة فی السفينة الواقفة والجارية والزورق

المشدود بطرف الساحل بلاخلاف إذا استقبل القبلةَ و أتم ألأركان، فإن صلّى كذلك فى سرير يحمله رجال أو أُرْجُوحةٍ مشدودةٍ بالحبال... ففى صحة فريضته وجهان، الأصح: الصحة كالسفينة، و به قطع القاضى أبوالطيب. فقال فى "باب موقف الإمام و المأموم" قال أصحابنا: لوكان يصلّي على سرير فحمله رجال و ساروا به صحت صلاتُه. [1]

(ترجمہ) ٹھہری ہوئی اور چلتی ہوئی کشتی پر اور ساحل سے بندھی ہوئی چھوٹی کشتی پر فرض نماز بغیر کسی اختلاف کے صحیح ہے بشرطے کہ استقبالِ قبلہ اور اتمامِ ارکان ہو اگر اس طرح (یعنی بہ استقبال قبلہ واتمام ارکان) کسی ایسے تخت پر نماز ادا کی جسے چند آدمی اٹھائے ہوئے ہیں۔ یا ایسے جھولے پر جو رسیوں سے بندھا ہوا ہے تو اس کے فرض کی صحت سے متعلق دو وجہیں (دو قول) ہیں۔ اصح یہ ہے کہ کشتی کی طرح اس پر بھی فرض نماز صحیح ہے۔ قاضی ابو الطیب نے اسی پر جزم فرمایا۔ انھوں نے " باب موقف الامام والماموم " میں لکھا: ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ اگر کسی تخت پر نماز پڑھ رہا تھا کہ اسے کچھ لوگوں نے اٹھایا اور لے کر چلتے رہے تو اس کی نماز صحیح ہے "۔

مانعین کو اعتراف ہے کہ ٹھہری ہوئی ٹرین تخت کے مثل ہے تو چلتی ہوئی ٹرین تختِ رواں کے مثل ضرور ہے۔ اور مذہب شافعیہ میں تختِ رواں پر نماز صحیح ہے جب کہ استقبال قبلہ اور قیام و رکوع و سجود کی تکمیل ہو جاتی ہو، تو ان کے نزدیک چلتی ہوئی ٹرین پر بصورت مذکورہ صحت نماز میں کلام نہیں۔ معلوم نہیں وہ بھی اپنے ذکر کردہ اجماع کی مخالفت کے مرتکب ہوئے یا اس سخت جرم کا الزام رکھنے کے لیے صرف آج کے سنیوں حنفیوں کا سر خاص کر لیا گیا ہے؟

---

(۱) المجموع شرح المهذب ، باب استقبال القبلة، ص:۲۱٤، الجزء الثالث، دارالفكر، بيروت، لبنان

علاوہ ازیں خود شرح مسلم میں امام نووی کی پوری عبارت (جو مانعین کی منقولہ عبارت سے بالکل متّصل ہے) پر غور کرتے تو اسی سے واضح ہو جاتا کہ ان کی عبارت "وهذا مجمع عليه" میں "هذا" کا مشار الیہ "استقرار على الأرض" نہیں۔ صحیح مسلم "باب جواز صلاة النافله على الدابة فى السفر حيث توجّهت" میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ حدیث مروی ہے:

إن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يصلّي سبحته حيث ما توجهت به ناقته.

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سواری پر نفل نماز ادا فرماتے ناقۂ مبارک کا رخ جدھر بھی ہو۔

اس معنی کی اور بھی حدیثیں ہیں۔ ان کے تحت پہلے امام نووی نے سفر میں چلتی سواری پر بے استقبال قبلہ ادائے نفل کا جواز باجماع مسلمین بتایا ہے، پھر اپنے مذہب کے مطابق اس رخصت کی شرطیں لکھی ہیں۔ حدیث سے مستنبط ہوا تو صرف یہ کہ نفل نماز کے لیے "استقبال قبلہ" اور "استقرار على الارض" شرط نہیں۔ پھر امام نووی نے اس پر اجماع مسلمین بتایا۔

اس کے بعد امام نووی کی پوری عبارت یہ ہے:

وفيه دليل على أن المكتوبة لاتجوز إلى غير القبلة ولا على الدابة، وهذامجمع عليه إلا فى شدة الخوف، فلو أمكنه استقبال القبلة والقيام والركوع والسجود على الدابة واقفة عليها هودج أونحوه، جازت الفريضة على الصحيح فى مذهبنا، فان كانت سائرة لم تصح على الصحيح المنصوص للشافعي، وقيل: تصح كالسفينة، فإنها تصح فيها الفريضة بالإجماع۔

ولوكان في ركب وخاف لونزل للفريضة انقطع عنهم ولحقه

الضرر. قال أصحابنا: يصلي الفريضة على الدابة بحسب الإمكان، وتلزمه إعادتها، لأنه عذر نادر.[۱]

(ترجمہ) اور اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ فرض نماز غیر قبلہ کی جانب اور سواری پر جائز نہیں۔ اس پر اجماع ہو چکا ہے، مگر شدت خوف میں (جواز ہے)

تو اگر سواری کا جانور ٹھہرا ہوا ہو اس پر محمل یا اس طرح کا کچھ رکھا ہوا ہو کہ اس پر استقبال قبلہ، قیام، رکوع، سجود سب ہو سکے تو ایسی صورت میں ہمارے مذہب کے قول صحیح پر فرض نماز اس پر جائز ہے۔

اور اگر جانور رواں ہو تو امام شافعی کے نص کردہ قول صحیح پر فرض نماز اس پر جائز نہیں۔

اور اگر سواروں کے قافلے میں ہو اور فرض کے لیے اترنے کی صورت میں اسے قافلے سے جدا ہونے اور ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ فرض نماز جیسے ہو سکے جانور پر ادا کر لے اور اس کا اعادہ اس پر لازم ہے اس لیے کہ یہ ایک نادر عذر ہے"۔

اس عبارت سے مذہب شافعیہ کے کئی جزئیات معلوم ہوئے خصوصًا یہ کہ:

اگر جانور ٹھہرا ہوا ہے اور اس پر محمل وغیرہ ایسا رکھا ہے کہ نمازی اس پر کھڑے ہو کر رکوع و سجود استقبال قبلہ کے ساتھ نماز ادا کر لیتا ہے تو یہ نماز مذہب امام شافعی کے قول صحیح پر جائز ہے جب کہ اس صورت میں استقرار علی الدابہ ہوا، "استقرار علی الارض" ہرگز نہ ہوا ورنہ حنفیہ عدم جواز کے قائل نہ ہوتے، پھر امام نووی کی عبارتِ ماقبل سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ "استقرار علی الارض" شرط اجماعی ہے؟ کیا وہ خود اپنا مذہب اور اس پر متفرع دوسرا حکم بھی نہ سمجھ سکے اور آج کے حنفیوں کو اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آگیا؟؟

[۱] المنهاج للإمام النووي شرح صحيح مسلم، ج:۱،ص: ٢٤٤، ٢٤٥

میں یہ بھی صراحت کردوں کہ ٹرینوں کا نظام اور ان پر نمازوں کے جواز یا عدم جواز کا مسئلہ قرآن و حدیث کا کوئی منصوص مسئلہ نہیں، ایک نیا اور فرعی مسئلہ ہے جس میں اگر کوئی فریق دلیل کی تطبیق و تفہیم میں خطا کر جائے تو اسے گمراہ یا فاسق ٹھہرانا روا نہیں۔

اسی لیے حضرت محدّث سورتی علیہ الرحمۃ یا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس مسئلے کی بنیاد پر اپنے دور کے ان لوگوں کو فاسق یا گمراہ نہ کہا جو چلتی ٹرین پر نماز کے جواز بلا اعادہ کے قائل تھے۔ **مگر آج کل اسی فرعی مسئلے کی بنیاد پر بعض لوگوں نے تفسیق و تضلیل کی مہم جاری کر رکھی ہے۔** فیا للعجب! خیر یہ تو ایک نیا مسئلہ ہے، سجدۂ تعظیمی کی حرمت تو ایسا قدیم اور مستحکم مسئلہ ہے کہ امام اہل سنت علیہ الرحمۃ نے "الزبدة الزكية في تحريم سجود التحية" میں اس پر آیات و تفاسیر کے علاوہ چالیس حدیثیں اور ڈیڑھ سو فقہی نصوص پیش کیے ہیں، چاروں مذاہب کے ائمہ کا اس پر اجماع بتایا ہے مگر سرکار مفتی اعظم قدس سرہ نے صراحت فرمائی ہے کہ مخالفین حرمت کی پیروی میں سجدۂ تعظیمی کا ارتکاب کرنے والوں پر حکم تفسیق نہیں۔ دیکھیے فتاویٰ مصطفویہ ص ۴۵۶، اور فقہ حنفی میں حالات زمانہ کی رعایت ص ۱۱، ۱۲۔

کیا سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے محض اندھیرے میں تیر چلایا ہے؟ اور مرتکبین سجدۂ تعظیمی کی ناروا رعایت سے کام لیا ہے؟ ہر گز نہیں۔ واللہ ان کی یہ شان نہیں۔

یہ شان ہمارے کرم فرماؤں کی ہے جنھوں نے آج کے نو پیدا فرعی مسئلہ چلتی ٹرین پر نماز سے متعلق جواز بلا اعادہ کے قائلین کو فسق و ضلال تک پہنچانے کی جسارت کی ہے اور ان کے پیچھے نماز کی ادائگی ناجائز لکھی ہے۔ نہ خدا کا خوف، نہ رسول سے حیا، نہ مرشد سے شرم، نہ مرشد کے مرشد کا پاس و لحاظ۔ فتویٰ نویسی کا نہ کوئی ضابطہ رہا نہ اصول، ایک فرعی مسئلے کو حسام الحرمین کا درجہ دے کر ملک بھر سے دستخطوں کا انبار جمع کر کے عصر حاضر کا "الصوارم الہندیہ" بنا کر شائع کر دیا۔ اور بزعم خویش نغمہ زن ہیں کہ شادم از

زندگی خویش کہ کارے کردم۔

اپنے ہی بھائی ہیں اس لیے دعا کرتا ہوں کہ ربّ کریم انھیں فقاہت وبصیرت عطا کرے اور سرکار مفتی اعظم قدس سرّہ اور امام اہل سنت قدس سرّہ کی پیروی نصیب فرمائے۔

یہ تو ہمارے دور کی بات ہے: مفتی اعظم قدس سرہ اور جمہور علماے اہل سنت لاؤڈ اسپیکر پر نماز کی اقتدا ناجائز کہتے تھے۔ میں بھی اسی کا قائل ہوں۔ مفتی سید افضل حسین مونگیری صدر المدرسین جامعہ منظر اسلام بریلی شریف اور مفتی محمد جہانگیر اعظمی استاذ منظر اسلام جواز کے قائل تھے۔ مفتی افضل حسین علیہ الرحمۃ نے اس موضوع پر کتاب بھی لکھ کر شائع کی مگر مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے ان حضرات یا ان کے متبعین پر نہ حکم فسق عائد کیا نہ بریلی کے سنی مسلمانوں کو ان کی اقتدا سے روکا، نہ اپنی اجازت وخلافت سے محروم کیا۔ کیا ہمارے کرم فرماؤں کی فقاہت یا دینی حمیت یا پرہیز گاری اور تقوی سرکار مفتی اعظم قدّس سرّہ سے فزوں تر ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں، بلکہ معاملہ برعکس ہے۔

ان معروضات کے بعد مجھے الجامعۃ الاشرفیہ کے دینی تصلب، فروغ سنیت میں اس کے نمایاں کردار اور رضویات کے باب میں اس کی روشن خدمات کا ذکر کرنا تھا اور یہ بتانا تھا کہ آج بھی اشرفیہ کے قادری، چشتی، نقشبندی، برکاتی، رضوی، اشرفی، رشیدی (وغیرہ) فرزندوں اور غلاموں میں وہی جذبات موج زن ہیں جو کل تھے، مختلف بلاد و ممالک میں آج بھی وہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اور اکابر اہل سنت کا نام روشن کر رہے ہیں اور پوری قوت کے ساتھ آج بھی وہ ہر باطل سے نبرد آزما ہیں۔

اس کا ایک نمونہ یہ جامعہ قادریہ پونہ بھی ہے جس کے زیر اہتمام آج ہم یہاں جمع ہیں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ ان کرم فرماؤں کی پیہم یورشیں بھی ان شاء اللہ ارکانِ اشرفیہ اور ابناے اشرفیہ کو بدمذہبوں اور بے دینوں کی دسیسہ کاریوں سے اہل سنت کو بچانے اور اشاعت مسلک حق کی راہ میں اپنی ساری توانائیوں کے ساتھ سرگرم سفر

رہنے سے غافل نہیں کر سکتیں، و هو المستعان و عليه التكلان۔

اشرفیہ کی خدمات کا موضوع ایک مستقل مضمون بلکہ ایک ضخیم کتاب کا متقاضی ہے اس لیے یہ کام کسی جواں سال عزیز کے لیے چھوڑ تا ہوں۔ خدا نے چاہا تو کوئی فرزند اس موضوع کو اپنے شاداب قلم سے سیراب کر کے دنیا کی نگاہوں کو آسودہ کرے گا۔

والتوفيق بيد المولى الكريم العزيز - منه البداية و إليه النهاية۔

حضرات! یہ عیسوی سال رواں اور ہجری سال ماضی و حال اہل سنت کے لیے "عام الحزن" کی شکل اختیار کر گیا۔ ہماری کئی عظیم ہستیاں صرف دو ماہ کے عرصے میں ہم سے پے بہ پے روپوش ہو گئیں۔ میں یہاں صرف چار ناموں پر اکتفا کرتا ہوں۔

۱ اجمل العلما مفتی محمد اجمل شاہ سنبھلی مرادآبادی کے شاگرد **مفتی محمد اشفاق حسین نعیمی سنبھلی مرادآبادی** مفتی اعظم راجستھان، سربراہ اعلیٰ دار العلوم اسحاقیہ جودھ پور۔

تاریخ رحلت: ۹/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ / ۱۵/ اکتوبر ۲۰۱۳ء - سہ شنبہ۔

۲ امام علم و فن علامہ **خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی** شاگرد ملک العلما علامہ ظفر الدین رضوی بہاری، شیخ الحدیث دار العلوم نور الحق چرّا محمد پور فیض آباد۔

تاریخ رحلت: ۱۴/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ / ۲۰/ اکتوبر ۲۰۱۳ء - یک شنبہ۔

۳ شہزادۂ سید العلما **حضرت سید شاہ آل رسول حسنین میاں نظمی** سجادہ نشین سرکار عالیہ مارہرہ شریف مقیم عروس البلاد ممبئی۔

تاریخ رحلت: یکم محرم الحرام ۱۴۳۵ھ / ۶/ نومبر ۲۰۱۳ء - چہار شنبہ۔

۴ حضرت **مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی۔** میرے عزیز اور ہم وطن۔ استاذ مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ۔

تاریخ رحلت: ۴/ محرم ۱۴۳۵ھ / ۹/ نومبر ۲۰۱۳ء - شنبہ۔

یہ سبھی حضرات جامعہ اشرفیہ اور مجلس شرعی کے ہمدرد اور کرم فرما تھے ان کے

تعارف اور خدمات پر ماہنامہ اشرفیہ میں مضامین آچکے ہیں اور کچھ آنے والے ہیں۔ ربّ کریم ان کی خدمات جلیلہ کو شرف قبول سے نوازے، ان کے درجات بلند فرمائے۔ اور پس ماندگان کو صبر جمیل واجر جزیل عطا فرمائے۔

حضرات! مجھے احساس ہے کہ میں نے آپ کا وقت زیادہ لے لیا۔ اب آپ کو آج کے موضوع مذاکرہ کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ میں نے کئی مقالات کا مطالعہ کرلیا ہے اور تلخیصات تو سبھی پڑھ لی ہیں۔ مسائل کی صعوبت اور رایوں میں اختلاف نمایاں ہے مگر میں آپ سبھی حضرات کی خدمات میں ہدیۂ تحسین پیش کرتا ہوں کہ آپ نے چھان بین کی، کتابوں کی مراجعت فرمائی اور اپنے اپنے موقف کو حسبِ وسعت دلائل سے آراستہ کیا۔ فیصلہ جو بھی ہو مگر آپ کی کاوشیں رائگاں جانے والی نہیں۔ ان علمی کاوشوں کا اجران شاء المولیٰ تعالیٰ ضرور ملے گا۔ فیصلہ بھی آپ ہی کو کرنا ہے اور پوری بالغ نظری، متانت وسنجیدگی، خلوص وللّٰہیت اور قوّتِ دلیل کے ساتھ کرنا ہے۔ ربّ کریم وجلیل سب کے سینے کشادہ فرمائے اور ہم سب کو ہر مسئلے میں روے حق وصواب سے شاد کام فرمائے۔ و ما ذلك عليه بعزيز۔

آخر میں یہ بھی عرض کردوں کہ ہمارے بلند ہمت اور باسعادت منتظمین آپ کی راحت وضیافت اور خاطر داری کی حتی المقدور کوشش کررہے ہیں اور آپ کے قیام تک مصروف عمل رہیں گے، مگر نئے تجربہ کار ہیں اس لیے اگر کوئی فروگذاشت ہو تو انھیں اور ہمیں اپنی عالی ظرفی سے معاف فرمائیں اور بروقت جو مناسب ہدایت ورہنمائی ہوسکتی ہو اس سے ہماری دستگیری فرمائیں اور جملہ معاونین کو اپنی مخلصانہ دعاؤں سے نوازیں۔ و السلام و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العلمين و الصلاة و السلام على سيد المرسلين خاتم النبيين و على آله و صحبه و مجتهدی شرعه و مجاهدی دينه و علماء أمته و متبعی سنته أجمعين.

مجلس شرعی کے بائیسویں فقہی سیمینار کا خطبۂ صدارت

منعقدہ بتاریخ: ۱۵/۱۶/۱۷ صفر ۱۴۳۶ھ مطابق ۹/۱۰/۱۱ دسمبر ۲۰۱۴ء

بمقام: شارح بخاری دارالافتا، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ حَامِدًا وَّ مُصَلِّیًا وَ مُسَلِّمًا

ہماری خوش قسمتی ہے کہ کئی برسوں کے بعد مجلس شرعی کا سیمینار مبارک پور کی سر زمین پر اور جامعہ اشرفیہ کے احاطے میں منعقد ہو رہا ہے۔ اس سے پہلے آپ کو پونے، علی گڑھ، بھیونڈی، بمبئی وغیرہ کے اسفار کی زحمت دی جا چکی ہے۔ بعونہ تعالیٰ آپ حضرات کی محنتوں سے ہمارا علمی وفقہی کارواں کامیابیوں سے ہم کنار ہوتا رہا، جس پر تمام شرکاے سفر بجا طور سے تحسین و مبارک باد کے مستحق ہیں، خواہ وہ آج ہم میں موجود ہوں یا دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں۔ جزاهم الله تعالى خير ما يجزى به العلماء المخلصين العاملين في سبيل الدين والعلم.

بڑی مسرت ہے کہ اکیسویں سیمینار کے علاوہ باقی بیس سیمیناروں کے فیصلوں کا مجموعہ چند ماہ پہلے منظر عام پر آ چکا ہے۔ بلا شبہ یہ علما و مفتیان کرام اور طالبان احکام شرعیہ کے لیے ایک بیش بہا ذخیرہ اور مجلس شرعی کے مندوبین کرام کی بیس سالہ کاوشوں کا خوش نما گل دستہ ہے جس سے إن شاء الله المولىٰ تعالىٰ دین داروں اور علم دوستوں کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی ہوں گی۔ اس اہم علمی وفقہی پیش کش پر حضرت مرتب مفتی محمد نظام الدین رضوی اور ان کے تمام رفقا و معاونین نیز جملہ شرکا و مندوبین کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ مولیٰ تعالیٰ ان سبھی کرم فرماؤں کی کاوشیں مقبول و مشکور فرمائے۔ امید ہے کہ باقی ماندہ سابقہ اور آئندہ فیصلوں کا

مجموعہ بھی اسی طرح یا اس سے زیادہ شان و شوکت کے ساتھ فردوس نظر ہوتا رہے گا۔ اور مقالات و تلخیصات پر مشتمل صحیفۂ مجلس شرعی کی جلدیں بھی اشاعت پذیر ہوں گی۔

و الله الموفق و بيده الخير.

حضرات مندوبین کرام! بائیسویں فقہی سیمینار میں آپ کی شرکت پر میں آپ کا پر جوش خیر مقدم کرتا ہوں۔ تشریف آوری سے قبل آپ نے مجلس کو اپنی علمی و فقہی نگارشات سے نوازا اس پر میں سبھی اہل قلم کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مقالات کی تلخیصیں ہو چکی ہیں جو پروگرام کے مطابق پیش ہوتی رہیں گی۔ اب آپ کا اہم کام تنقیح طلب امور کو حل کی منزل تک پہنچانا اور واضح فیصلوں کا روپ دینا ہے۔ اس کے لیے آپ کو اپنی علمی و فکری توانائیوں کے ساتھ اخلاص قلب، انابت الی اللہ، رجوع الی الرسول اور ائمۂ دین کے ساتھ ربط باطن کی قوتوں کو بھی بروے کار لانا ہے۔ اس کے بعد ان شاء اللہ الرحمن میدان آپ کے ہاتھوں، اور حق و صواب کا روے روشن آپ کے سامنے ہوگا۔ بعونه جل جلاله و بكرم رسوله عليه الصلاة و السلام و بفيوض الأئمة الكرام.

ہم اور آپ دیکھتے آئے ہیں کہ مقالات میں اختلاف آرا نمایاں رہتا ہے۔ ابتداءً گمان ہوتا ہے کہ کسی ایک حتمی راے پر شاید سب کا اتفاق نہ ہو سکے مگر بیشتر مسائل میں یہی ہوا ہے کہ ایک راے پر بڑی نیک نیتی اور صاف دلی کے ساتھ مندوبین کرام کا اتفاق ہو گیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارے علماے کرام کا مطمح نظر یہ نہیں ہوتا کہ ہم نے جو لکھ دیا یا جو کہہ دیا وہی تسلیم کیا جائے بلکہ ان کا نیک مقصد یہ ہوتا ہے کہ دلائل کی روشنی میں جو حق ہو اسے قبول کیا جائے، پہلے سے ہماری فکر اور ہماری راے جو بھی رہی ہو۔ بقول سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ انسان سے خطا ہونا عجیب نہیں بلکہ حق واضح ہونے کے بعد خطا پر قائم رہنا یہ عجیب ہے اور سنگین جرم بھی۔ (أو كما قال رضي الله تعالى عنه) رب کریم ہم سب کا سینہ جستجوے حق اور قبول حق کے لیے کشادہ فرمائے، آمین

يا أكرم الأكرمين، بجاه حبيبك سيد المرسلين، صل عليه و عليهم و على آله و صحبه اجمعين.

حضرات! میں یہ جانتا ہوں کہ آپ کے شایان شان خدمت اور انتظام سے ہم اور ہمارا عملہ قاصر ہے۔ خصوصاً اس موسم سرما میں آپ کو صعوبت سفر کے ساتھ مشکلات حضر بھی دامن گیر ہوں گی لیکن دین حق اور علم و تحقیق کی راہ میں سختیاں جھیلنا ہمارے بزرگوں کا شیوہ رہا ہے۔ ان کی تکلیفیں اور آج کی آسائشیں دیکھ کر دل دردمند کبھی روتا ہے، کبھی سر راحت طلب، شرم سے جھک جاتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان آقاؤں کے طفیل آپ ہماری کوتاہیوں پر خط عفو درگزر کھینچنا زیادہ پسند کریں گے۔ و العَفْوُ عندَ كرامِ النّاسِ مأمول.

حضرات! آج کی مناسبت سے میرا ضروری خطبہ تو سطور بالا پر ختم ہو جاتا ہے مگر آج کے حالات اور آپ کی چارہ گر شخصیات کو دیکھتے ہوئے دل دردمند چند باتیں عرض کرنے کے لیے مضطرب ہے، نہ معلوم آپ سے ملاقات اور گفتگو کی باری پھر کب آئے ۔

امیر جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے، نہ رہے

حضرات! مجھے تلخ نوائی سے معاف رکھیں گے۔ ہمارے سروں پر رب العالمین احکم الحاکمین کی جانب سے ایک اہم ذمہ داری یہ رکھی گئی ہے کہ ہم اسلام کا پیغام دوسروں تک پہنچائیں اور جو اسلام کا نام لینے کے باوجود راہ حق سے دور ہیں انھیں حق آشنا کر کے قریب لائیں اور جو حق سے آگاہ ہیں مگر عمل سے دور ہیں انھیں عمل خیر کی دعوت دیں اور شریعت کا پابند بنائیں مگر ہم اس ذمہ داری کو کس حد تک انجام دے رہیں؟ یہ آج کا اہم سوال ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ غیروں میں اپنے باطل کو بڑھانے اور پھیلانے کے جذبات بُری طرح موج زن ہیں۔ ان کی نت نئی تدبیروں اور ضلالت خیز حربوں کے نتیجے میں ہماری بڑی بڑی آبادیاں اور اچھے اچھے شہر ہمارے ہاتھ سے نکل چکے ہیں اور ہمیں بازیافت کی کوئی فکر نہیں۔

ہمارے یہاں نہ خطبا و مقررین کی کمی ہے، نہ گراں بار جلسوں اور لاکھوں لاکھ روپے میں منعقد ہونے والی کانفرنسوں کی کمی ہے مگر دعوت حق کے مخلصانہ جذبات اور بے لوث داعیانِ دین کی بڑی کمی ہے۔ آج کے خطیب اور دردمند داعی حق میں بڑا فرق ہے۔

یہ خطیب وہاں جاتا ہے جہاں زمین پہلے سے ہموار ہے۔ اسے چاہنے والے اور زوردار نعرے لگانے والے پہلے سے موجود ہیں۔ اس کے لیے وہ لاکھوں لاکھ خرچ کر چکے ہیں اور مزید نذر ونیاز کے لیے ہمہ تن تیار ہیں۔

داعیِ حق وہاں جاتا ہے جہاں نہ اُس سے کوئی۔ آشنا، نہ اس کے مذہب اور مشن کا کوئی شیدا، وہ اپنے خرچ سے لوگوں کو جمع کرتا ہے اور اپنی بات سنا کر ناآشناؤں کو آشنا بناتا ہے اور بے راہوں کو راہ پر لاتا ہے۔ مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب کسی بندر گاہ پر اتر کر کسی شہر میں جاتے تو انھیں کوئی پوچھنے والا نہ ہوتا، اور ماہ دو ماہ کی تبلیغ کے بعد واپسی کے لیے جب بندر گاہ پر آتے تو ایک جم غفیر ان کے پیچھے ہوتا، آنکھیں جدائی کے غم سے اشک بار اور دل فرقت کے احساس سے بے تاب ہوتے، روتے روتے لوگوں کی ہچکیاں بندھ جاتیں۔ بندر گاہ اور جہاز کا عملہ محو حیرت بنا ہوتا۔ کیا کسی پیشہ ور خطیب کی آنکھوں نے بھی اپنے لیے یہ منظر کبھی دیکھا ہے؟ درد مند مبلغ و رہنما بھیگی پلکوں کے سائے میں واپس آ گیا۔ مگر اس شہر اور اس ملک میں کئی ادارے، انجمنیں اور تنظیمیں چھوڑ آیا جو آج بھی کسی نہ کسی شکل میں بر سر کار ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ آج غیروں کے پھیلنے اور اپنوں کے سمٹنے کی سب سے بڑی وجہ داعیانہ جذبات اور مخلصانہ خدمات کا فقدان ہے۔ ہمارے گرد چند سَو یا چند ہزار جوشیلے نعرہ لگانے والے جمع ہو گئے تو ہم نے سمجھ لیا کہ ساری دنیا میں ہم ہی ہم ہیں۔ جب کہ روزانہ ہمارے کارآمد اور بیش قیمت افراد ہمارے کیمپ سے نکل کر دوسروں کے کیمپ میں داخل ہو رہے ہیں۔ ان پر ہم نے ضلالت و گمراہی یا کفر و ارتداد کا حکم لگا کر سمجھ لیا کہ

ہماری ذمہ داری پوری ہوگئی۔ وہ کیوں ہم سے کٹے اور دوسروں سے جڑے؟ ہم نے ان کو بچانے یا واپس لانے کے لیے انتھک کوشش کیوں نہیں کی؟ اس بارے میں احکم الحاکمین کے یہاں نہ ہم سے کوئی سوال ہوگا نہ ہمیں کوئی جواب دینا پڑے گا۔

میں نہیں سمجھتا کہ یہ سوچ کبھی درست ہو سکتی ہے اور اتنی آسانی کے ساتھ کوئی اپنے فرض منصبی سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ اگر غفلت کا یہی حال رہا تو خسارے اور زیاں کی وہ شکل بھی دیکھنی پڑے گی جس کے بعد کسی تدارک کی امید نہیں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ دعوت اور داعیان حق یکسر معدوم ہیں مگر جس طرح غیروں کے یہاں سرگرمیاں ہیں اور ان کے اندر اپنے کو بڑھانے پھیلانے کے لیے جو محنت اور تگ ودَو ہے وہ ہمارے یہاں معدوم نہیں تو اس سے قریب ضرور ہے، پھر مقابلہ کیسے ہو؟ اور اپنوں کا تحفظ کیسے ہو؟

دعوت اسلامی اور سنی دعوت اسلامی کی سرگرمیاں یقیناً قابل تحسین اور لائق تائید ہیں۔ مگر المیہ یہ ہے کہ ان کی بھی ناقدری ہو رہی ہے، نہ خود آگے بڑھ کر کام کرنے کا جذبہ، نہ دوسرے کو کام کرتا ہوا دیکھنا گوارا۔ آخر ملت اور جماعت کا فروغ کیسے ہو؟ اور بدمذہبی و بے دینی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے بند کون باندھے؟

ہمیں خود داعیانہ فکر پیدا کرنی ہوگی اور دوسرے داعیوں کی بھی حوصلہ افزائی کرنی ہوگی تاکہ ہر محاذ پر کام ہو سکے۔ آج درس گاہوں سے نکتہ رس مدرس اور زبان آور خطیب تو بہت پیدا ہو جاتے ہیں مگر مخلص مبلغین کی پیداوار افسوس ناک حد تک کم ہے۔ حالات کا مقابلہ کرنا ہے تو دانش مندی اور منصوبہ بندی کے ساتھ قدم آگے بڑھانا ہوگا۔ ہر میدان کے افراد تیار کرنا اور انھیں کام سے لگانا ہوگا۔

حکومتی اور ملکی پیمانے پر بھی ہمیں اپنی شناخت بنانے کی ضرورت ہے۔ صحافت کے میدان میں بھی نمایاں حصہ لینا ہوگا۔ کیا وجہ ہے کہ اس ملک میں اور دوسرے ممالک میں دینی قائدین کے عنوان سے جب نام لیا جاتا ہے تو دوسروں کا۔ ہم نے

سارے میدان غیروں کے لیے خالی چھوڑ دیے، اسی کا انجام مختلف شکلوں میں سامنے آتا رہتا ہے۔

عربی اور انگریزی زبان میں بھی ہمیں قرآن و حدیث، سیرت رسول اور دوسرے دینی عنوانات پر تیزی سے کام کرنے کی ضرورت ہے جس کے لیے اچھے اہل قلم کے کئی گروپ بناکر کام سپرد کرنا ہوگا۔ بعض تنظیموں اور اداروں کی جانب سے کچھ کام ہوا ہے جو قابل تحسین و آفریں ہے مگر اسے مزید بڑھانے اور منظم کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ عرب دنیا سے ہندوستان کی اسلامی شخصیات کو پوچھیے تو غیروں کے درجنوں نام سننے کو مل جائیں گے اور اہل سنت کے دو چار نام بھی شاید ہی سننے میں آئیں۔

یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ ہمارے پاس وسائل نہیں، فلاں کے پاس وسائل ہیں اسے یہ کام کرنا چاہیے، اور فلاں جب کام شروع کردے تو وہ بھی برداشت نہ ہو، اس کی غیر واقعی خامیوں کی فہرست بڑی باریک بینی اور الگ الگ منطقی ترکیبوں سے تیار کی جائے اور اسے رسوا کرنے کے لیے وسائل کی ساری فراوانی منظر عام پر آجائے۔ وہی فراوانی جو سچے دینی کام کے لیے مفقود تھی، اب موجود ہے۔

میں کہتا ہوں وسائل پیدا کرنا اور انھیں خیر کے لیے استعمال کرنا بھی ذمہ داری میں داخل ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ آدمی کا دل اگر تیار ہو تو وہ بڑے بڑے کام کی راہیں پیدا کرلیتا ہے اور کامیاب ہوتا ہے۔

آج کا وقت ایک دوسرے پر الزام اور ذمہ داری ڈالنے کا نہیں متحد ہوکر یا الگ الگ خود آگے بڑھنے اور ہر محاذ پر کام سنبھالنے کا ہے۔

ہاں اگر اپنے فرض کا نہ احساس ہو، نہ قوم کے زیاں کا درد ہو، نہ قیامت میں جواب کی فکر ہو، صرف زبان عوام سے چھٹکارا حاصل کرنا پیش نظر ہو تو ایک نہیں، ہزار بہانے بنائے جاسکتے ہیں۔

آپ ملت کا دل و دماغ ہیں، آپ سے قوم کی امیدیں وابستہ ہیں، آپ کو خود بھی کام کرنا ہے اور دوسروں کو بھی کام سے لگانا ہے اور جو کسی محاذ پر کسی پیمانے پر کام کر رہے ہیں ان کی قدر شناسی اور عزت افزائی بھی کرنی ہے۔ مولائے کریم ہم سب کو توفیق خیر سے نوازے۔ وهو المستعان و عليه التكلان، والصلاة و السلام على حبيبه سيد الانس و الجان و على آله و صحبه ما تعاقب الملوان

باتیں بہت تھیں مگر میں اتنے ہی پر اکتفا کرتا ہوں ؎

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں مری بات

والسلام وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العلمين

مجلس شرعی کے تیئسویں فقہی سیمینار کا خطبۂ استقبالیہ

بتاریخ ۱۵/۱۶/۱۷/ صفر ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۸/۲۹/۳۰/ نومبر ۲۰۱۵ء شنبہ تا دوشنبہ

بمقام: امام احمد رضا لائبریری، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ حَامِدًا و مُصَلِّیًا و مُسَلِّمًا

مجلس شرعی کے تیئیسویں فقہی سیمینار (منعقدہ ۱۵/۱۶/۱۷/ صفر ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۸/۲۹/۳۰/ نومبر ۲۰۱۵ء بمقام: امام احمد رضا لائبریری جامعہ اشرفیہ مبارک پور) میں آپ حضرات کی شرکت پر ہم آپ کا پرجوش خیر مقدم کرتے ہیں۔ آپ نے حلّ مسائل میں وقت عزیز اور سعی کثیر صرف کی پھر اپنے اہم مشاغل کو ترک کرکے یہاں تشریف لائے۔ اس نوازش پر ہم آپ کے ممنون ہیں۔ ربّ کریم آپ کی عنایتوں کو دوام بخشے۔ اور بار بار ایسے مسرّت بخش مواقع نصیب فرمائے۔

اس سیمینار کے لیے چار عنوانات پر سوال نامے جاری کیے گئے تھے۔ بعض حضرات نے ہر چہار عنوان پر اپنے جوابات سے مجلس کو نوازا۔ بعض حضرات نے تین یا دو یا صرف ایک عنوان پر لکھا، بعض حضرات نے صرف مذاکرات میں مشارکت سے نوازا۔ ہم صمیم قلب سے حسب عنایت و نوازش سبھی حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ربّ کریم ان مساعیِ جمیلہ کا صلہ اپنے خزانۂ غیب سے عطا فرمائے۔

ان فقہی علمی مذاکرات کا ایک عام فائدہ ہے جو پوری قوم کو ملتا ہے، وہ یہ کہ پیچیدہ مسائل اور معاملات میں صحیح راہ عمل کا علم ہوتا ہے اور غیر مشروع طریقوں سے بچ کر شرعی طریقوں پر کاربند ہونے کی ہدایت ملتی ہے۔ دوسرا خاص فائدہ ہے جو اہل علم اور اربابِ تحقیق کو حاصل ہوتا ہے:

جو حضرات مقالات لکھتے ہیں انھیں اپنے موضوع کو سر کرنے کے لیے کافی فکر و

تدبر اور غور و خوض سے کام لینا پڑتا ہے۔ کتابوں کی مراجعت اور تلاش مطلوب کے دوران بہت سے احکام و مسائل نظر سے گزرتے ہیں اور ذخیرۂ معلومات میں گراں بہا اضافہ ہوتا ہے۔ اگر تحقیق و نگارش کی یہ تقریب نہ پیدا ہوتی تو ان مسائل کو دیکھنے یا تازہ کرنے کی طرف توجّہ شاید مدتوں نہ ہوتی۔

جو حضرات مقالات کا مطالعہ کرتے اور مذاکرات میں حصہ لیتے ہیں ان کا سابقہ بھی کثیر جزئیات اور پیچیدہ مبادی سے پڑتا ہے جنھیں عبور کیے بغیر منزل تک رسائی ممکن نہیں ہوتی۔ اس طرح انھیں بھی خاصی فکری محنت اور ذہنی ورزش سے گزرنا پڑتا ہے۔

عام ذی علم سامعین کو بھی بہت سے مسائل جاننے اور طریقۂ بحث و استدلال اخذ کرنے کا موقع فراہم ہوتا ہے۔

الغرض مجلس شرعی کی فقہی تحریک اور علماے کرام و مفتیانِ عظام کی علمی و قلمی کاوشوں سے ہمہ جہت، دور رس اور دیرپا فوائد حاصل ہو رہے ہیں جس پر یہ سبھی حضرات مبارک باد کے مستحق ہیں۔ مولا تعالیٰ ان کی علمی کاوشیں اور ان کے بیش بہا ثمرات ہمیشہ جاری و ساری رکھے۔

اس سلسلے میں جن شخصیات اور اداروں نے مجلس شرعی کا کسی طرح کا کوئی تعاون کیا ہم ان کے بھی شکر گزار ہیں۔ ربّ کریم سب کو اپنی جزاے فراواں سے شاد کام فرمائے۔

اخیر میں اپنے معزز مہمانوں سے عرض گزار ہوں کہ آپ کی خدمت و ضیافت میں کسی طرح کی کوئی کوتاہی ہو تو معاف فرمائیں اور انتظام میں بہتری لانے کے سلسلے میں ہماری بساط کو دیکھتے ہوئے اپنے مفید مشوروں سے بھی نوازیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ آج بہت سے سیمینار حکومتوں کے زیر سایہ یا ان کے خطیر مالی تعاون سے انعقاد پذیر ہوتے ہیں اور مندوبین کی خدمت و ضیافت بڑے اعلیٰ پیمانے پر ہوتی ہے۔ یقیناً ظاہری آرائش و زیبائش اور راحت و آسائش میں ان کی برابری مشکل

ہے مگر دینی کاوشوں کی جو عظمت اور مخلصانہ سرگرمیوں کا جو عظیم اجر ہے کوئی دنیاوی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مولا تعالیٰ ہمارے تمام معاونین و مخلصین کو اپنی رضا و خوشنودی کی دولت سے نوازے اور انھیں دارین کی آفتوں سے محفوظ و مامون رکھے۔

ہمیں ربّ کریم کے الطافِ بے پایاں سے امید واثق ہے کہ تنقیح طلب مسائل کے حل میں اس کی عنایت و رحمت دست گیر ہوگی اور اس کے بے کراں فضل و کرم کے سایے میں شاہد مقصود تک رسائی آسان سے آسان ہوگی۔ و ما ذلك عليه بعزيز.

و صلّى الله تعالى و بارك و سلم على حبيبه سيد المرسلين و على آله و صحبه هداة الدين و حماة الشرع المتين و على الأئمة المرشدين و العلماء الراسخين والأولياء الكاملين و على أتباعهم المهتدين إلى يوم الدين.

مجلس شرعی کے چوبیسویں فقہی سیمینار کا خطبۂ صدارت

منعقدہ ۱۷/ ۱۸/ ۱۹/ صفر ۱۴۳۹ھ مطابق ۷/ ۸/ ۹/ نومبر ۲۰۱۷ء سہ شنبہ تا پنج شنبہ

بمقام: امام احمد رضا لائبریری، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ حَامِدًا و مُصَلِّیًا و مُسَلِّمًا

حضرات ! اس چوبیسویں فقہی سیمینار کے لیے ۱۹/ ۲۰/ ۲۱/ نومبر ۲۰۱۶ء کی تاریخیں متعین تھیں۔ مگر اچانک ۹/ نومبر کو نوٹ بندی کے بطن سے پیدا شدہ گوناگوں مشکلات کا اثر اس علمی فقہی سیمینار پر بھی پڑا، اور سیمینار کی تاریخیں بہت قریب آجانے کے باوجود اسے ملتوی کرنا پڑا، شاید آپ حضرات کے لیے یہ بارِ خاطر بھی ہوا ہو مگر ہم معذرت خواہی کے ساتھ امید رکھتے ہیں کہ انتظامی دشواریوں کا اندازہ کرتے ہوئے آپ ارکانِ مجلس شرعی کو معاف فرمائیں گے۔

حضرات مندوبین کرام نے مجلس کے دیے ہوئے عنوانات پر مقدور بھر کوشش کی اور اپنے بیش قیمت مقالات اور آرا سے مجلس کو نوازا پھر سالِ رواں کی مقررہ تاریخوں پر اپنے مشاغل ترک کر کے صعوبتِ سفر برداشت کرتے ہوئے یہاں بحث و مذاکرہ کے لیے اپنی تشریف آوری کو عملی شکل دی، اس پر ہم ان سبھی حضرات کے ممنون اور شکر گزار ہیں۔ ربِّ کریم انھیں استقامت بخشے اور حلِّ مشکلات کے لیے ان کے سینے کھول دے۔

مقالات اور تلخیصات کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ بہت سے معاملات میں رایوں کا اختلاف ہے اور کسی بھی نئے علمی و فکری سفر میں یہ ناگزیر ہے۔ ہر اشہبِ

فکر ایک ہی سمت میں رواں ہو اور ہر طائر نظر ایک ہی رخ پر محوِ پرواز ہو ایسا بہت ہی نادر و نایاب ہے۔

مگر امید ہے کہ جب آپ حضرات پوری فکری توانائی اور اخلاصِ قلب کے ساتھ غور و خوض کریں گے اور مباحثہ و مذاکرہ میں سرگرم حصّہ لیں گے تو اِن شاء اللہ الرحمٰن مشکلات کی گرہیں کھلتی ہوئی اور اختلافِ آرا کے بادل چھٹتے ہوئے نظر آئیں گے اور ہر باب میں ایک محقّق اور منقّح فیصلہ سامنے آئے گا جس سے بے تاب دلوں کو قرار اور مشتاق روحوں کو سکون نصیب ہوگا جیسا کہ اس سے پہلے کے سیمیناروں میں مشاہدہ ہوتا رہا ہے۔ والحمد للہ و هو وليُّ كلِّ نعمة و إنّه ذو الفضل العظيم.

اس سیمینار میں ”بینک گارنٹی لیٹر“ ”ای کامرس اور آن لائن بین الاقوامی تجارت“ جیسے نئے موضوعات زیرِ بحث ہیں اور اس سے قبل بھی تجارتی و اقتصادی میدان کے بہت سے مسائل زیرِ بحث آچکے ہیں۔ دراصل مغربی تاجرین کو کسی طریقۂ تجارت کے جواز و عدم جواز سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، صرف عاجلانہ منفعت اور کثیر سے کثیر مالی فوائد پر ان کی نظر ہوتی ہے، اسی بنیاد پر وہ کوئی بھی طریقہ ایجاد کرتے ہیں اور اسے اس قدر عام کرتے ہیں اور اتنا دل کش بناتے ہیں کہ پوری دنیا اُس میں گرفتار ہو جاتی ہے پھر جب وہ طریقے علماے شریعت کے سامنے آتے ہیں تو انھیں سخت مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جواز کا حکم دیں تو اس کے لیے کوئی واضح اور ٹھوس بنیاد ہونی ضروری ہے اور اگر حکم جواز کی کوئی صورت نہیں نکلتی تو ایک دل کش اور منفعت بخش معصیت کی دلدل سے اپنی قوم کو باہر نکالنا بڑا زبردست چیلنج ہوتا ہے۔

حضرات! اہلِ مغرب کی کارستانیاں اتنے ہی پر بس نہیں، ان کا اقتصادی حلقہ اگر ایک طرف تجارتی میدان میں نت نئی منفعتی اختراعات سامنے لاتا ہے تو دوسری طرف ان کا اعتقادی اور سیاسی طبقہ طرح طرح سے مسلمانوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کرنے اور انھیں نئے نئے حربوں کے ذریعہ اسلام سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

حرکت استشراق اور مستشرقین کا وجود اسی فکر کے تحت عمل میں آیا جس کا تعاقب مسلم اہل قلم نے کیا اور ان کی خیانتوں کا پردہ اچھی طرح چاک کیا، اس سے گھبرا کر مغربی دماغ نے مال و دولت کے ذریعہ اچھے اچھے فتنہ خیز دماغوں کی خریداری کی تدبیر سوچی اور ایسی تنظیموں کو وجود بخشا جن سے وابستہ ہونے والے افراد کو دل کش انعامات سے نوازا جاتا ہے، دنیا بھر میں ان کی عبقریت کا اعلان کیا جاتا ہے، انھیں دلکش منصوبے بنا کر سرگرم عمل کیا جاتا ہے اور ان پر مال و دولت کی برسات کی جاتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ تنظیم کے سانچے میں ڈھل کر اطاعت و فرماں برداری کو اس کی آخری حد تک پہنچائیں، رب کی بندگی اور مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی غلامی سے زیادہ انھیں تنظیم کی غلامی و بندگی عزیز ہو، اس کی کافرانہ دفعات سے ظاہراً باطناً کسی طرح سرِ مو انحراف گوارا نہ ہو۔

ایسی تنظیمیں وجود میں آچکی ہیں جن کا فارمولا یہ ہے کہ یہودی، نصرانی، قادیانی، ہندو، سکھ، بدھشٹ وغیرہ سب اہل جنت ہیں، انسانوں کے کسی طبقے کو بھی کافر کہنے کی اجازت نہیں، شاتمانِ خدا و رسول اور اسلام کے بنیادی اصول و مبادی کو توڑنے والوں کی بھی تکفیر جائز نہیں۔ جو اس فارمولے کا پابند ہے اسی کے لیے تنظیم کے خزانوں کا دہانہ کھلا ہوا ہے اور جو اس سے منحرف ہو وہ کسی طرح کی داد و دہش کا مستحق نہیں۔

یہ تنظیمیں اپنے شیطانی مقاصد کی تکمیل کے لیے ایسے افراد کا انتخاب کرتی ہیں اور خود مسلمانوں سے بھی ایسے عقلا کو خریدتی ہیں جو اپنی علمی یا سیاسی یا سماجی کارکردگی کی وجہ سے شہرت یافتہ ہوں، جن کے پیچھے حامیوں اور معتقدوں کا ایک زبردست حلقہ ہو، جو اپنی دماغی قوت، تنظیمی لیاقت اور تقریری و تحریری صلاحیت کے باعث اچھے اچھے اذہان کو متاثر کر سکتے ہوں اور انھیں اپنے دامِ خوش نما کا پوری طرح اسیر بنا سکتے ہوں۔ مطمح نظر یہ ہے کہ اس طرح جب ایک شخص خرید لیا جائے گا تو اس کے ذریعہ ایک بہت بڑی جماعت تنظیم کے دامن میں آجائے گی اور مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ خود اسلامی اصولوں کو تاراج کرنے کے لیے میدان میں اتر پڑے گا اور قدیم مسلمانوں سے علمی و فکری

جنگ کے لیے وہی کافی ہوگا، ملت اسلامیہ ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے گی، اس کی اجتماعی قوت کے پرزے بکھر جائیں گے اور الزام بھی تنظیم کے سر نہ آئے گا بلکہ اس کا ذمہ دار مسلمان کہلانے والا کوئی مشہور قائد یا دانشور قرار پائے گا۔

برصغیر پر انگریز سامراج نے اپنا پرچم نصب کیا تو مسلمانوں کی دفاعی اور اجتماعی قوت کو توڑنے اور انھیں فرقوں میں تقسیم کرنے کے لیے افراد انگریزوں اور یہودیوں سے نہیں بلکہ مسلمان کہلانے والوں کے درمیان سے چُنے جس کا نتیجہ برٹش حکومت کے زوال کے بعد بھی ہمارے سامنے ہے۔

لیکن ہمارا مکّار و عیار دشمن ابھی اتنی ساری تفریق پر قانع نہیں بلکہ عالمی پیمانے پر ملتِ اسلامیہ کو بالکل ہی بے دست و پا اور ناتواں بنانے کے لیے مزید تدبیروں میں لگا ہوا ہے جن کی تفصیل کی اس مختصر خطبے میں گنجائش نہیں مگر ایک بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

آپ جانتے ہیں کہ ائمۂ دین نے تکفیر کا حکم لگانے میں سخت احتیاط برتی ہے مگر بدلی ہوئی یہودیت، نصرانیت اور دیگر غیر اسلامی مذاہب پر اسلام کا لیبل لگانے یا ان کے ماننے والوں کو جنتی بتانے کی حرکت کبھی نہیں کی ہے۔ اسی طرح کسی نئی نبوت کا دعویٰ کرنے والے یا ختمِ نبوت کا انکار کرنے والے یا خدا و رسول اور اسلام کی کھلی گستاخی کرنے والوں کی تکفیر صریح سے کبھی انحراف بھی نہیں کیا ہے مگر اب بڑے دانشورانہ انداز، داعیانہ لباس اور مغالطہ آفریں اسلوب میں عدم تکفیر کے ایک نئے فتنے کو جگانے کی سازش رچی جارہی ہے جس کا سرا نہ ائمۂ دین سے ملتا ہے نہ صحابہ و تابعین سے بلکہ سراغ لگایا جاتا ہے تو اس کا سرا، سرکش شیاطین اور کھلے دشمنان دین سے ملتا ہے۔

پھر کچھ فروعی عقائد اور مسائل کو چھیڑنے کی بھی کوشش ہو رہی ہے جن میں سے بعض کفر تک نہیں تو ضلال تک ضرور پہنچتے ہیں اور بعض اس سے فروتر ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جمہور مسلمین جن فرعی عقائد و مسائل میں متحد نظر آرہے ہیں ان میں بھی رخنہ

اندازی کر کے کسی طرح انتشار و افتراق کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کیا جائے اور اپنی قابلیت کا لوہا بھی منوایا جائے۔ اس طرح اگر چھوٹے فتنے مسلمانوں میں باریاب ہو جاتے ہیں تو کسی دن بڑا فتنہ بھی اپنی جگہ بنا لے گا اور دشمن کا خواب کسی طرح شرمندۂ تعبیر ہو سکے گا۔

ماضی قریب میں امام احمد رضا قادری بریلوی قدّس سرہ (۱۲۷۲ھ ــــــ ۱۳۴۰ھ) نے اصول دین اور حدود تکفیر و عدم تکفیر کو اپنی تحریروں میں اچھی طرح واضح و مبرہن کر دیا ہے اور ایک زمانے سے ان کے علم و تحقیق کا سکّہ رواں ہے، ان کا اخلاص و تقویٰ، عشق خدا و رسول، محبت اسلام و مسلمین اور علمی و قلمی دیانت و امانت کا سونا بھی جانچا پرکھا ہوا ہے، ان کی امامت و پیشوائی مسلَّم ہے اس لیے آج ان کے فتواے تکفیر کو بھی خاص طور سے نشانہ بنایا جا رہا ہے اور ان کی امامت و دیانت پر بھی ہرزہ سرائی کی جا رہی ہے تاکہ اپنے باطل افکار کو امت میں اعتبار دے سکیں اور کہیں ان کی عبارتوں کی غلط تعبیر و تشریح یا بے جا استعمال کی بھی کوشش ہو رہی ہے تاکہ ان کا نام لے کر اپنے خود ساختہ فتنوں کو فروغ دے سکیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ.

حضرات علماے کرام! آپ کے ہاتھوں میں کشتی ملت کی نگہبانی ہے اس لیے ہر طرح کے فتنوں سے ہمہ دم ہوشیار رہنے اور ان سے اپنی قوم کو بچانے کی بے دریغ کوشش آپ پر فرض ہے۔

فتنے ہماری اولاد میں اپنی جگہ بنا رہے ہیں، ہمارے مدارس کی چہار دیواریاں محفوظ نہیں، ہمارے گھروں کے بند کمروں میں لگے ہوئے بستر ہلاکت خیز ہتھیاروں کی زد میں ہیں، ذرائع ابلاغ کی فراوانی نے ہر طرح کا حصار توڑ رکھا ہے، اب آپ کو تنہائیوں میں اور یک جا ہو کر مخصوص نشستوں میں سیلاب بلا پر بند باندھنے کی ہر ممکن تدبیر کرنی ہے اور اپنی سعی محکم سے فتنوں کا سینہ چاک کرنا ہے تاکہ آپ اپنے فرض سے سبک دوش بھی ہوں اور امت کو تحفظ بھی نصیب ہو۔ السعي منّا و الإتمام من الله.

حضرات! فی الحال ہم سیمینار کے مقررہ سوالات حل کرنے کے لیے جمع ہوئے

ہیں اور فوری طور پر ہمیں انہی کی طرف توجہ دینی ہے مگر میں نے مذکورہ فتنوں کا ذکر مؤخر کرنا، مناسب نہ سمجھا تاکہ آپ غور کریں، مؤثر تدابیر کی فکر کریں اور جلد ہی کوئی لائحۂ عمل تیار کرکے مقابلے کے لیے مردانہ وار تیار ہوں۔ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: إذا ظهرت الفِتَن ـــ أو قال: البِدَعُ ـــ و سُبّ أصحابي فليظهر العالم علمه، فمن لم يفعل فعليه لعنة الله و الملائكة و الناس أجمعين، لا يقبل الله له صرفًا و لا عدلًا[1]

وفقنا الله و إيّاكم لما يُحِبّ ويرضىٰ، و أيّدنا و إيّاكم بالأيد المتين، و هو ذو الفضل العظيم و النصر المبين

[1] الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب البغدادی ج:۲ص ۱۱۸

مجلس شرعی کے پچیسویں فقہی سیمینار کا خطبۂ صدارت

منعقدہ : ۱۸/۱۹/۲۰/ ربیع النور ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۷/۲۸/۲۹/ نومبر ۲۰۱۸ء

سہ شنبہ تا پنج شنبہ

بمقام : امام احمد رضا لائبریری، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ حَامِدًا وَّ مُصَلِّیًا

حضرات ! مجلسِ شرعی کے پچیسویں فقہی سیمینار میں آپ کی تشریف آوری کا پُرجوش استقبال ہے، مَرحبًا، أهلاً وّ سهلاً، مَرحبا، قَدِمتُم خيرَ مقدم.

آج کے عرف میں کسی ادارے یا تنظیم یا کسی خاص کام پر مسلسل ۲۵ سال گزر جائیں تو اسے بڑی کامیابی قرار دیتے ہیں اور اسے جشن سیمیں یا سلوَر جُبلی کے نام سے یاد کرتے ہیں، غالبًا اسی خیال کے تحت ناظم مجلس شرعی نے اہتمام و انتظام میں کچھ اضافہ کر دیا ہے اور میرا خطبہ بھی معمول سے کچھ زیادہ طویل ہونے والا ہے۔

علاوہ ازیں مجھے یاد آیا کہ یہ سیدنا امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے صد سالہ عرس کا موقع ہے، اس لیے ان کا ذکر جمیل بھی ذرا بسط کے ساتھ ہونا چاہیے۔ خصوصًا فتاویٰ رضویہ سے، مجلس شرعی اور اس کے مندوبین کا اکتساب فیض سب سے زیادہ ہے یا بلفظ دیگر بہت زیادہ ہے، اس لیے اس موقع سے ایک ہزار تین سو بانوے (۱۳۹۲) صفحات پر مشتمل تین جلدوں میں ایک مجموعہ مرتب کیا گیا ہے جس کا نام ہے:

” فتاویٰ رضویہ : جہانِ علوم و معارف “

بعض دشواریوں کی وجہ سے یہ قبل عرس طبع نہ ہو سکا، مگر زیر طبع ہے اور ان شاء المولیٰ تعالیٰ چند ایام میں منظر عام پر ہوگا۔ امید ہے کہ بکرمہ تعالیٰ علمی دنیا میں اسے

شرف قبول حاصل ہوگا۔

اب آئیے آج کی محفل کو بھی اپنے عظیم محسن کے افتا اور فتاوی کے ذکر جمیل سے برکت آشنا اور لذت آشنا کرلیں ع

ذکر حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدِّس سرّہٗ (۱۲۷۲ھ ———— ۱۳۴۰ھ) اپنے زمانے میں ایسے مرجع فتوی تھے کہ صرف غیر منقسم ہندوستان کے اطراف واکناف ہی نہیں بلکہ مختلف بیرونی ممالک سے بھی ان کی خدمت میں سوالات آتے اور کبھی کبھی چار سو، پانچ سو، استفتا جمع ہوجاتے، کارِافتا اتنا عظیم ہوتا کہ دس مفتیوں کے کام پر بھاری ہوتا، مگر امام احمد رضا قُدِّس سِرّہٗ سب کو تنہا انجام دیتے۔

یہ سوالات اور اُن کے جوابات مختلف نوعیت کے ہوتے، بعض جوابات بیس، پچیس، پچاس صفحات یا سو، یا زیادہ صفحات میں آتے اور ایک تحقیقی رسالے کی شکل اختیار کرلیتے اور کثیر جوابات دو چار صفحات یا کچھ زیادہ صفحات پر مشتمل ہوتے، اور قلیل تعداد میں ایسے فتاوی بھی ہیں جو صرف دو، چار یا دس بارہ سطروں پر مشتمل ہیں۔ رنگِ تحقیق اور حسنِ تحریر سب میں نمایاں ہے۔

کچھ سوالات ایسے ہوتے کہ ان سے متعلق ریاست رامپور کی کسی عدالت میں مقدمہ جاری ہوتا، سائلین سوال کے ساتھ مقدمے کی پوری مِسل کی نقلیں بھیج دیتے، جن میں گواہوں کے بیانات، وکیلوں کی جرحیں، ججوں کے فیصلے سبھی درج ہوتے۔ اعلیٰ حضرت ان پر نظر ڈالتے تو گواہیوں کا نقص، وکیلوں کی زیادتیاں، فیصلوں کی خامیاں سبھی واضح کرتے اور مدلل و منقح حکم شرعی لکھ کر ہدایت فرماتے کہ فیصلے میں اس حکم شرعی سے عدول کی گنجائش نہیں۔ ان تفصیلی و تنقیحی جوابات میں ایک نکتہ رس قاضی اور بالغ نظر جج بلکہ دقائق بیں چیف جسٹس کا رنگ بہت نمایاں نظر آتا ہے۔

وصیت و وراثت کا ایک مقدمہ خان پور کچہری میں پیش ہوا، مدّعی و مدّعا علیہ کا

بیان لینے کے بعد جج نے سات سوالات قائم کر کے آٹھ مفتیان کرام سے استفتا کیا، ان کے جوابات باہم مختلف اور ناصاف تھے، مقدمہ چیف کورٹ بہاول پور پہنچا، فاضل جج محمد دین نے تمام جوابات اور مقدمے کی مِسل دیکھنے کے بعد پانچ سوالات قائم کیے جو اُن کی نظر میں ہَنوز تصفیہ طلب تھے پھر حکم دیا کہ وصیت نامہ، آٹھوں فتووں کی نقلیں اور یہ پانچ سوالات سب مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی خدمت میں بھیجے جائیں اور التماس کی جائے کہ ان تمام فتاوی کو ملاحظہ فرمائیں اور ان حل طلب سوالات سے متعلق اپنی راے مع دلیل تحریر فرما کر بہت جلد مرحمت فرمائیں، ان کے علاوہ کوئی اور امر قابل اصدار فتوی ہو تو اطلاع بخشیں۔ حکم کے مطابق ۲۳؍ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ کو یہ استفتا مع نقول فتاوی وغیرہ ارسال ہوا، یہ سب تقریباً بیس صفحات پر مشتمل ہیں۔

اعلیٰ حضرت قُدِّس سِرّہٗ نے بعد ملاحظۂ فتاوی تحریر فرمایا: ’’بہت افسوس کے ساتھ گزارش ہے کہ آٹھوں فتووں میں اصلاً ایک بھی صحیح نہیں، اکثر سراپا غلط ہیں، اور بعض مشتمل بر اغلاط۔‘‘

اس کے بعد فقیہِ بے مثال نے **اوّلاً** کچھ افادات لکھے اور ہر افادہ کے تحت تفریعات کے عنوان سے فوائد متفرعہ تحریر کیے، جن سے احکام بھی واضح ہوئے اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ اُن مفتیوں نے کہاں کہاں، کیا کیا غلطیاں کیں، اور ان کے علاوہ کیا کیا ضروری باتیں اُن کی نظر سے رہ گئیں۔

۲ ججی خان پور کے قائم کردہ اُن ساتوں سوالات کے جوابات لکھے جو پہلے اُن آٹھ مفتیوں سے ہوئے اور غلط و ناقص جوابات ملے۔

۳ چیف کورٹ بہاول پور کے تازہ پانچ سوالات کے جوابات بھی تحریر فرمائے۔

۴ آخر میں حکم اخیر لکھا کہ اس مقدمہ میں دار القضا کو کیا کرنا چاہیے۔

یہ جواب **بارہ افادات ایک سو چوبیس تفریعات اور ۲۷؍ ضمنی فوائد پر مشتمل ہے** اور رضا اکیڈمی ممبئی کی شائع کردہ فتاویٰ رضویہ جلد دہم کے ص ۲۱۳ سے

۲۶۰ تک تقریباً ۴۸ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

اس سے جہاں جواب کی اہمیت نمایاں ہوتی ہے وہیں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اُس وقت کے ججوں اور عدالتوں میں اعلیٰ حضرت قُدّس سِرّہٗ کی شہرت، مقبولیت اور استنادی حیثیت کتنی زیادہ تھی، جب کہ خان پور اور بہاول پور، بریلی کے مضافات میں نہیں بلکہ بہت دور ہیں اور اب تو دوسرے ملک میں واقع ہیں۔

قدیم نوعیت کے پیچیدہ مسائل کے علاوہ جدید مشکل مسائل بھی اعلیٰ حضرت قُدّس سِرّہ کی خدمت میں پیش ہوتے اور سائلین ان کے شافی جوابات سے شاد کام ہوتے۔

ماہ ذی قعدہ سنہ ۱۳۰۳ھ /اگست ۱۸۸۵ء میں نواب گنج، بارہ بنکی سے شیخ عبد الجلیل پنجابی نے سوال بھیجا جس میں شاہ جہاں پور کی رَوسر چینی مِل کی شکر سے متعلق استفتا تھا۔ (بقول مصنف تذکرہ علمائے ہند "رَوسر" (بفتح راوسین) انگریز تاجروں کی ایک جماعت تھی جس نے ۱۸۸۵ء میں شاہ جہاں پور میں شکر کا کارخانہ قائم کیا تھا جس میں بکری کی ہڈیوں کو جلا کر راکھ سے شکر صاف کی جاتی تھی۔)

سوال یہ تھا کہ رَوسر کی شکر ہڈیوں سے صاف کی جاتی ہے اور صاف کرنے والوں کو کچھ احتیاط اس کی نہیں کہ وہ ہڈیاں پاک ہوں یا ناپاک، حلال جانور کی ہوں یا مردار کی، اور سُنا گیا کہ اس میں شراب بھی پڑتی ہے، اسی طرح کل (مشین) کی برف اور کُل وہ چیزیں جن میں شراب کا لگاؤ سنا جاتا ہے، شرعاً کیا حکم رکھتی ہیں؟

اعلیٰ حضرت قُدّس سِرّہٗ نے اس کے جواب میں ۲۴/ تا ۲۶/ ذی قعدہ ۱۳۰۳ھ کل تین دن کے اندر دیگر مشاغل کو باقی رکھتے ہوئے ایک رسالہ تحریر کیا: الأحلیٰ من السکر لطلبة سُکر رَوسر (۱۳۰۳ھ)۔

اس میں پہلے دس مقدمات کی صورت میں اہم اصول وضوابط بیان کیے ہیں پھر خاص اس باب سے متعلق ایک ضابطۂ کلیہ تحریر کیا ہے۔ پھر اصل سوال کا جواب لکھا

ہے۔ پھر خاتمہ رقم کیا ہے۔

رسالے کے شروع میں لکھتے ہیں: اس مسئلہ سے سوال متکرر آیا اور آراے عصر کو مضطرب پایا... لہٰذا مناسب کہ بحول الواہب اس تازہ فرع کی تحقیق و تنقیح اور حکم شرع کی توضیح و تشریح اس نہج نجیح وطرز رجیح کے ساتھ عمل میں آئے کہ نہ صرف اسی مسئلۂ تازہ بلکہ اس قسم کی تمام جزئیات بے اندازہ کا حکم واضح و آشکار ہو جائے۔

بعد تحریر جواب آخر میں فرماتے ہیں:

فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے ان "مقدمات عشرہ" میں جو مسائل و دلائل تقریر کیے جس نے انھیں اچھی طرح سمجھ لیا ہے اس قسم کے تمام جزئیات (مثلاً بسکٹ، نان پاؤ، رنگت کی پڑیوں، یورپ کے آئے ہوئے دودھ، مکھن، صابن، مٹھائیوں وغیرہا) کا حکم خود جان سکتا ہے۔

اس ارشاد کی توضیح کے لیے وہ **دس مقدمات** نہایت اجمال کے ساتھ یہاں نقل کیے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہو جائے گا کہ یہ اصول و ضوابط اپنے دامن میں کتنے وافر جزئیات کو سمیٹے ہوئے ہیں۔

مقدمہ (۱) ہڈیاں ہر جانور – یہاں تک کہ غیر ماکول و نامذبوح – کی بھی مطلقًا پاک ہیں، جب تک اُن پر ناپاک دُسومت نہ ہو، سوا خنزیر کے کہ نجس العین ہے اور اس کا ہر جزوِ بدن ایسا ناپاک کہ اصلاً صلاحیتِ طہارت نہیں رکھتا۔

مقدمہ (۲) شریعت مطہرہ میں طہارت و حلت اصل ہیں۔ (سوا بعض اشیا کے جن میں حرمت اصل ہے۔ الخ حاشیہ)

مقدمہ (۳) احتیاط اِس میں نہیں کہ بے تحقیقِ بالغ و ثبوتِ کامل کسی شَے کو حرام و مکروہ کہہ کر شریعت مطہرہ پر افترا کیجیے، بلکہ احتیاط اِباحت ماننے میں ہے کہ وہی اصل متیقن، اور بے حاجت مبیّن خود مبیَّن۔

مقدمہ (۴) بازاری افواہ قابلِ اعتبار اور احکام شرع کی مناط و مدار نہیں ہو سکتی۔

بہت خبریں بے سروپا ایسی مشتہر ہو جاتی ہیں جن کی کچھ اصل نہیں۔ یا ہے تو بہزار تفاوت۔

مقدمہ (۵) حلت، حرمت، طہارت، نجاست احکام دینیہ ہیں، ان میں کافر کی خبر محض نامعتبر، بلکہ مسلمان فاسق، بلکہ مستور الحال کی خبر بھی واجب القبول نہیں، چہ جائے کہ کافر۔

مقدمہ (۶) کسی شے کا محلّ احتیاط سے دور، یا کسی قوم کا بے احتیاط و شعور، اور پروائے نجاست و حرمت سے مہجور ہونا، اِسے مستلزم نہیں کہ وہ شَے، یا اُس قوم کی استعمالی، خواہ بنائی ہوئی چیزیں مطلقاً ناپاک یا حرام وممنوع قرار پائیں (آگے مزید تفصیل اور سات نظائر سے اصل قاعدے کی پوری تنویر ہے۔)

مقدمہ (۷) شدتِ بے احتیاطی، جس کے باعث اکثر احوال میں نجاست و آلودگی کا غلبۂ وقوع و کثرتِ شیوع ہو، بے شک باعث غلبۂ ظن اور ظنِّ غالب شرعاً معتبر، اور فقہ میں مبنائے احکام مگر اس کی دو صورتیں ہیں:

ایک تو یہ کہ جانب راجح پر قلب کو اس درجہ وثوق و اعتماد ہو کہ دوسری طرف کو نظر سے بالکل ساقط کر دے اور محض ناقابل التفات سمجھے، گویا اس کا عدم و وجود یکساں ہو۔ ایسا ظنّ غالب فقہ میں ملحق بیقین کہ ہر جگہ کارِ یقین دے گا اور اپنے خلاف یقینِ سابق کا پورا مزاحم و رافع ہو گا۔

دوسرے یہ کہ ہَنوز جانب راجح پر دل ٹھیک ٹھیک نہ جمے اور جانب مرجوح کو محض مضمحل نہ سمجھے بلکہ اُدھر بھی ذہن جائے، اگرچہ بضعف و قلّت۔ یہ صورت نہ یقین کا کام دے نہ یقینِ خلاف کا معارضہ کرے بلکہ مرتبۂ شک و تردّد ہی میں سمجھی جاتی ہے۔ ——کلمات علما میں کبھی اسے بھی ظنّ غالب کہتے ہیں۔ اگرچہ حقیقۃً یہ مجرّد ظن ہے، نہ غلبۂ ظن۔

ہاں اس قسم کا اتنا لحاظ کرتے ہیں کہ احتیاط کو بہتر و افضل جانتے ہیں، نہ کہ اس پر

عمل واجب و متحتّم ہوجائے۔

مقدمہ (۸) کسی شے کی نوع وصنف میں بوجہِ ملاقاتِ نجس یا اختلاط حرام نجاست و حرمت کا تیقن اس کے ہر فرد سے منع و احتراز کا موجب اسی وقت ہو سکتا ہے جب معلوم و محقّق ہو کہ یہ ملاقات بروجہ عموم وشمول ہے۔

اور اگر ایسا نہیں بلکہ صرف اتنا محقق کہ ایسا بھی ہوتا ہے— نہ کہ خاص ناپاک و حرام میں کوئی خصوصیت ہے جس کے باعث قصداً اس کا التزام کرتے ہیں۔ تو اس بنا پر ہرگز ہرگز حکم تحریم و تنجیس علی الاطلاق روا نہیں۔ (آگے شواہد و نظائر سے اس ضابطے کی تنویر و تائید ہے۔)

مقدمہ (۹) جب بازار میں حلال و حرام مطلقاً یا کسی جنس خاص میں مختلط ہوں اور کوئی ممیز و علامت فارقہ نہ ملے تو شریعت مطہرہ خریداری سے اجتناب کا حکم نہیں دیتی کہ آخر ان میں حلال بھی ہے تو ہر شے میں احتمال حلت قائم اور رخصت واباحت کو اسی قدر کافی۔

مقدمہ (۱۰) حضرت حق جلّ وعلا نے ہمیں یہ تکلیف نہ دی کہ ایسی ہی چیز کو استعمال کریں جو واقع و نفس الامر میں طاہر و حلال ہو کہ اس کا علم ہمارے حیطۂ قدرت سے ورا ہے۔

نہ یہ تکلیف فرمائی کہ صرف وہی شے برتیں جسے ہم اپنے علم ویقین کی رو سے طیب و طاہر جانتے ہیں کہ اس میں بھی حرج عظیم ہے اور حرج مدفوع بالنص۔

بلکہ صرف اس قدر حکم ہے کہ وہ چیز تصرف میں لائیں جو اپنی اصل میں حلال و طیب ہو، اور اسے مانع و نجاست کا عارض ہونا ہمارے علم میں نہ ہو۔ ولہذا جب تک خاص اُس شے میں جسے استعمال کرنا چاہتا ہے کوئی مَظِنّۂ قویہ حظر و ممانعت کا نہ پایا جائے تفتیش و تحقیقات کی بھی حاجت نہیں، مسلمان کو روا کہ اصل حل و طہارت پر عمل کرے اور یمکن و یحتمل و شاید و لعلّ کو جگہ نہ دے۔

ہاں اس میں شک نہیں کہ شبہہ کی جگہ تفتیش و سوال بہتر ہے، جب اس پر کوئی فائدہ مُتَرَتِّب ہوتا سمجھے۔ اور یہ بھی اسی وقت تک ہے جب اس احتیاط و ورع میں کسی امرِ اہم و آکد کا خلاف نہ لازم آئے کہ شرع مطہر میں مصلحت کی تحصیل سے مفسدہ کا ازالہ مقدم تر ہے (آگے نظائر سے تنویر پھر ایک ضابطۂ کلیہ واجبۃ الحفظ کی تحریر ہے۔)

اس اجمال در اجمال سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ کیسے کیسے جواہر زواہر اس خزانے میں محفوظ ہیں، اور کتنے کثیر جزئیات ان کلیات میں مستور ہیں۔

پہلے چاندی سونے کے سکّے درہم و دینار یا روپے اور اشرفی کے نام سے چلتے تھے پھر کاغذ کے نوٹوں کی ایجاد ہوئی مگر سونے چاندی کے سکّوں کا چلن بھی باقی رہا، نوٹوں کی ایجاد غالبًا اعلیٰ حضرت قدّس سرہ کے اوائل عمر میں ہو چکی تھی، نوٹوں کا رکھنا، لین دین کرنا، لے کر کہیں آنا جانا، اور لمبے سفر کرنا سکّوں کی بنسبت بہت آسان ہو گیا مگر سوال یہ پیدا ہوا کہ یہ نوٹ مال ہے یا نہیں؟ سکوں کے مال ہونے میں تو کوئی شبہہ نہ تھا، اس لیے کہ وہ ثمن خلقی سونے یا چاندی کے ہوتے تھے، نوٹ کے معرض وجود میں آنے کے بعد دفعتًا بہت سے سوالات اٹھ کھڑے ہوئے اور علما و مفتیان کرام کے لیے تشویش کا باعث بنے یہاں تک کہ مکۂ مکرمہ کے مفتیِ اعظم شیخ جمال بن عبداللہ مکی قدس سرہٗ کی خدمت میں نوٹ سے متعلق سوال آیا تو انھوں نے احتیاط پسندی اور کمالِ دیانت و امانت کا ثبوت دیتے ہوئے لکھا:

”المسألة حديثة، و العلم أمانة في أعناق العلماء.
مسئلہ نیا ہے اور علم علما کی گردنوں میں امانت ہے۔“

۱۳۲۳ھ /۱۹۰۵ء میں جب امام احمد رضا قدّس سرّہٗ دوسری بار زیارت حرمین شریفین کے لیے گئے تو محرم ۱۳۲۴ھ /مارچ ۱۹۰۶ء میں مکۂ معظمہ کے دو علماے کرام مولانا عبداللہ احمد میرداد امام مسجد حرام اور ان کے استاذ مولانا حامد احمد محمد جدّاوی علیہما الرحمہ نے نوٹ سے متعلق بارہ سوالات پر مشتمل استفتا اعلیٰ حضرت قدّس سرّہ کی خدمت میں

پیش کیا، اعلیٰ حضرت نے شنبہ ۲۱/ محرم کو جواب شروع کیا اور دوشنبہ ۲۳/ محرم کو چاشت کے وقت مکمل کیا۔ درمیان میں بخار کی وجہ سے وقفہ بھی ہوتا رہا۔ یہ جواب رسالے کی صورت اختیار کر گیا، اس لیے اس کا درج ذیل تاریخی نام تجویز فرمایا:

كفل الفقيه الفاهم في أحكام قرطاس الدراهم (١٣٢٤ھ)

سوالات یہ تھے:

نوٹ مال ہے یا دستاویز کی طرح کوئی سند؟

جب وہ بقدر نصاب ہو اور اس پر سال گزر جائے تو زکات واجب ہوگی یا نہیں؟

کیا اسے مہر مقرر کر سکتے ہیں؟

اگر کوئی اسے محفوظ جگہ سے چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا یا نہیں؟

اگر کوئی اسے تلف کر دے تو عوض میں اسے نوٹ ہی دینا ٹھہرے گا یا روپے؟

کیا روپوں یا اشرفیوں یا پیسوں کے عوض اس کی بیع جائز ہے؟

اگر مثلاً کسی کپڑے سے اسے بدلیں تو یہ بیع مطلق ہوگی یا مقایضہ؟ (جس میں دونوں طرف متاع ہوتی ہے۔)

کیا اسے قرض دینا جائز ہے؟ اور اگر جائز ہے تو ادا کرتے وقت نوٹ ہی دیا جائے یا روپے؟

کیا روپوں کے عوض ایک وعدۂ معینہ پر ادھار اس کا بیچنا جائز ہے؟

کیا اس میں بیع سَلَم جائز ہے؟ یوں کہ روپے پیشگی دیے جائیں کہ مثلاً ایک مہینے کے بعد اس قسم کا اور ایسا نوٹ لیا جائے گا؟

نوٹ پر لکھی رقم سے کم یا زیادہ روپوں کے عوض اس کی بیع کا حکم؟

دس کا نوٹ مثلاً ۱۲/ روپے عوض کی شرط پر قرض دینے کا حکم؟

وضاحت: ان عبارتوں میں روپے سے مراد ہے چاندی کا سکّہ، اور نوٹ سے مراد کاغذی کرنسی۔

ان بارہ سوالات میں سے بنیادی سوال پہلا تھا، اعلیٰ حضرت قدّس سرّہ نے دلائل و شواہد کے ذریعہ اس کی پوری تنقیح فرماکر ثابت کیا کہ یہ تانبے وغیرہ کے رائج فلوس (پیسوں) کی طرح ثمن اصطلاحی ہے اور بعد میں بعض اہل عصر[1] کے رد میں ایک اردو رسالہ" کاسر السَّفیه الواهم في اَبدال قرطاس الدراهم" (۱۳۲۹ھ) بھی تصنیف فرمایا۔ بقیہ گیارہ سوالات کے بھی واضح اور مدلل جوابات کفل الفقیه الفاهم میں مکمل تحریر کیے۔

ایسے لاینحل مسئلے کا ڈیڑھ، دو دن کی مدت میں ایسا مدلّل، مفصل اور تشفی بخش جواب حیرت انگیز بھی تھا اور مسرت خیز بھی۔ مکہ مکرمہ کے علمائے کرام نے اسے بہت پسند کیا اور اس کی نقلیں بھی لیں، آج بھی وہ اس باب میں ایک عظیم فقہی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے جسے تسلیم کرنے پر مخالفین بھی مجبور ہوئے اور انھیں بھی بہت سارے پیچیدہ مسائل کا حل نوٹ کو ثمن اصطلاحی ماننے کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔

اس طرح کے اور بھی جدید مسائل پر اعلیٰ حضرت قدّس سرّہ کا قلم رواں ہوا تو کافی و شافی حل سے ہم کنار کر گیا۔

المنی و الدرر لمن عمد منی آردر (۱۳۱۱ھ) الفقه التسجیلي في عجین النارجیلی (۱۳۱۸ھ) الکشف شافیا حکمَ فونوجرافیا (۱۳۲۸ھ) وغیرہ

---

(۱) ان سے مراد مولوی رشید احمد گنگوہی ہیں جنھوں نے اپنے فتوے میں نوٹ کو تمسک ٹھہرا کر، سِرے سے مال سے خارج، اور کم و بیش درکنار، برابر کو بھی اس کی خرید و فروخت کو ناجائز کہا۔
—— دوسرے مولانا عبدالحی فرنگی محلی جنھوں نے یہ فتویٰ دیا کہ نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہے اس سے کم یا زیادہ پر اس کی بیع نہیں ہو سکتی۔ نامِ رسالہ میں سفیہ سے اول، اور واہم سے دوم کی طرف اشارہ ہے۔ اول کے لحاظ سے لفظ "اِبدال" بکسر ہمزہ مصدر پڑھنا چاہیے کہ اُن کو نفس مبادلہ و بیع نوٹ میں عروض سفاہت ہے۔ اور دوم کے اعتبار سے بفتح ہمزہ، صیغۂ جمع، کہ یہ نوٹ کا صرف ایک بدل - یعنی جو رقم کے برابر ہو - جائز رکھتے ہیں، اور دربارۂ کم و بیش وہمِ ممانعت ہے۔ (دیباچہ کاسر السفیہ الواہم ص: ۱۱۳ - ۱۱۴، مطبع اہلِ سنت و جماعت بریلی شریف۔ بارِ دوم بحیاتِ مصنف باہتمام صدر الشریعہ علیہما الرحمہ)

اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

امام احمد رضا اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، ایک پوری جماعت یا اکیڈمی مل کر جو کام نہ کر پاتی وہ تنہا انجام دیتے، قدرت نے انہیں مسلمانوں کی دینی، علمی، فقہی ضروریات کا کفیل بنا کر جلوہ نما فرمایا تھا۔

ماہ صفر سنہ ۱۳۴۰ھ میں ان کے وصال کے بعد اہم مرجع فتویٰ ان کے خاص تلامذہ و خلفا تھے جن میں حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی اور سرکار مفتی اعظم علیہما الرحمہ سب سے نمایاں تھے۔ پھر ایک دور وہ آیا کہ تنہا حضرت مفتی اعظم علامہ شاہ مصطفیٰ رضا قادری ابن امام احمد رضا علیہما الرحمۃ والرضوان کی ذات سب سے عظیم مرجع فتوی اور جملہ اہل سنت کی مقتدا تھی۔ علما کے درمیان اگر کسی معاملے میں اختلاف ہوتا تو بحث و مباحثہ کے بعد یہی طے ہوتا کہ اسے سرکار مفتی اعظم کی خدمت میں پیش کیا جائے وہ جو فیصلہ فرمائیں گے سب کے لیے قابل قبول ہوگا۔

اعلیٰ حضرت کے بعد مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کا دورِ حیات پورے ساٹھ سال کو محیط ہے ۱۴ محرم ۱۴۰۲ھ کی شب میں ان کا وصال ہوا اور خلقت اپنے اس عظیم مرجع وماوی سے بھی محروم ہوگئی۔

خدا کا فضل و احسان ہوا کہ سنہ ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴ء تک امام احمد رضا قدس سرہٗ کے فتاویٰ کی دستیاب جلدوں کی اشاعت مکمل ہوگئی، ان فتاوی نے بہت سے نئے پرانے مشکل مسائل کے حل میں علماے عصر کی بڑی دست گیری، مشکل کشائی اور رَہ بَری و رَہ نمائی کی۔

مگر حوادث اور مسائل کسی حد پر رُکنے والے نہیں، دنیا میں پیدا ہونے والے نت نئے معاشی اور تمدنی انقلابات، برقی اور شعاعی توانائیوں کے حیرت انگیز اثرات بہت سے مسائل کو جنم دیتے ہیں، خصوصًا تجارت اور اقتصادیات کے باب میں اہل مغرب ایک سے ایک، دل کش اور نفع آور طریقے ایجاد کرتے رہتے ہیں اور پوری دنیا کو اُن کا اسیر

بنانے کی کوشش کرتے ہیں یا حریص طبیعتیں ان کی عاجلانہ منفعت کو دیکھ کر از خود اُن کے دامِ پُرفریب میں گرفتار ہونے لگتی ہیں اور ان میں کسی کو اس سے بحث نہیں ہوتی کہ یہ طریقے شرعاً جائز ہیں یا ناجائز؟ یا کون سی صورت اپنائی جائے تو یہ جائز اور درست ہوں گے اور کس صورت میں ناجائز و حرام ہوں گے۔

اس کی فکر صرف خدا ترس بندوں کو ہوتی ہے، وہ رب کی رضا و خوشنودی کا سودا بڑی سے بڑی مادی منفعت سے کرنا گوارا نہیں کرتے، ان کی صحیح رہ نمائی کے لیے ضروری ہے کہ علماے دین معاشی و تمدنی حالات اور انقلابات کے بطن سے پیدا ہونے والے مسائل کو شرعی و فقہی پیمانے سے جانچیں اور خیر و شر، جائز و ناجائز کا محکم فیصلہ کر کے امت کو معصیت سے بچانے کی تدبیر کریں۔

لیکن دور ایسا آگیا کہ امام احمد رضا کی طرح کوئی جامع علوم، ماہر فنون اور صاحب قوت قدسیہ نہ رہا، اس لیے ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی تنظیم یا ادارہ ماہرینِ علوم و فنون کی ہیئت اجتماعی سے یہ کام لے اور فقہی تحقیق کا سفر آگے بڑھائے۔

مگر ہر طرف سناٹا تھا۔ نہ ضرورت کا احساس، نہ پیش قدمی کا خیال۔ ایک مدت یوں ہی گزر گئی۔ بالآخر جامعہ اشرفیہ کے سربراہِ اعلیٰ، عزیز ملت مولانا عبد الحفیظ صاحب دام ظلّہ نے ہمت کی اور سربرآوردہ علماے اشرفیہ سے مشاورت کے بعد دسمبر ۱۹۹۲ء میں مجلس شرعی قائم کی، اصول طے ہوئے، علماے کرام سے رابطے اور فقہی مذاکرات کی راہ ہموار ہوئی اور جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ /اکتوبر ۱۹۹۳ء میں پہلا سیمینار منعقد ہوا جس کا سلسلہ اب بھی جاری ہے، اور آج ہم پچیسویں فقہی سیمینار میں شرکت کی سعادت سے بہرہ ور ہیں۔

اس فقہی کارواں کے سفر میں شارح بخاری **مفتی محمد شریف الحق امجدی** علیہ الرحمہ کی سرپرستی، دل چسپی اور رہ نمائی، بہت کارگر رہی اور مذاکرات کے انعقاد، سوالات اور مقالات کی تیاری پھر فقہی نشستوں کی نظامت اور مشکل مسائل کو حل کی منزل تک

پہنچانے میں سراجُ الفقہا **مفتی محمد نظام الدین رضوی** دام فیضہ کا کلیدی کردار رہا۔

ابتدا میں مقالات بہت کم آتے، بحثوں میں حصہ لینے والے افراد بھی چند ہی ہوتے، زیادہ لوگ سننے، سمجھنے اور کچھ اخذ کرنے کی فکر میں ہوتے، بعض حضرات کا سکوت توڑنے کے لیے ناظمِ اجلاس کو خصوصی توجہ دینی پڑتی اور نام لے کر راے و دلیل راے کے اظہار کی گزارش کی جاتی، اس طرح سکوت ٹوٹتا رہا، ہمتیں بڑھتی گئیں اور پوری جرأت کے ساتھ بحثوں میں حصہ لینے والوں کی تعداد میں مسرت بخش اضافہ ہوا اور مقالات کی تعداد بھی زیادہ ہونے لگی۔

مقالات لکھنے اور سیمینار میں شرکت کرنے کے لیے ابتدا ہی سے کچھ جواں سال اور باصلاحیت نئے فارغین کو بھی دعوت دی جاتی رہی تاکہ وہ فقہی تحقیق، جرأت اظہار اور سنجیدہ مباحثہ و مناقشہ کے عادی بنیں اور آگے چل کر بزرگوں کی نیابت کر سکیں۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے اور بحمدہٖ تعالیٰ اس کے نتائج وثمرات بھی حوصلہ افزا ہیں۔

قدرت نے انسان میں بے شمار صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں لیکن جب ان کا استعمال ہو پھر انھیں صیقل کر کے متحرک وفعال بنایا جائے تو وہ مفید خاص وعام ہوتی ہیں، ورنہ خفتہ رہ کر مردہ ہو جاتی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ مسائل شرعیہ کے حل میں ہمارے مندوبین اور شرکاے مذاکرات کا اہم کردار ہے، انھوں نے ہر سیمینار سے متعلق مجلس شرعی کے سوالات کو بغور پڑھا، جوابات کے لیے وقت نکالا، کتب فقہ اور متعلقہ دیگر فنون کی کتابوں کا مطالعہ کیا، اپنی جمع شدہ معلومات کو سلیقے سے مرتب کر کے مقالات کی صورت میں پیش کیا، تلخیص نگاروں نے اچھی طرح کدّ و کاوش کر کے مقالات کا جائزہ لیا، خیالات و آرا کو اُن کے دلائل و تمسکات کے ساتھ کھنگال کر عمدہ انداز میں پیش کیا، پھر جملہ مندوبین نے بحثوں میں دل چسپی سے حصہ لیا، صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط جاننے اور متعین کرنے کی کوشش کی، خواہ وہ اپنی راے ہو یا کسی اور کی، پھر انشراحِ صدر کے ساتھ کسی حکم پر مخلصانہ اتفاق

کر کے اسے فیصلے کی صورت دی —— **یہ وہ امور ہیں** جن میں اُن کی مساعیِ جمیلہ کی کار فرمائی نہ ہوتی تو کچھ نہ ہوتا۔

یہ چاہتے تو بہت سے آرام پسند اور راحت طلب لوگوں کی طرح خانۂ عافیت میں گوشہ نشین رہتے، اس طرح اپنی خداداد صلاحیتوں کو بھی خفتہ یا مردہ کر دیتے اور ملت کو بھی اپنی افادیت سے محروم رکھتے مگر خدا کا شکر ہے کہ اس نے ان مردانِ کار کو پست خیالات اور بے عملی کی آفات سے بچایا، کام کرنے کی ہمت دی، امت کی فائدہ رسانی کے لیے انھیں منتخب کیا اور ان کے لیے وہ جزا وعطا خاص فرمائی جو اُس اکرم الاکرمین کی اعلیٰ شان کریمی کے شایاں ہے۔ فله الحمد و المنّة، و للعاملین الشکر و النِّعمة.

ان میں کچھ شخصیات وہ ہیں جو ہم سے رخصت ہو چکی ہیں اور زیادہ وہ ہیں جو از ابتدا تا حال شریک سفر ہیں اور کچھ وہ ہیں جن کی شرکت دو چار سال قبل سے شروع ہوئی ہے، ہمیں سبھی کی خدمات کا اعتراف ہے، سبھی کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور ان کے لیے ربّ کریم سے نیک جزاؤں کے خواست گار ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ **۲۵ر برسوں میں آپ لوگوں نے کیا کیا اور قوم کو کیا دیا؟**

جواباً عرض ہے: ستّر سے زیادہ اہم اور پیچیدہ مسائل کا بصیرت افروز حل پیش کیا اور فیصلوں کو شائع کر کے صحیح سمت میں قوم کی رہ نمائی کی۔

ذرا تکلیف کر کے سنہ ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء سے ۱۴۳۹ھ/۲۰۱۷ء تک کے ماہ نامہ اشرفیہ کے وہ خصوصی شمارے دیکھیں جن میں سیمیناروں کی اجمالی رودادیں شائع ہوئی ہیں، صحیفۂ مجلس شرعی جلد اول، دوم دیکھیں۔ ۵ر سال قبل ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء میں ۵۴۴ صفحات پر شائع ہونے والی کتاب "مجلس شرعی کے فیصلے" دیکھیں جس میں بہت اختصار کے ساتھ ساٹھ مسائل کے فیصلے درج ہیں، سال رواں میں ڈیڑھ دو ماہ قبل نشر شدہ ایک ہزار چار سو چونسٹھ (۱۴۶۴) صفحات پر مشتمل درج ذیل کتاب کی تین جلدیں دیکھیں:

"جدید مسائل پر علما کی رائیں اور فیصلے"

ان شاء اللہ تعالیٰ سال رواں ۱۴۴۰ھ کے اختتام سے پہلے اس سلسلے کی مزید دو جلدیں ملاحظہ کریں گے۔ ان جلدوں میں فیصلوں سے قبل مندوبین کی رائیں اور ان کی دلیلیں بھی اجمالاً مذکور ہیں جن سے ان کی کاوشوں کا اندازہ اہل علم بخوبی کر سکتے ہیں۔

یہ سارا کام ان حضرات نے اپنے درس و تدریس، وعظ و تقریر اور خانگی و عائلی امور جاری رکھتے ہوئے کیا ہے۔ ان میں ایک فرد بھی ایسا نہیں جو ساری مصروفیات سے الگ تھلگ ہو کر سال بھر یا چند ماہ اسی کام کے لیے مختص رہا ہو۔ جب کہ ذمہ دارانِ قوم اگر کچھ لوگوں کو سال بھر مسائل کی تحقیق اور ان پر مناقشہ و مباحثہ اور فیصلہ ہی کے لیے مختص کر دیں تو بے جا نہیں بالکل بجا اور نہایت مفید ہے۔

اب اگر میں ان مسائل کو ذکر کرتے ہوئے ان کی دقّتوں اور فیصلے کی منزل تک لانے کی کاوشوں کی طرف صرف اشارات کروں تو شاید سو صفحات بھی ناکافی ہوں گے۔ اس مجلس میں نہ اِس قدر طولِ کلام کی گنجائش، نہ اتنے صفحات کی تسوید کا مجھے موقع۔ شائقین مذکورہ پانچ جلدوں کا مطالعہ کر کے تشفی کر سکتے ہیں۔ کچھ جاننے اور سیکھنے کے لیے پڑھنے اور مطالعہ کرنے سے مفر نہیں۔

ہاں اگر یہاں میں ان مسائل کی صرف فہرست پیش کر دوں تو شاید بار خاطر نہ ہو۔ ملاحظہ فرمائیں جو مسائل حل کی منزل سے ہم کنار ہوئے ان کے عنوانات یہ ہیں:

۱-۲- الکحل آمیز دواؤں اور رنگین چیزوں کا استعمال
۳-بیمۂ زندگی
۴-بیمۂ اموال (جبری) بیمۂ اموال (اختیاری)
۵-شناختی کارڈ کے لیے فوٹو کھنچانے کی اجازت
۶-مشترکہ سرمایہ کمپنی میں شرکت کے احکام
۷-دوامی اجارہ (پگڑی کے ساتھ معاملۂ کرایہ فروخت)

۸- دیون اور ان کے منافع کی زکات
۹- چک کی خرید وفروخت
۱۰-اسباب ستہ اور عموم بلوی کی تنقیح ۱۱- اعضا کی پیوند کاری
۱۲- علاج کے لیے انسانی خون کا استعمال
۱۳- تالاب اور باغات کے ٹھیکے کا مسئلہ
۱۴- دیہات میں جمعہ
۱۵- غیر مسلم حکومتوں میں جمعہ وعیدین
۱۶- ہائر پرچیز (معاملہ کرایہ فروخت) کا حکم
۱۷- چھت سے سعی وطواف
۱۸- بیمہ وغیرہ میں ورثہ کی نام زدگی کی شرعی حیثیت
۱۹-فقدان زوج کی مختلف صورتوں کے احکام
۲۰-فسخ نکاح بوجہ تعسر نفقہ
۲۱- مصنوعی سیارہ (سیٹلائٹ) سے رویت ہلال کا حکم
۲۲-فلیٹوں کی خرید وفروخت کے جدید طریقے اور ان کے احکام
۲۳- قضاۃ اور ان کے حدود ولایت
۲۴ تا ۲۸- مسائل حج
۲۹- دنیا کی حکومتیں اور ان کی شرعی حیثیت
۳۰-آنکھ اور کان میں دوا ڈالنا مفسد صوم ہے یا نہیں
۳۱-تقلید غیر کب جائز، کب ناجائز؟
۳۲-بیت المال کے نام پر تحصیل زکات
۳۳-مسلم کالج اور اسکول کے نام پر تحصیلِ زکات
۳۴-کریڈٹ کارڈ

۳۵-تحصیل صدقات پر کمیشن
۳۶-طبیب کے لیے اسلام اور تقوی کی شرط
۳۷-مساجد میں مدارس کا قیام
۳۸-نیٹ ورک مارکیٹنگ کی شرعی حیثیت
۳۹-میوچول فنڈ کے ذریعہ کمپنیوں میں کاروبار
۴۰-پرافٹ پلس کا حکم
۴۱-طویل المیعاد قرض پر زکات کا حکم
۴۲-درآمد، برآمد گوشت کا حکم
۴۳-جدید مسعیٰ میں سعی کا حکم
۴۴-مساجد کی آمدنی سے اے سی وغیرہ کا انتظام
۴۵-مجوزہ فلیٹوں کی سلسلہ وار بیع
۴۶-غیر رسم عثمانی میں قرآن حکیم کی کتابت
۴۷-طویلے کے جانوروں اور دودھ پر زکات
۴۸-اینی میشن (Animation) کا شرعی حکم
۴۹-برقی کتابوں کی خرید و فروخت
۵۰-زینت کے لیے قرآنی آیات اور کلمات مقدسہ کا استعمال
۵۱-انٹرنیٹ کے شرعی حدود
۵۲-بینکوں کی ملازمت شریعت کی روشنی میں
۵۳-فلیٹوں کی زکات
۵۴-مسئلۂ کفاءت عصر حاضر کے تناظر میں
۵۵-ڈی این اے ٹیسٹ اسلامی نقطۂ نظر سے
۵۶-انٹرنیٹ کے موادو مشمولات کا شرعی حکم

۵۷-عذر کے باعث طواف زیارت میں تاخیر کا شرعی حکم
۵۸-چلتی ٹرین پر فرض اور واجب نمازوں کا شرعی حکم
۵۹-جینیٹک ٹیسٹ کا شرعی حکم
۶۰-بلڈ بینک میں خون جمع کرنے کا حکم
۶۱-جدید ایجادات میں بطریق قراءت یا کتابت قرآن کریم وغیرہ بھرنے اور اسے چھونے وغیرہ کے احکام
۶۲-رشوت سے آلودہ ماحول میں حقوق العباد کی حفاظت شرعی نقطۂ نگاہ سے
۶۳-فارن کرنسی اکاونٹ میں جمع سرمایے کی زکات
۶۴-فقہی فروعی اختلافات کی شرعی حیثیت
۶۵-ضروریات دین اور ضروریات مذہب اہل سنت کی وضاحت
۶۶-دباغت سے پہلے ناپاک کھال کی خرید وفروخت
۶۷-روزے کی حالت میں علاج کے کچھ نئے مسائل
۶۸-غذائی اشیا میں نقصان دہ دواؤں اور کیمیکلز کا استعمال
۶۹-اردو تراجم قرآن کو دوسری عجمی زبانوں کے رسم الخط میں لکھنے کا حکم
۷۰-بینک گارنٹی لیٹر شرعی نقطۂ نظر سے
۷۱-بینک اکاونٹ میں رقوم کا اندراج شرعاً قبضہ ہے یا نہیں؟
۷۲-انتفاع کی شرط کے ساتھ دُکان، مکان وغیرہ کا رہن
۷۳-ای کامرس ٹریڈنگ شرعی نقطۂ نظر سے

مذکورہ مسائل میں سے بیش تر وہ ہیں جن میں تحقیق وجستجو اور محنت ومشقت کی بڑی کارفرمائی ہے، یہ میدان میں قدم رکھنے والوں کو بخوبی معلوم ہے۔ ؎

کنارے سے کبھی اندازۂ طوفاں نہیں ہوتا

موجودہ پچیسویں فقہی سیمینار میں چار پانچ مسائل زیر بحث آنے والے ہیں، ان

شاء المولی الموفّق الکریم ان کی تکمیل کے بعد یہ تعداد ۸۷ تک پہنچ جائے گی۔ فالحمد لله حمداً موافیا لنعمه، و مکافیا لمزیده.

مسائل کی تحقیق کا کام کتنا ہی نفع بخش اور بار آور ہو مگر عوام کو اس کی اہمیت کا اندازہ کم ہی ہوتا ہے یا بالکل نہیں ہوتا، ان حالات میں اگر کوئی اس طرف دست تعاون دراز کرتا ہے تو وہ ہمارے لیے بڑے ہی تشکر و امتنان کا باعث ہے۔

میں نے تیرھویں سیمینار کے بعد "اظہارِ حقیقت اور شکر اہل عزیمت" کے عنوان سے ماہ نامہ اشرفیہ میں ایک مضمون شائع کیا تھا جس میں یہ ذکر تھا کہ ایک سیمینار کتنے مراحل سے گزر کر اور کتنے حضرات کی محنتوں کا جام پی کر تکمیل آشنا ہوتا ہے، یہ مضمون "جدید مسائل..." جلد دوم میں بھی شامل ہے میں یہاں اس کا ایک حصہ نقل کرتا ہوں اور بعد کے سیمیناروں کے پیشِ نظر اضافہ بھی کرتا ہوں:

" خوشی کی بات یہ ہے کہ مجلس شرعی کی کاوشوں کی اہمیت محسوس کی جا رہی ہے اور اس راہ میں مالی تعاون کا شمار بھی کار خیر کے تحت آ گیا ہے، ورنہ اس سے پہلے کار خیر کے لیے عوام کی سوچ مسجد، مدرسہ اور جلسہ و جلوس سے آگے یا دائیں بائیں کہیں نہ جاتی تھی، اگرچہ ایسے ذی فہم اور بالغ نظر معاونین کی تعداد انگلیوں پر آسانی سے گنی جا سکتی ہے پھر بھی ربّ کریم کا بے پایاں کرم ہے کہ اپنے کچھ بندوں کے سینے اس طرح کے گم نام خالص دینی و علمی کام کرنے والے افراد کے لیے کھول دیے اور دین و ملت کے بہت سے اہم کام انجام پذیر ہونے لگے۔

(الف) دسویں فقہی سیمینار کے مندوبین کے لیے مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی شائع کردہ تقریباً ۴۰ کتب کا ایک ایک سیٹ (جس میں فقہ کی قدوری، شرح وقایہ، ہدایہ وغیرہ۔ احادیث کی مؤطا، مشکاۃ شریف، ترمذی شریف وغیرہ اور دیگر کئی فنون کی اہم کتابیں شامل ہیں۔) حضرت امین ملت ڈاکٹر سید شاہ محمد امین برکاتی صاحبِ سجادہ مارہرہ مطہرہ کی عنایت سے ایک باہمت اور قدر شناس معاون نے تمام شرکا و

مندوبین کی خدمت میں پیش کیا اور تیرہویں فقہی سیمینار میں بھی فتح القدیر کی نو جلدوں، بدائع الصنائع کی سات جلدوں اور تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق کی سات جلدوں کا سیٹ پیش کیا اور شان اخلاص وہی کہ نہ صلے کی پروا، نہ ستائش کی تمنّا۔ فجزاہ اللہ خیر ما یجزی بہ عبادہ المخلصین.

(ب) گیارہویں فقہی سیمینار منعقدہ ممبئی کے تمام مصارف مولانا شاکر علی نوری کی سرکردگی میں سنی دعوت اسلامی نے برداشت کیے[1] اور تیرہویں فقہی سیمینار منعقدہ مبارک پور میں بھی ایک ایک عمدہ قیمتی بیگ کا تحفہ ہر مندوب کے لیے بھیج دیا۔

جامعہ اشرفیہ کے دور افتادہ قدیم فاضل بڑے مخلص و ہمدرد اور دینی و علمی کاموں کے لیے پُر جوش عالم مولانا محمد اقبال مصباحی گجراتی نے بھی اپنے تعاون سے نوازا۔

(ج) تیرہویں فقہی سیمینار کے دیگر مصارف کی ادائگی کے لیے جمعیت اہل سنت کُرلا ممبئی نے دست تعاون بڑھایا اور جناب فیضان احمد ابن جناب عبد العلی عزیزی، جناب جاوید بھائی، جناب شاہد بھائی اور مولانا حافظ شرافت حسین نے مبارکپور آکر خود سیمینار کے انتظامات اور مجالسِ مذاکرہ کا مشاہدہ بھی کیا۔ رب کریم تمام معاونین کو اپنی بے پایاں رحمتوں، برکتوں اور بے کراں فضل واحسان سے نوازے۔“

(د) پندرہویں فقہی سیمینار منعقدہ ۱۸/ تا ۲۰/ صفر ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۶/ تا ۲۸/ فروری ۲۰۰۸ء بمقام جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے جملہ مصارف کا انتظام حضرت مولانا شاکر علی نوری امیر سنی دعوتِ اسلامی کی عنایت سے ہوا، یہ دوسرا موقع تھا جب کہ انھوں نے جملہ مصارف کا بار اپنے سر لیا اور مجلس کو مالی مشکل سے بے فکر کر دیا۔

(ہ) سترہواں فقہی سیمینار ۱۴/ تا ۱۷/ صفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۳۰/ جنوری تا ۲/

---

(۱) یہ پہلا اتفاق تھا کہ کسی تنظیم نے سیمینار کے جملہ مصارف برداشت کیے اور سیمینار مبارک پور سے باہر عروس البلاد کی سرزمین پر منعقد ہوا، تاریخ انعقاد ۱۸/ تا ۲۰/ جمادی الاولی ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۹/ تا ۳۱/ جولائی ۲۰۰۵ء۔ جمعہ تا یک شنبہ۔

فروری ۲۰۱۰ء دارالعلوم نوری اِندور ایم پی میں ہوا، مصارف کا انتظام مولانا حبیب یار خان اور الحاج عبدالغفار نوری کی سرکردگی میں ہوا، ان حضرات، ان کے رفقا اور دارالعلوم نوری کے ارکان اور طلبا و اساتذہ نے مندوبین کی خدمت وضیافت اور دیگر امور میں بڑی دل چسپی اور مسرت و سرخوشی سے حصہ لیا۔ فجزاھم اللہ خیر الجزاء.

(و) اٹھارہواں فقہی سیمینار ۱۷/ تا ۱۹/ صفر ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۲/ تا ۲۴/ جنوری ۲۰۱۱ء شنبہ تا دوشنبہ حرا پبلک اسکول مہاپولی، ضلع تھانے، مہاراشٹر میں ہوا، اس کا سہرا بھی مولانا شاکر علی نوری اور سنی دعوت اسلامی کے احباب کے سر ہے، یہ دوسرا موقع تھا کہ ان حضرات کے زیر انتظام مجلس شرعی کا سیمینار مہاراشٹر کی سرزمین پر منعقد ہوا۔ اور تیسرا موقع تھا جب انھوں نے سیمینار کے جملہ مصارف بخوشی برداشت کیے اور اس اہم جماعتی کاز کے لیے سب سے زیادہ حسّاس اور فعّال ہونے کا عملی ثبوت پیش کیا۔

(ز) انیسواں فقہی سیمینار ۱۹/ تا ۲۱/ صفر ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۴/ تا ۱۶/ جنوری ۲۰۱۲ء شنبہ تا دوشنبہ دارالعلوم امجدیہ بھیونڈی، مہاراشٹر میں ہوا، اس کا سارا انتظام الحاج وقار احمد عزیزی اور ان کے احباب و رفقا کی ہمت و خلوص کا رہینِ منت ہے۔

(ح) بیسواں فقہی سیمینار ۶/ تا ۸/ رجب ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۷/ تا ۱۹/ مئی ۲۰۱۳ء، جمعہ تا یک شنبہ جامعہ البرکات، علی گڑھ میں منعقد ہوا۔

اس موقع پر احقر نے عرض کیا تھا:

”ہم سراپا سپاس و امتنان ہیں کہ مجلس شرعی کے سرپرست حضرت امین ملت پروفیسر سید محمد امین میاں برکاتی دام ظلہ نے بیسویں سیمینار کے لیے جامعہ البرکات کی فضا پسند فرمائی اور ایک ڈیڑھ سال قبل دارالعلوم امجدیہ بھیونڈی میں منعقدہ انیسویں سیمینار کے آخری اجلاس میں بذات خود جملہ مندوبین کو علی گڑھ آنے کی دعوت دی جس کی تکمیل آج عملی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

الحمد للہ !اس خاندان اور اس خانقاہ میں بذل و سخا اور جود و عطا کی شان آج بھی نمایاں ہے، یہاں اس سیمینار کا انعقاد بھی اسی کا ایک جلوۂ دل نواز ہے۔"

(ط) ۲۱واں فقہی سیمینار ۱۵/ تا ۱۷/ صفر ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۹/ تا ۲۱/ دسمبر ۲۰۱۳ء پنج شنبہ تا شنبہ پونے، مہاراشٹر میں ہوا۔ یہ حضرت مولانا ایاز احمد مصباحی مرحوم سابق مہتمم دارالعلوم قادریہ پونے مہاراشٹر، مولانا نوشاد عالم مصباحی غازیپوری، صدر دارالعلوم اور ان کے رفقا کے اہتمام و انتظام اور نامساعد حالات میں ان کی ہمت و استقامت کا مظہر جمیل تھا۔

مولیٰ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت و غفران اور کریمانہ عطاؤں سے نوازے اور ان کے صدر و رفقا و معاونین کو دارین میں بہتر صلہ مرحمت فرمائے۔

(ی) ۲۳واں فقہی سیمینار ۱۶ تا ۱۸/ صفر ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۸ تا ۳۰/ نومبر ۲۰۱۵ء شنبہ تا دوشنبہ منعقدہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے مصارف دعوت اسلامی کی قریبی شاخ نے ادا کیے اور کچھ احباب یہاں آکر انتظام میں بھی معاونت کرتے رہے۔ فجزاھم اللہ خیر الجزاء.

(یا) کچھ اور کرم فرماؤں نے بھی موقع بموقع اپنے تعاون سے نوازا، خانقاہِ حبیبیہ پُرخاص ضلع کوشامبی کے صاحبِ سجّادہ، محترم سید اصحاب صفی مرحوم نے بھی ایک سیمینار میں اپنے گراں قدر تعاون سے ہمت افزائی کی، ایک بار جامعہ کے چند ابنائے قدیم یعنی مصباحی فاضلین نے مل کر سیمینار کے تمام مصارف ادا کیے۔ مرحوم مولانا بشیر القادری نے ایک بار اپنے ادارہ واقع اِسری بازار ضلع گریڈیہ کی جانب سے مندوبین کو سوٹ کیس پیش کیا۔ اور بھی بعض حضرات ہوں گے جن کے نام اور کام کی تفصیل، ہوسکتا ہے میرے ذہن سے نکل گئی ہو۔ جن حضرات نے بھی اخلاص کے ساتھ کوئی تعاون کیا یا کوئی بھی دینی خدمت انجام دی وہ شکر و اجر کے مستحق ہیں۔

میں مجلس شرعی کی جانب سے قلمی، لسانی، بدنی، مالی کسی بھی طرح کا تعاون کرنے

والے ہر کرم فرما کا شکریہ ادا کرتا ہوں، دعا ہے کہ رب کریم ان کے مخلصانہ حوصلوں کو قوت و استحکام بخشے، ان سے دین متین کی بیش بہا خدمات انجام دلائے، دارین میں انہیں سعادت و سرفرازی سے نوازے بلکہ ہم سب کو اپنی بے کراں نعمتوں سے بہرۂ وافر عطا فرمائے۔ اور شکرِ نعم کی توفیقِ جمیل بھی ارزاں فرمائے۔ و ما ذلك علیه بعزیز۔

رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ یہ کاروانِ تحقیق مزید ہمت و شوق کے ساتھ سرگرم سفر رہے گا۔ اور مسائل جدیدہ و مشکلہ کی عُقدہ کشائی کر کے امت کی رَہ نمائی کا فریضہ انجام دیتا رہے گا۔

کچھ اور باتیں بھی تھیں مگر اب زیادہ وقت لینا مناسب نہیں، اجمالاً عرض ہے کہ اس دور میں فتنوں کو منظّم اور منصوبہ بند طور پر ہَوا دی جا رہی ہے، داخلی اور خارجی سبھی باطل فرقے اور جماعتیں اپنے بال و پَر مضبوط کرنے میں لگی ہوئی ہیں اور ہم شاید اپنے بال و پَر کترنے ہی کو بڑا ہنر سمجھتے ہیں جب کہ خارجی و داخلی فتنوں کا مقابلہ کرنے اور اپنی جماعت کو عزت و شوکت دینے کے لیے بڑی زبردست قوّت اجتماعی اور قوت عملی کی ضرورت ہے۔ مَولا تعالیٰ فراستِ ایمانی، حکمتِ عملی اور مضبوط قوتِ ارادی کے ساتھ محکم، مفید تر اور وسیع تر کام کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور جماعتِ حقّہ کو افتراق و انتشار اور ضعفِ عمل سے بچائے۔

و هو المستعان و علیه التكلان، و إلیه الإنابة و منه الإعانة. و صلی الله تعالی علی خیر خلقه سید المرسلین، خاتم النبیین و علی آله و صحبه و حزبه أجمعین.

باب دوم
ص۱۶۸ تا ۳۵۲
دیگر مجالس و سیمینار میں
پیش کیے گئے خطبات

”غیر مقلدیت“ ورسم اجرا ”نصر المقلدین“

بموقع ”یوم مفتی اعظم ہند“

بتاریخ: ۱۲؍ جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ مطابق ۵؍ اپریل ۲۰۱۲ء

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم:

یہ جشن یوم مفتی اعظم ہند جو غالبًا ۱۹۸۸ء سے طلبۂ سابعہ کے ذریعہ پابندی سے انعقاد پذیر ہورہاہے، اس پر ہم ہمیشہ ان طلبہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اپنے بزرگوں کی یاد منانا اور ان کے ذکر کی محفل قائم کرنا تاکہ ہم ان کے نقش قدم پر چلیں اور ان کے اسوۂ حیات سے درس حاصل کریں، یہ ہمارا دینی اور ملی فریضہ ہوتا ہے اور ہمارا ادارہ جن شخصیات سے وابستہ ہے اور جس مرکز علمی وفکری کی تر جمانی کرتا ہے اس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ، ان کے جانشینوں اور ان سے وابستہ شخصیتوں کا ہم ذکر کرتے رہیں، تاکہ ہم اپنے مرکز سے جدا نہ ہوں اور اسی طرز حیات اور اسی طرز فکر پر ہم قائم رہیں اس روایت کو طلبہ نے قائم رکھا ہے، اس پر ہم تمام اہل ادارہ کی طرف سے ان کو مبارک باد پیش کرتے ہیں اور ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

اب ان کی جانب سے اس موقع پر کسی کتاب کی اشاعت کا سلسلہ بھی جاری ہوا ہے، ویسے جامعہ کے طلبہ کی طرف سے برابر کتابیں شائع ہوتی رہی ہیں، لیکن اب خاص یوم مفتی اعظم ہند کے موقع پر بھی کوئی کتاب شائع ہونے لگی ہے، گذشتہ سال **”انوار آفتاب صداقت“** (مصنفہ: قاضی فضل احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ) کی اشاعت ہوئی تھی اور اس سال **”نصر المقلدین“** کی اشاعت ہوئی ہے

اور اس کی ضرورت تھی اس لیے کہ ہمارے ہندوستان میں اور باہر بھی جو فتنہ پیدا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ائمۂ دین سے امت کا رشتہ منقطع کردیا جائے۔ اگرچہ اس کو بہت خوبصورت طریقے سے لوگوں کے ذہن میں اتارنے کی کوشش کی جارہی ہے اور کتاب وسنت کانام لے کر اور اس کے اتباع کی دعوت دے کر لوگوں کو بلایا جارہا ہے اور کہا جارہا ہے کہ ''کسی امام کے پیچھے چلنا گویا کہ اربابا من دون اللہ کی پیروی کرنا ہے اور اسلام سے منحرف ہونا ہے'' لیکن حقیقت یہ ہے کہ امت جو رسول اللہ ﷺ تک راستہ پاتی ہے تو انھیں ائمۂ کرام کے ذریعہ، اگر یہ محدثین کرام اور ائمۂ کرام اور علماے دین کی کڑیاں نکال دی جائیں تو ہمارا رسول کریم ﷺ کی ذات سے رابطہ باقی نہیں رہے گا، ان حضرات (ائمہ ومحدثین) نے نہ صرف یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا اور کتاب اللہ کا مطالعہ کیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے کتاب وسنت سے مسائل کا استخراج کیا، اس میں وہ اپنے نفس کی پیروی میں نہ رہے کبھی انھوں نے یہ تلاش نہ کیا کہ جو چیز ہمارے لیے آسان ہو بس اسی کا انتخاب کرلو اور جو چیز مشکل ہو اس کو ترک کردو، بلکہ انھوں نے ہمیشہ یہ دیکھا کہ قرآن کا ہم سے مطالبہ کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ کا فرمان کیا ہے ؟جو ارشاد ہے اس کی بجاآوری ہونا ضروری ہے چاہے ہمارے لیے کتنی ہی گراں (اور) کتنی ہی مشکل ہو بلکہ عبادات کے باب میں رسول اللہ ﷺ کا جو ارشاد ہے ''افضل العبادات أحمزها''[1] سب سے بہتر عبادت وہ ہے جس میں مشقت اور محنت زیادہ ہو۔ اس کو ہمارے ائمہ نے ملحوظ رکھا ہے خاص طور سے مذہب حنفی میں عبادات کے معاملے میں مشقت ہی کی رعایت کی گئی ہے اور بات بات پر آسانیاں نہیں تلاش کی گئیں۔ جو لوگ ائمہ کی پیروی ترک کرنے کی دعوت دے رہے ہیں وہ ہمیشہ

---

(۱) المحیط البرہانی، الفصل العشرون فی صلاۃ التطوع، ج۱، ص۴۳۶۔

آسان چیز کی تلاش کرتے ہیں ان کے پاس کوئی اجتہادی قوت نہیں ہے۔ اجتہاد ہونے کے لیے تمام محدثین کے حالات کا،ان کی ولادت کا، وفات کا، زندگی کے طورطریقے کا،ان کے اساتذہ وشیوخ کا، ان کے معاصرین کااورجن لوگوں سے انھوں نے حدیثیں اخذ کی ہیں ہرایک کا کامل علم ہونا چاہیے۔

اس وقت میں دعوے کےساتھ کہتاہوں کہ روئے زمین پر یہ ایک فرد بھی ایسانہیں دکھاسکتے جس کے پاس ان تمام لوگوں کے حالات کاعلم ہو،یہ سارا انحصار انھیں حضرات پر کرتے ہیں جنھوں نے ائمہ کے حالات میں، محدثین کے حالات میں کتابیں لکھیں، وہ خواہ شمس الدین ذہبی ہوں،یا ان کے شیخ جمال الدین مزّی ہوں یا اور ان کے بعد کے علمامیں ابن حجرعسقلانی ہوں، ان کےعلاوہ ان کے پاس کوئی معیاراورکوئی پیمانہ نہیں،جس کے بارے میں انھوں نے لکھاہے کہ ”ضعیف ہے“ تو یہ ان کو ضعیف کہیں گے،جن کو انھوں نے ثقہ لکھاان کو ثقہ کہیں گے بلکہ اپنے مطلب کےلیے اس سے بھی انحراف کرجاتے ہیں(مثلاً ایک راوی کےبارےمیں چنداقوال ذکرکیےگئے لیکن جس کی روایت کو انھیں ترک کرناہے تواس کے بارے میں جرح والاقول لیں گےاورتوثیق والا قول چھوڑدیں گے،یہ ان کی خاص علامت ہے۔)

اوراب تو سب کچھ چھوڑ کرمحض شخص واحد ناصرالدین البانی نےجوکچھ لکھ دیا جمع کردیااور اس کو ان لوگوں نے انٹرنیٹ پراپ لوڈ کردیااس کو دیکھ لیناہی کافی سمجھتے ہیں یہ کسی مجتہد کی شان نہیں ہےاورنہ ہی یہ لوگ(وہابیہ غیر مقلدین) اس پرعمل کرکے تقلید سے بچ سکتے ہیں۔چودہ سوسال پہلےیا بارہ سوسال پہلےکے ائمہ کی تقلید اوران پراعتماد ترک کرکے تیرہویں اور چودہویں صدی کے ایک شخص پراعتماد کرلیا تو تقلید سے بری کہاں ہوئے؟ رجال کاباب آیا توبھی کسی کی تقلید کی،رجال کے بارے میں توثیق و تضعیف

کاباب آیا تو بھی کسی کی تقلید کی اوراحادیث کے سلسلے میں تو سرے سے ان کے پاس وہ روایت ہی نہیں ہے جو سینےوالی ہوتی ہے اورامام اعظم کے یہاں تو یہاں تک شرط تھی کہ اس وقت تک کسی کی روایت قبول نہیں کی جائے گی جب تک سننے سے لے کر، اداکرنے تک اس کے سینے میں محفوظ نہ ہو،جب کہ دیگرائمہ کے یہاں سہولت تھی کہ اگر کتاب کے ذریعہ بھی اس نےمحفوظ کرر کھا ہے،لکھ رکھاہے،پھراس کی روایت کتاب کو دیکھ کرکررہاہے تواس کی روایت بھی مقبول ہے اور امام اعظم کے یہاں یہ شدت تھی کہ راوی کی روایت اسی وقت قابل قبول ہوگی جب کہ وہ شخص روایت سننے سے لے کراس کے پہنچانے تک اس کاحافظ ہو،تواس طریقہ کاسلسلۂ روایت ہے ہی نہیں یہ ختم ہوچکا ہےاور جن حضرات کی روایت پر اعتماد کررہے ہیں یہ سب کے سب مقلد ہیں،چاہے امام ترمذی ہوں یا امام نسائی، امام ابوداؤد ہوں یاامام ابن ماجہ سب کے سب مقلد ہیں،امام مسلم اورامام بخاری بھی مقلد ہیں،امام بخاری کے بارے میں توخیر دوقول ہیں،ایک قول یہ ہے کہ وہ مجتہد مطلق تھے اور دوسراقول یہ ہے کہ وہ مقلد تھے تو ان کے طور پر تویہ ائمہ تقلید کرکے مشرک ہوچکےاور یہ ان مشرکوں کی روایتوں کو قبول کررہے ہیں اوران کو مان رہے ہیں! ضعیف اور کمزور، کذاب اور متّہم بالکذب یہ سب تودر کناررہایہ لوگ اسلام سے ہی خارج ہوگئےیہ سب مشرک ہوگئے،توغیرمقلدین کی ساری دعوت ان مشرکوں کی روایت کی طرف ہے،ان کے پاس کوئی اپنا سلسلۂ روایت ہوتو لائیں یہ دنیا بھرمیں ائمہ سے چھڑاکردراصل اپنا متبع اورمقلدبنانا چاہتے ہیں،اس لیے کہ آپ ہندوستان میں، پاکستان میں،بنگلہ دیش میں،نجد میں اور سعودی عرب میں دیکھ لیں کہ جو مسئلہ ایک شخص نے لکھ دیا اور ایک شخص نے بیان کردیاسب اسی پر کار بندہیں کوئی اس سےانحراف نہیں کررہاہے،غیرمقلدہیں لیکن سب کے نزدیک تراویح آٹھ

رکعت ہے(جب کہ)بیس رکعت کا ثبوت ہے چھتیس رکعت کابھی قول ہے، چالیس رکعت کی بھی ایک روایت ہے،لیکن وہ سختی والا قول نہیں لیں گے ہمیشہ آسانی والا۔تین طلاقوں سے ایک ہی طلاق واقع ہوگی،یہ کسی امام کا قول نہیں ہے،لیکن وہی ان کے نزدیک پسندیدہ ہے یہاں تک کہ شوکانی نے "نیل الاوطار"میں یہ لکھ دیااوریہ بتادیاکہ "بالغ کو بھی اگرعورت دودھ پلادےتووہ اس کارضاعی بیٹاہوجائے گا"اس پربھی ان لوگوں نےعمل شروع کردیا،سعودیہ عربیہ میں اس پربھی عمل (ان لوگوں نے) شروع کردیاہے،تواگریہ اجتہاد کریں توان کااجتہاد یہاں تک پہنچتا ہے ورنہ تو ائمہ ہی سےیہ روایتیں لیتے رہے،یہ کیا بات ہے کہ اگر آپ مجتہد ہیں تو ایک مجتہد کادوسرے مجتہد سے ہر دورمیں اختلاف رہاہےلیکن یہاں سب کا ایک ہی اجتہاد،ایک ہی فتویٰ، ایک ہی حکم، ایک ہی عمل ؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک پانچواں مذہب تیارکرلیا ہے اور اس کی پیروی کی دعوت دی جارہی ہے اورنام لیا جارہاہے،کتاب وسنت کی پیروی کا! تویہ ہےان کا مذہب جو ان (تمام مذاہب) سے الگ تھلگ ایک مذہب ہے،نہ ان کےپاس قوت اجتہادہے،نہ علمِ رجال ہے،نہ علمِ حدیث ہے، نہ علمِ قرآن،استخراج کی جوصلاحیت ایک مجتہدکوہونی چاہیےوہ ان میں سے کسی کے پاس بھی موجود نہیں ہے،مختلف مذاہب سےخوشہ چینی کرکے ایک معجون مرکب تیارکیا ہے اوروہ پانچواں مذہب بن گیاہے،اوراس کی دعوت دے رہے ہیں اور نام کتاب وسنت کا لیتے ہیں!اورجہاں جہاں انھوں نے ائمہ کا دامن چھوڑاہےتو وہاں آپ دیکھ رہےہیں کہ (مثلاًڈرائیورکواگردودھ پلادیا ہے عورت نے تو وہ اس کا بیٹا ہوگیا اب اس کے ساتھ کتنی ہی خلوت صحیحہ ہو، کتناہی لمباسفرہوکوئی حرج نہیں۔یہ اجتہاد ہےیا بڑےبڑے فتنوں کا پھاٹک؟) اپنے اجتہاد سے جہاں ائمہ سےہٹ کرکوئی مسئلہ لیاہےوہاں یہی حال ہے،

اورسب آسان آسان باتیں اپنے مذہب میں رکھ لی ہیں، ان کا یہ فتنہ بڑھ رہاہے۔اوربھی ان کے سلسلے میں بہت سی چیزیں ہیں جو آپ حضرات کومعلوم بھی ہوں گی اوربیان بھی کی جاسکتی ہیں۔میں اسی قدرپر اکتفاکرتاہوں۔

بہرحال یہ کتاب ''نصرالمقلدین''اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ جو شخص بھی قوت اجتہادسےخالی ہواس کےلیے ضروری ہےکہ کسی امام مجتہد پر اعتماد کرے اور اس نےاپنے اخلاص ودیانت اور علم کی روشنی میں جوبھی حکم بیان کیاہے اور کتاب وسنت سے استخراج کرکے لوگوں کےلیے جوراہ متعین کی ہے اسی پر عمل کرے، ایسے لوگ اگراس سے ہٹیں گے تو یقیناً منحرف ہوں گےاورکبھی صحیح راستے پرگامزن نہیں ہوسکتے، نہ منزل تک پہنچ سکتےہیں۔

اس سلسلے میں درجۂسابعہ کے طلبہ نےجواقدام کیاہے اور''نصرالمقلدین ''نامی کتاب شائع کی ہے اس پربھی مبارک باد پیش کرتاہوں۔خداکرےکہ اس سے آپ کو، ہم کواوردوسرے لوگوں کوبھی فائدہ حاصل ہواوردین حق کی راہ لوگوں کےلیے واضح اور روشن ہواورباطل سے لوگ اجتناب کریں،اس سےدوررہیں اورباطل کےبطلان کوپوری طرح سمجھیں۔آمین وآخر دعوانا أن الحمدلله رب العالمين.

اولیاء اللہ کی شان

بمقام: موربی، راج کوٹ، گجرات ---بتاریخ: ۲۶؍ فروری ۲۰۱۴ء

ہرایک اجلاس میں نقابت کا جودور چلاہے اس میں نقیب اپنا فرض سمجھتا ہے کہ جہاں تک ہوسکے آنے والوں کی مدح وستائش میں مبالغہ سے کام لے اور مبالغہ اگر مبالغہ ہی کے انداز کا ہو تو قبول کیاجاسکتا ہے۔

محدث اعظم قدس سرہ کا ایک شعریاد آرہاہے کہ آپ نے فرمایا:

شرط یہ ہے کہ روا حد رواہی میں رہے
کون کہتاہے نہ لو کام رواداری سے

مولاناغلام مصطفیٰ صاحب کوبھی انھیں نقیبوں کاصدقہ ملاہےاوراب بڑھاتے بڑھاتے یہاں تک پہنچادیاکہ "سب علماایک پلےمیں رکھے جائیں اور ایک عالم ایک پلے میں تواس کاپلّا بھاری ہوجائے گا، مبالغے کوکذب تک پہنچا دیتےہیں اورسامعین کوبھی ہم نوابناکرگناہ میں شریک کرلیتے ہیں اورجس کے بارے میں کہتے ہیں اسے توسب سے بڑا گنہ گاربنادیتےہیں۔ میں کہاں اور علمائے دین کہاں ان کاایک ادنیٰ خادم ہوں اگراپنی صف میں بٹھالیں تو میں سمجھوں گاکہ زمین کو آسمان پرپہنچادیا۔

مدنی میاں باپوسے میراتعارف جامعہ اشرفیہ میں اس وقت ہوا کہ جب اپنے صاحبزادے سیدعبدالرشیدکوجامعہ اشرفیہ میں بھیجنےکےبعدوہ کئی بارتشریف لائےاور یہاں آنےکے بعدمیں نےدیکھاکہ موربی کےمسلمانوں کے دلوں پران کی حکومت ہےاوریہ بلاوجہ نہیں ان کے اخلاق کریمانہ ایسے تھے،ان کی

دادودہش ایسی تھی کہ لوگ ان کے گرویدہ ہوتے چلے گئےاور صرف ایک عالم دین ہونےکی حیثیت سے،ایک آل رسول ہونے کی حیثیت سے انھوں نے یہاں زندگی نہیں گزاری بلکہ سماج کے ایک خادم کی حیثیت سے اور لوگوں کے ایک دردمند کی حیثیت سے اور لوگوں کے غم وخوشی میں شریک کار کی حیثیت سے زندگی گزاری اور یہ وہ کمالات ہیں جو کسی کے بھی گرویدہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔

رب تبارک وتعالیٰ ان کے فیضان کو جاری وساری رکھےاور ان کے صاحبزادگان کے ذریعہ ان کے اخلاق کریمانہ کا ان کی دادودہش کاحصہ ملتا رہے۔

ایک عالم دین ہونے کی حیثیت سے انھوں نے پوری کوشش اس بات کے لیےکی کہ آپ دین کی راہ پر قائم رہیں سنیت پر آپ کو استقامت حاصل ہو اور بدمذہبوں کا شکارنہ ہونے پائیں ان کے اوران کے آباو اجداد کی کوششوں کی بناپر یہاں پر مسلمانوں کوفروغ حاصل ہوا،ان کےذریعہ یہاں سنیت کوفروغ حاصل ہوا اور جیسا کہ ابھی مولانا غلام مصطفیٰ صاحب سے سنا کہ بدمذہبوں سے یہ شہرمحفوظ رہا تواس میں مدنی میاں کی استقامت کو ضرور دخل ہےاگر وہ لوگوں کو قریب نہ رکھتے، لوگوں کے حالات میں ان کے شریک نہ ہوتے اورلوگوں کودین سے قریب نہ رکھتے تو اور جگہوں کی طرح ان کا بھی حال یہ ہوتاکہ جو چاہتاان کو اپنا شکار بنالیتا۔

انسان کےلیے یہ عظیم نعمت ہے کہ دنیاسے وہ ایمان کے ساتھ جائے اگر ہمارا آدمی غیروں کا شکارہوگیا تو اس کے مفلس و محتاج ہونے اور گداگر ہونےسے بھی زیادہ المناک بات ہے کہ اس کا دین لٹ گیا، اس کا ایمان لٹ گیا دولت اگر لٹ جائے تو واپس مل سکتی ہے انسان کی کوشش سے

حاصل ہو سکتی ہے۔لیکن اگر ایمان چلاگیااوراسی پر اس کا خاتمہ ہوگیاتواب وہ ملنے والی چیزنہیں، واپس آنے والی چیز نہیں، دائمی طورپروہ ہلاکت کاشکار ہوگیااس لیےآپ سب حضرات کوان کاشکرگزار ہونا چاہیے،ان کا ممنون احسان ہونا چاہیےکہ انھوں نےآپ کودین سے وابستہ رکھا اور راہ حق پر گامزن رکھا اوران کی راہ نمائی کی وجہ سےان کی غم گساری کی وجہ سے اوران کی دردمندی کی وجہ سے آپ حضرات بھٹک نہ سکےاورصراط مستقیم پررہے۔رب تبارک وتعالیٰ ہمیشہ آپ کوآپ کی نسل کوراہ حق پر،صراط مستقیم پر قائم ودائم رکھے۔

یقیناً اللہ کے نیک بندوں کے صدقے میں دوسروں سے بھی بلائیں ٹلتی ہیں۔حدیث پاک میں ارشاد فرمایا گیاہے:

ان اللہ لیدفع بالرجل الصالح عن مائۃاھل بیت من جیرانہ البلاء.(۱)

اللہ ایک مردصالح کی وجہ سےاس کے پڑوس کے سوگھرکےلوگوں سے بلائیں دور کرتاہے۔

ایسے افراد کا ہم سے جداہونایقیناً ہمارے لیے محرومی کاسبب بنتاہے لیکن ہم اس کے قائل ہیں کہ اللہ والےبرزخ کی دنیامیں پہنچنےکےبعد بھی فیض عطاکرتےرہتےہیں، ہاں اس زمانے میں ہم کو بھی کوشش کرنی ہے ہم کو بھی راہ حق پررہنے کاجتن کرناہے تاکہ کوئی دوسراہمیں شکارنہ کرسکے۔لیکن اولیاےکرام کی بدولت یہ دنیاقائم ہےانھیں کی وجہ سے بارش ہوتی ہے شام میں جو ابدال رہتے ہیں ان کے متعلق سرکار نے فرمایاکہ:بھم تنصرون و بھم ترزقون

ایک اورحدیث میں سناتاہوں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سےمعجم طبرانی میں روایت ہے کہ سرکارعلیہ الصلاۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں:

(۱)المعجم الاوسط للطبرانی،ج۴،ص۲۳۶

ان لله عباداً اختصهم بحوائج الناس يفزع الناس اليهم فی حوائجهم اولٰئك الآمنون من عذاب الله. [1]

اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کورب تبارک وتعالیٰ نے لوگوں کی حاجت روائی کے لیے خاص کردیاہے کہ لوگ اپنی ضروریات میں ان کی پناہ لیتے ہیں،ان سے مدد مانگتے ہیں اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ اولیاءاللہ سے مدد مانگنا شرک ہے لیکن رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ نے کچھ بندوں کو اسی لیے پیداہی فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کی حاجت روائی کرتے رہیں،لوگوں کی ضروریات میں کام آتے رہیں، لوگ ان سے مدد مانگتے رہیں اور ان کی پناہ لیتے رہیں۔آپ حضور ﷺ کاارشاد مانیں گے یاان کا قول مانیں گے؟

سرکار کا یہ ارشاد ہے کہ اللہ نے کچھ بندوں کو اسی لیے خاص کررکھاہے کہ وہ لوگوں کی ضروریات میں ان کے کام آتے رہیں۔اوروہ کون لوگ ہیں ؟اس کی بھی نشان دہی فرمادی ''اولٰئك الآمنون من عذاب الله'' یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے عذاب سے بے خوف ہیں۔اب اللہ کے عذاب سے کون لوگ بے خوف ہیں یہ قرآن سے آپ دریافت کریں۔ ارشاد فرماتا ہے :

اَلَآ اِنَّ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ [2]

بے شک اللہ کے ولیوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم۔

تواللہ کے عذاب سے بے خوف رہنے والے یہی اولیاے کرام ہیں اوروہی وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی حاجت روائی کے لیے خاص کررکھا ہے اس سے معلوم ہوتاہے کہ ہم کو اولیاے کرام کے دامن سے وابستہ رہنا چاہیے لیکن صرف وابستگی ہی ضروری نہیں بلکہ ان کے طریقے کو اپنانا اوران کے

(۱)المعجم الاوسط للطبرانی،ج۱۲،ص۳۵۸

(۲)﴿یونس آیت ۶۲ پارہ۱۱﴾

ارشادات پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔

آدمی نماز، روزہ، حج، زکات جو بھی فرائض ہیں ان سے غافل ہوجائے اپنے حقوق سے غافل ہوجائے اور نہ بیٹا باپ کا حق اداکرے نہ باپ بیٹے کا اور نہ پڑوسی پڑوسی کا حق اداکرے اور سمجھیں کہ صرف اولیاے کرام کے دامن سے وابستگی کافی ہے، ظاہر ہے کہ اولیاے کرام بھی تو دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص کس قدر نافرمانی کررہا ہے کس قدر معصیت کررہا ہے اور کس قدر اللہ کے احکام کے خلاف چل رہا ہے تو وہ دست گیری کرنے کے لیے بھی دیکھتے ہیں کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے لہٰذا انسان کو کبھی خدا کے احکام کے بارے میں جری اور بے باک نہیں ہونا چاہیے اور کبھی یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ ہم جو بھی گناہ کریں سب بخش دیا جائے گا، فلاں ولی کے طفیل ---اولیاے کرام سے وابستگی کے ساتھ ساتھ ان کے طریقے کو اپنانا اور ان کے ارشادات پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ آپ کسی ولی کے بارے میں نہیں بتاسکتے ہیں کہ انھوں نے آزاد روی کو پسند کیا ہو یہاں تک کہ سرکار غوث اعظم نے جو زندگی گذاری وہ اس طور سے گذاری کہ مسلمانوں کو پابند بنایا۔ لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا ہو کہ جو چاہو کرو حرام وحلال، سب میں بخشوادوں گا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا ایک ایک مجلس میں ہزارہاہزار آدمی تائب ہوتے تھے کس بنیاد پر تائب ہوتے تھے اس لیے کہ وہ لوگوں کو اللہ کے احکام پر عمل کرنے کی ترغیب دیتے تھے اور آدمی دیکھتا تھا کہ میں تو گناہ گار ہوں، عصیاں شعار ہوں ان کے یہاں آکر کے تائب ہوتا تھا اور نیک راہوں کا راہی ہوجاتا تھا یہاں تک کہ اولیاے دین میں سے ہوجاتا تھا تو سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس کی ضمانت نہیں لی ہے کہ تم غلط راستے پر چلتے رہو میں تمہارا بیڑا پار کردوں گا۔ انھوں نے بھی ہمیشہ صحیح راستے پر چلنے کی تلقین فرمائی ہے اور ہمیشہ دین اسلام دین حق کی رہ نمائی فرمائی ہے اس لیے بہت سے بے دین بھی ان کے

ہاتھوں پر تائب ہوتے تھے اور مذہب اسلام میں داخل ہوتے تھے، تو عمل کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کو اولیا کے فیوض وبرکات حاصل کرنا ہے اور وقت ضرورت ان سے مدد لینا ہے نہ یہ کہ آپ ان کے راستے سے بھٹکے ہوئے رہیں اور ان کی نافرمانی کریں ان کے ارشادات کو ٹھکراتے رہیں اور سمجھیں کہ وہ ہمارا کام بنادیں گے ایسا نہیں ہے۔ دونوں باتوں کا خیال رکھنا آپ کے لیے ضروری ہے یہ سمجھنا کہ اولیاے کرام سے استمداد واستعانت شرک ہے یہ بالکل ان کے خلاف ہے حدیث کے خلاف ہے سرکار کی ہدایت کے خلاف ہے ارشاد ربانی کے خلاف ہے اور **یہ سمجھنا کہ ہم گناہ پر گناہ کرتے رہیں** ہم سیدھے جنت میں چلے جائیں گے تو یہ خیال بھی غلط ہے۔ یہ بات ہوتی تو انبیاے کرام کو بھیجنے کی حاجت کیا تھی؟ اولیاے کرام کو بھیجنے کی حاجت کیا تھی؟ ہر زمانے میں علماے کرام کو بھیجنے کی حاجت کیا تھی؟ اور ہمارے بزرگوں نے جو راتیں صرف کی ہیں، مجلسیں بٹھائی ہیں، مجاہدے کرائے ہیں، چلّے کرائے ہیں، ان سب کی کیا ضرورت تھی؟ ان حضرات نے نہ صرف یہ کہ اپنے کو راہ راست پر رکھا بلکہ دوسروں کا بھی بیڑا پار لگایا یہاں تک کہ ہادی ورہنما بنادیا، تو اس بات کو بھی اپنے ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا جو بھی فرمان ہے اور حکم ہے اس کی بجا آوری ضروری ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ہماری آخرت بہتر ہوسکتی ہے، ہمارا خاتمہ بہتر ہوسکتا ہے اولیاے کرام کے فیوض وبرکات زیادہ سے زیادہ فراوانی کے ساتھ حاصل ہوسکتے ہیں اگر ہم ان کے طریقے پر چلتے رہے اور عمل کرتے رہے۔ رب تعالیٰ ہمیں توفیق خیر سے نوازے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین.

مدرسہ ثارالعلوم اکبرپور کے زیراہتمام دعوت وتبلیغ کے موضوع پر منعقد سیمینار بعنوان

فارغین مدارس میں داعیانہ کردار کی ضرورت اوراس کے تقاضے

منعقدہ ۲۸؍جمادی الاولی۱۴۳۵ھ مطابق۲۹؍اپریل۲۰۱۴ کا خطبۂ صدارت

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم أمابعد فاعوذبالله من الشیطان الرجیم بسم الله الرحمٰن الرحیم اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ الۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ۔ (۱)

میں سب سے پہلے مدرسہ ثارالعلوم (اکبرپور)کے ذمہ داران کو مبارک باد پیش کرتاہوں کہ انھوں نےدعوت کے موضوع پر سیمینار رکھا اوراس پر اہل علم کوسوچنے سمجھنے اورلکھنے بولنے کی ترغیب اوردعوت دیکیوں کہ اس موضوع پربہت کم غوروخوض کیاجاتاہے۔

ابھی آپ نے ہمارے محترم ڈاکٹرغلام یحییٰ انجم مصباحی سے ایک وقیع مقالہ سماعت فرمایا چوں کہ دعوت کے موضوع کونصاب میں شامل کرنے کی بھی سفارش کی گئی اس لیے آپ نےنصاب کےمقاصد پرروشنی ڈالی اوریہ بتایاکہ اسلامی تعلیم کانصاب کن اجزاسے مرکب ہونا چاہیے اس کی عمدہ تفصیل کی، خاص طورسے اخلاق اورتصوف کی شمولیت پرزوردیااورکئی بارانھوں نےاس نصاب کاذکرکیاجوانھوں نے اترپردیش مدرسہ بورڈکےلیے تیارکیاتھا۔

---

(۱)سورۂ نحل۱۵،آیت۱۲۵

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ۱۹۳۴ء سے لے کر آج تک اتر پردیش مدرسہ بورڈ کا جو نصاب تھا وہ کبھی جاری نہیں ہوا اور کبھی بھی اس کو عملاً نافذ نہیں کیا گیا۔ کبھی اس کی تدریس باضابطہ اور مکمل طور پر نہیں ہوئی، آج تو امتحان کھیل بن کر رہ گیا ہے پہلے جب امتحان باضابطہ ہوتا تھا اس وقت بھی کچھ کتابیں اور کچھ مضامین امتحان سے پہلے پڑھا دیے جاتے تھے اور باقی یوں ہی کام چلا دیا جاتا تھا، بحیثیت مجموعی بیش تر کتابوں کے دونوں نصابوں میں اشتراک کی وجہ سے کام چل بھی جاتا تھا۔

کیا نصاب ہے کیا ہونا چاہیے اور کیا پڑھانا چاہیے اور کس طور سے پڑھنا پڑھانا چاہیے؟ یہ بات ہماری سوچ سے بہت دور ہوتی چلی جارہی ہے۔

عموماً مدرس یہ سمجھتا ہے کہ جو وقت مدرسہ نے مقرر کر رکھا ہے وہ وقت ہم کو پورا کر دینا ہے اور پھر ہم فارغ ہو گئے، طالب علم کے اندر کوئی صلاحیت پیدا ہو یا نہ ہو۔ مزید بگڑتا ہوا جو ماحول ہے وہ یہ ہے کہ پانچ گھنٹے یا چھ گھنٹے ڈیوٹی بھی ضروری نہیں ہے، مدرسہ کے رجسٹر میں دستخط ہو جانا کافی ہے ان سارے اصحاب کی تطہیر سب سے زیادہ ضروری ہے کم سے کم اپنے ایمان اور اسلام کے واسطے سے یہ سوچیں کہ ہمارا دین کسی بھی امانت میں خیانت کرنے کی اجازت نہیں دیتا، ہم خود کسی کو اجیر کر لیں اور وہ ہم سے آنکھ مچولی کر کے چلا جائے تو ایک پیسہ کا ہم اسے حق دار نہیں کہیں گے۔

لیکن آج مدرسے کا فارغ التحصیل عالم اس طرح کے عمل کو کوئی جرم نہیں سمجھتا اور کوئی گناہ نہیں شمار کرتا۔ جب ایمانی وفکری پستی اس حد تک پہنچ چکی ہو تو اس ماحول کی اصلاح کیسے کی جاسکتی ہے اور اس ماحول کو کارآمد کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ یہ ہمارے لیے سب سے بڑا چیلنج ہے۔

کوئی بھی نصاب ہو، کوئی بھی نظام ہو جس کو ہم نافذ کرنا چاہتے ہیں آج کا

مدرس اور ماحول اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے تو ہماری ساری فکر ہمارے دماغوں میں، ہماری کتابوں میں بند ہوکر کے رہ جاتی ہے اور عملی دنیاکا رنگ نہیں دیکھ پاتی۔اس لیے آج جب خود ان فارغین کی تطہیر ہو اوران کے اندراپنے دین کے تحت،اپنے ایمان کے تحت یہ احساس پیداہوکہ ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فرائض عائد کیے گئے ہیں ان میں ایک فرض یہ بھی ہے کہ جس کام کوہم بطوراجارہ عمل میں لارہے ہیں اس کام میں کسی بھی طرح کی خیانت کے ارتکاب سے بچیں اوریہ بھی دیکھیں کہ جس ذمہ داری کوہم لے رہے ہیں اس کے ہم اہل ہیں یانہیں اگرنہیں ہیں تو اہلیت پیداکریں اوراس کام کوجس طرح سے انجام دیناچاہیے اس طرح سے انجام دینے کی کوشش کریں۔

میں یہ سب کے بارے میں نہیں کہتا۔بحمدہ تعالیٰ بہت سے اساتذہ ایسے ہیں جو اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہیں اور انھیں کی بدولت آج طلبہ کے اندر کچھ علمی، کچھ فکری شعور پیداہوتاہے لیکن ایک عام بیماری اور ایک عام خرابی جو پیدا ہوتی چلی جارہی ہے اس کو ذکرکرنا اوراس پربندباندھنا بہت ضروری ہے۔ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ایسے افراد کی تعداد گھٹ نہیں رہی ہے بلکہ بڑھتی ہی چلی جارہی ہے اور ہم کسی بھی مجبوری کے تحت ایسے لوگوں کو قبول کرتے ہیں اوران کے ساتھ اپنارویہ نرم رکھنے پر مجبور ہوتے ہیں یا مجبور بن جاتے ہیں۔ اس لیے یہ ماحول جب تک ختم نہ ہوتب تک ہماراکوئی بھی منصوبہ پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ہمارادینی شرعی کوئی بھی منصوبہ جیسے ہم چاہتے ہیں ویسے بروے عمل نہیں آسکتا۔

جہاں تک بات ہے دینی دعوت کی تو یقیناًانبیاے کرام کی آمد کامقصد یہی تھاکہ خلق خداکو خداکی دعوت دی جائے،اس کی راہ پر لگایاجائے اور اسکے دین پرچلایا جائے اورتمام انبیاے کرام نے اپنی ظاہری زندگی تک تاحد امکان اس

کام کو انجام دیا۔یہاں تک کہ رسول کریم ﷺ نے تیئیس سالہ زندگی کے اندرسارے حقوق کو انجام دینے کے بعد بھی حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں کو جمع کرکے ارشادفرمایا:

ألاهل بلّغت کیامیں نے اپنے رب کا پیغام پہنچادیا؟اور اس پرایک لاکھ چوبیس ہزارصحابۂ کرام کو گواہ بنایا۔

یقیناًعلماے کرام کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ امت کو حق کی اور نیکی کی دعوت اور ترغیب دیں۔

جہاں تک نصاب کی بات ہے تو اس کے متعلق میں یہ عرض کروں گاکہ ہمارا جو قدیم نصاب رہاہےاور جونصاب آج ہےدونوں میں قرآن وحدیث کی تعلیم داخل ہے۔جب ہم نےقرآن اورحدیث کی تعلیم دےدی توقرآن دعوت کی تعلیم بھی دے رہا ہے۔حدیث بھی دعوت کی تعلیم دے رہی ہے۔ اسی طریقے سے اخلاق کی تعلیم،یہ بھی قرآن وحدیث میں موجود ہے توزیادہ سے زیادہ یہ کہاجاسکتاہے کہ دعوت کوایک الگ عنوان اورموضوع کے طورپر نصاب میں جگہ نہیں دی گئی اسی طریقہ سے تصوف کوایک الگ موضوع کے طورپر نصاب میں جگہ نہیں دی گئی۔

لیکن ہمارے اسلاف جو نصاب پڑھاتے تھے اس پر عمل کی ترغیب بھی دیتے تھے کم ازکم حافظ ملت علیہ الرحمہ کے زمانے تک کے ہم شاہدہیں کہ انھوں نے بھی جونصاب پڑھاہےاس میں بھی تصوف کوایک مضمون کی حیثیت سےالگ نہیں کیاگیااسی طریقہ سے دعوت کو،موعظت کو،تبلیغ کو ایک مضمون کی حیثیت سے الگ نہیں کیاگیالیکن ان حضرات کی تعلیم اس طریقےسے ہوتی تھی اوراس نیت سے پڑھتے پڑھاتےتھے کہ ان کو اس پرعمل بھی کرناکراناہے اس لیےوہ شروع سےہی اخلاق کےپابند اورتہذیب وشائستگی کےحامل ہواکرتے

تھے خوف خدا ان کے اندر موج زن ہوا کرتا تھا اور وہ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرتے تھے اور جو کچھ بھی پڑھتے تھے اس پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرتے تھے۔

آج چوں کہ پڑھنا صرف پڑھنے کے لیے رہ گیا ہے یا پڑھنا ذریعۂ معاش بن چکا ہے اس لیے وہ عملی زندگی میں بہت کم جگہ پاتا ہے پھر قواعد وکلیات کے بعد جزئیات اور فروع پر توجہ اور یہ کہ ایک کلیہ سے بہت سے احکام مستخرج ہوتے ہیں ان تک لوگوں کے ذہن کی رسائی نہیں ہوپاتی ہے اسی لیے پہلے جو کتابیں ہوتی تھیں ان کے اندر تمرینات نہیں ہوتی تھیں اساتذہ و طلبہ از خود قواعد کا اجرا کرتے کراتے تھے اور آج ہر کتاب کے اندر تمرینات ہوتی ہیں مشق کے لیے سوالات ہوتے ہیں اس سے ذہن کو بیدار کیا جاتا ہے اور متوجہ کیا جاتا ہے۔ تو جس طریقہ سے نحو وصرف منطق وفلسفہ وغیرہ علوم و فنون میں نصاب کے اندر ہم نے ترمیم کی ہے، آج کے حالات اور ضرورت کے پیش نظر ہم دعوت کو بھی ایک الگ موضوع کی حیثیت دے سکتے ہیں۔

تصوف کو ایک موضوع کے طور پر ہم نے شامل نصاب کرلیا ہے اور ہمارے نصاب میں حدیث کا ایک بڑا حصہ جو **اخلاق** سے متعلق ہے شامل ہے، **ریاض الصالحین** شامل ہے اور **منہاج العابدین** شامل ہے۔ دعوت کو بھی ایک موضوع کے طور پر شامل کیا جاسکتا ہے۔

دعوت کا تعلق زیادہ تر پریکٹیکل یعنی عمل سے ہے ہم کتنے ہی اصول و ضوابط، قوانین وقواعد پڑھ لیں پڑھالیں اگر عملی دنیا میں قدم نہیں رکھا تو مقصد ہی حاصل نہیں ہوگا۔ دعوت کا مقصد یہ ہے اسلام کی تعلیمات ہم دوسروں تک کیسے پہنچائیں، ان کو اسلام سے کیسے روشناس کرائیں، اسلام کا گرویدہ کیسے بنائیں؟ اس کے لیے ظاہر ہے کہ غیروں سے ملنا ہوگا ان کو قریب لانا ہوگا یا کوئی شریعت سے برگشتہ ہورہا ہے تو اس کو اس کے قریب لانا ہوگا۔ ہم نے اس پر تو بڑی سختی

سے عمل کرلیاکہ اگرکوئی آدمی ذراسا برگشتہ ہوا تو اس کو اپنے ماحول سے نکال باہر پھینک دیتےہیں، اس سے ملنا جلناترک کردیتے ہیں لیکن اس پرکبھی غورنہیں کیاکہ اگرایک آدمی کچھ بگڑرہاہے توکیسے اس کو سدھاراجائے،کیسے اس کو راہ راست پر لایاجائے،دین سے یااسلام سے وہ دور ہورہاہے توکیسے اس کو واپس لایا جائے اوراس کے ذہن کی خرابی کیسے دورکی جائے؟؟یہ کام ہم انجام دیتے رہتے توہماری تعداد گھٹتی نہیں، بڑھتی رہتی۔

دوسرے لوگ تواس انتظار میں رہتے ہیں کہ کس کےاندر ۱۰رفیصد۵فیصد یا ۲رفیصد ہماری طرف میلان ہے کہ ہم اس کو اپنی گود میں لے لیں اوراس کو اپنے ماحول میں ڈھال لیں اوراپنے جیسابنالیں۔ اورہم یہ دیکھتے ہیں کہ اگرکوئی ۲رفیصد بھی منحرف ہورہاہے یااس کاذہن بگڑرہاہےتواس کوپہلے ہی مرحلے میں ہم اپنے درمیان سے نکال دیتےہیں اوردوسرے بہت خوشی سے اس کو اپنے اندر ضم کرلیتے ہیں۔جس کالازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے افراد گھٹتے جارہے ہیں اور ان کے افراد بڑھ رہے ہیں۔جب کہ ہمارافرض ہوتاہے کہ جس کا ذہن بگڑرہاہےیاذرابھی خراب ہورہاہےتواس کی اصلاح کی جائے، اس کے اعتراضات کودفع کیاجائے،اس کوجوشبہہ ہے، جوشک ہےاس کودور کیاجائے اورپھراسے حق سے قریب کیاجائے،یہ فریضہ ہم انجام نہیں دے رہے ہیں اوردانستہ ہم اس کوعمل میں نہیں لارہے ہیں اس سے ہمارا،ہماری ملت کا اور ہماری جماعت کا بہت ہی عظیم نقصان ہورہاہے۔

نصاب بناناپھرنصاب کے مطابق علماوفضلا تیارکرنایہ توبعد کاکام ہے ہمارے گردوپیش کے جورہنے والے ہیں ان کے ذہنوں میں جوشکوک وشبہات پیدا ہور ہےہیں ہم آسانی سے ان سے مل کران کاازالہ کرسکتےہیں،ان کو اپنے قریب لاسکتےہیں یہ کام تو ہمیں ابھی انجام دیناچاہیے---- دوسری طرف حال

یہ ہے کہ ہمارا ماحول روز بروز بگڑتا جارہاہے اور ابتر ہوتا جارہاہے۔

جلسہ ہماری دعوت کاایک واحدراستہ رہ گیاتھا،یہ آج کے جلسے کیسے ہورہے ہیں، ان جلسوں میں بڑا اہتمام ہوتاہے،بڑا انتظام ہوتاہے،لاکھوں روپے خرچ کیے جاتے ہیں، ہرطرف سے مجمع اکٹھاکیاجاتاہے لیکن ان جلسوں میں لوگوں کو کیادیاجارہاہے اس کا کوئی ٹھکانا نہیں۔اب ان کا مقصد زیادہ سے زیادہ نعرے لگانا رہ گیاہے۔

یہاں آپ کے سیمینار میں بھی نعرہ لگ گیاجب کہ ہم نے سیمینار میں نعرہ لگتے ہوئے نہیں دیکھا۔یہ ماحول کی دین ہے۔ایک گھنٹے کی تقریر میں کم ازکم سو مرتبہ نعرے لگیں توتقریر بہت کامیاب ہے،مقررکیاکہہ رہاہے،کیابیان کررہاہے اس سے کوئی غرض نہیں۔جذباتی کچھ باتیں کہہ دیں تواس پرنعرہ لگانا آج کاآدمی اپنا فرض سمجھتاہے۔یہ ماحول بن چکاہےاوراس کی وجہ سے جوبھی دعوتی کام ہمارے اسٹیجوں سے ہوسکتاتھاوہ بھی ختم ہوگیا۔جب کہ ان جلسوں کی اصلاح کی جاسکتی ہے۔ہم جوجلسہ منعقدکریں اس کےلیے افراد پہلے سے متعین کریں کہ کن لوگوں کو دعوت دیناہے اوران کے لیے موضوع بھی متعیّن کریں کہ کس موضوع پر آپ کوخطاب کرناہےاورایسے لوگوں کو متعین کریں جو اپنے موضوع کی پوری تیاری کرکےآئیں اورسامعین کو کچھ دےکرجائیں۔جوبھی آپ کے ماحول کی ضرورت کا موضوع ہواس کو منتخب کیجیے اور اس کے مطابق افراد کو بلائیے چاہے نعرہ لگانے والے کم ہی رہیں یا نعرہ لگانے کی ضرورت ہی نہ پیش آئے۔

لیکن آج خودہمارے علماکا،ہمارے فارغین کامزاج بگڑچکاہےجب تک کوئی جذباتی تقریر کرنے والاجس کی تقریر میں باربارنعرہ لگے(ایساکوئی)نہیں آئے گاتو جلسہ ہی نہ ہوگا۔یہ سب مزاج بن چکاہے۔آدھی رات تک تومشاعرہ ہوتا

ہے اور مشاعرہ میں بھی شاعر کیا پڑھ رہا ہے اس کے اشعار میں کون سی بات اچھی ہے، کون سی بری اس پر کوئی غور کرنے والا نہیں، واہ واہ کرنا، انعام دینا، پیسے لٹانا یہ آج کا ماحول بن چکا ہے اور علما اس پر توجہ نہیں دیتے۔

جو جلسے خاص علما کی نگرانی میں، ان کی سرپرستی میں، ان کی تگ و دو سے منعقد ہوتے ہیں ان جلسوں میں بھی یہ حال ہے کہ دیر تک نظمیں پڑھائی جاتی ہیں، نذرانے دیے جاتے ہیں، انعام دیے جاتے ہیں اور پھر مقرر کی باری اُس وقت آتی ہے جب کہ کوئی سننے کے لیے تیار نہیں ہے، اگر کوئی مقرر شعلہ بار قسم کا آگیا تو وہ اپنی تقریر کر لے گیا اور اگر سنجیدہ بولنے والا آیا تب تو اس کی ناکامی رکھی ہوئی ہے۔ اگر ہم آج جلسوں کی اصلاح کریں تو ان کے ذریعہ ہمارا جو دعوتی کام ہو سکتا ہے وہ کم از کم انجام پائے۔

اور جو دعوتی کام دعوت اسلامی، سنی دعوت اسلامی کے ذریعہ ہو رہا ہے یہ بھی کم اہمیت کا حامل نہیں ہے کیوں کہ جو افراد اہل سنت سے دور ہیں یا وہ پورے طور سے واقف نہیں ہیں یہ انھیں عقیدے سے بھی واقف کراتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ نماز اور خیر سے بھی قریب کرتے ہیں، اخلاق اور شائستگی سے بھی آراستہ کرتے ہیں تو ان کو بھی کام پر لگانا اور اگر ان کے اندر کوئی خامی پائی جا رہی ہے تو اس کو دور کرنا آج کے علما کی ذمہ داری ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ خواہ مخواہ خامی نکالی ہی جائے اور جو چیز جائز کے دائرے میں آتی ہے اسے ناجائز بنانے کی کوشش کی جائے لیکن جو ایک عظیم کام سنیت کی تبلیغ کا، عمل کی تبلیغ کا ان کے ذریعہ ہو رہا ہے اس پر قدغن لگانا یا اس کو روکنا اور ان کی ٹانگ پکڑ کر کھینچنا یہ کسی طرح دانش مندی اور عقل مندی نہیں ہے۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ تبلیغی جماعت بہت سوچ سمجھ کر میدان میں اتاری گئی کہ نماز اور کلمہ کے نام میں ایسی کشش ہے کہ ان کے نام پر ہر کلمہ

پڑھنے والا اس کی طرف مائل ہوجائے گا اور اس نام پر ہماری دعوت کو قبول کرلے گا، ہمارے پاس آنا جانا شروع کردے گا اور جب ہمارے ماحول میں آئے گا تو ہم جیسا چاہیں گے اس کو ڈھال لیں گے۔ اس کا جواب ہمارے پاس تقریباً پچاس سال تک نہیں تھا جس کی وجہ سے ہماری آبادیوں کا بڑا حصہ ان کے ہاتھ میں چلا گیا۔

پھر اس کے بعد ہمارے یہاں دعوت اسلامی پیدا ہوئی اور اس نے اپنے طرز پر کام کرنا شروع کیا اور بہت سے لوگ جو محض عمل کی رغبت کی وجہ سے تبلیغی جماعت کے ساتھ ہوگئے تھے انھوں نے ان کے ساتھ جانا چھوڑ دیا اور دعوت اسلامی کے ساتھ ہوگئے، کم ازکم وہ تو گمراہی سے بچے۔

جب تبلیغی جماعت والوں نے کام کرنا شروع کیا تو ان کے جاہلوں نے یہ بھی کہنا شروع کیا کہ تبلیغی جماعت کے پیچھے چلنے میں ہمیں وہ باتیں معلوم ہوئیں جو ہمیں بڑے بڑے علما کی درس گاہوں میں نہیں ملیں، ہم تو وہ باتیں جانتے ہیں جو علمی درس گاہ والے بھی نہیں جانتے لیکن ان کے علما نے اس طعنے کو برداشت کیا اور برملا کہا کہ اگرچہ وہ ہمیں حقیر سمجھتے ہیں لیکن وہ جو کام کررہے ہیں وہ ہم سے نہیں ہوسکتا۔

وہ گھر گھر پہنچ کر ہماری دعوت پہنچا رہے ہیں ہماری جماعت سے جوڑ رہے ہیں ہم تو درس گاہوں میں بیٹھے ہیں ہم سے یہ کام نہیں ہوگا۔ اس لیے انھوں نے ان کی تائید کی اور آج وہ بڑی بڑی آبادیوں میں اپنا کام کررہے ہیں۔

پھر ہمارے اندر آپسی اختلافات اور ایک دوسرے سے حسد اور منافرت کا جذبہ اتنا بڑھا ہوا ہے کہ اچھے کام کو بھی برا بنانے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں، چاہیے یہ کہ جہاں تک ہوسکے جو کام اچھا ہورہا ہے اسے ہونے دیں اور جو خرابی ہمارے جلسوں میں پیدا ہوچکی اس کو دور کرنے کی کوشش کریں۔

موضوع دعوت باقاعدہ نصاب میں ایک سبجیکٹ کے طور پر شامل ہوسکتا ہے مگراس کے شامل ہونے میں دیر لگے گی توفی الحال کم ازکم ہم ترغیب تودے سکتے ہیں، اپنے طلبہ کو تو بتاسکتے ہیں کہ تمھاری ذمہ داری ہے کہ مدرسہ کے آس پاس اور قرب وجوار کی بستیوں میں جاکرکچھ بتانے سمجھانے کاکام کرو،طلبہ کواس طرح کے مضامین بتائے جائیں،سکھائے جائیں،کتابوں کی رہ نمائی کردی جائے یاتقریر کے ذریعہ ہی بتادیاجائے۔خودمدرسین اس کے لیے تیار ہوں اورجیسا کہ آج یہ رائیں آئی ہیں کہ درس قرآن،درس حدیث کاسلسلہ جاری کیا جائے تومدرسین اس پرعمل کرسکتے ہیں۔الغرض فوری طورپرکوئی کام بغیر بڑے اقدام کے ہوسکتاہے تو ہمیں یہ کرلیناچاہیے اور اسے بڑھانے،پھیلانے کی کوشش بھی کرنی چاہیے،ہمہ گیرماحول بننے میں ذرا دیر لگے گی۔

آپ حضرات مبارک باد کے مستحق ہیں کہ آپ نےاس راہ میں پیش قدمی کی اورکم ازکم اس طورپرسوچنے سمجھنے کی دعوت دی ان شاء اللہ عزوجل اس کاثمرہ اورنتیجہ حاصل ہوگا اورفائدہ سب کوملے گا۔

میں سمجھتاہوں کہ جو مقالات آئے ہیں اورجوخلاصہ تیار ہوا وہ شائع ہوگا اور آپ تک پہنچے گابھی لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی تطہیرکریں،اپنے دل ودماغ کو صالح ونیک بنائیں،اپنی ذمہ داریوں کااحساس کریں اوراپنے احباب اوردوستوں میں جوبھی تدریس کی لائن سےوابستہ ہیں انھیں بھی احساس دلائیں، ان کو ایمان کا واسطہ دیں کہ آپ سےجوذمہ داری وابستہ ہے اسے آپ اداکرنےکی کوشش کریں۔اگر آپ تدریس کی لائن سے وابستہ ہیں تواس کو ایک فریضہ کے طور پردیانت داری اور امانت داری کے ساتھ انجام دیں تو اگلی نسل اچھی اور بہترپیداہوسکتی ہےاورآج آپ کی لاپرواہی دوسروں کےاندربھی لاپرواہی منتقل کرتی رہے گی اوریہ نسلاًبعدنسلٍ بڑھتی رہےگی اس لیےاپنی اصلاح کرنا،

اپنے ماحول کی اصلاح کرنا،اپنے طلبہ کی اصلاح کرنافوری طور پرہم سب کی ذمہ داری ہے اور جوبھی مزید خوبی ہمارے نصاب میں،ہمارےماحول میں ہوسکتی ہے یقیناًہم اس کےاوپر سنجیدگی سے غورکرتے رہیں اوراس کے لیے دل سے آمادہ ہوں تو بہت کچھ انقلاب پیداہوسکتاہے۔ ربِّ قدیرہم سب کوتوفیق خیرسے نوازے۔

خطبۂ صدارت

بموقع امام اعظم ابوحنیفہ سیمینار و کانفرنس، بمقام بارہ دری، قیصرباغ، لکھنؤ
منعقدہ :۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ/۲۴/ مارچ ۲۰۱۳ء، روزیک شنبہ
زیر اہتمام :اراکینِ دارالعلوم امام احمد رضا، رنگ روڈ، کلیان پور، پچھم لکھنؤ

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته! نحمده ونصلي على رسوله الكريم قال رسول الله ﷺ: فقيه واحد أشد على الشيطان من ألف عابد. صدق رسول الله ﷺ

جن حضرات نے اس کانفرنس اور سیمینار کا انعقا کیا ہے انھوں نے اپنی محسن شناسی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ دارالعلوم حنفیہ امام احمد رضا کے ارکان اور جملہ معاونین ہماری طرف سے شکریے کے بھی مستحق ہیں اور مبارک باد کے بھی حق دار ہیں، کہ انھوں نے ہم تمام افراد کے اوپر جو ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ اپنے عظیم محسن سے لوگوں کو روشناس کرائیں، ان کی خدمات کو پہنچوائیں اور ان کے مرتبہ ومقام سے آشنا کرائیں، اس ذمہ داری کو ادا کرنے کی ان حضرات نے سبیل پیدا کی۔ فجزاهم الله خير الجزاء.

امام اعظم کا احسان ایک تو ان لوگوں پر ہے جو ان کے مذہب کی، ان کے مسلک کی تقلید کرتے ہیں، اپنی نمازیں، اپنے روزے، اپنی زکات، اپنے حج اور دیگر معاملات، عبادات سبھی کاموں کو ان کے بیان کردہ اور استخراج کردہ احکام کی روشنی میں ادا کرتے ہیں۔

یہ تمام حضرات تو بدیہی طور پر، واضح طور پر امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احسان

تلے دبے ہوئے ہیں کہ ان کی زندگی کا ہر فعل ان ہی کے استخراج کردہ قوانین اور ان کے بیان کردہ احکام ومسائل کی روشنی میں ہوا کرتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی عرض کردوں کہ آج چوں کہ مسائل اور کتابیں ہمارے سامنے کھلی ہوئی رکھی ہیں، ان کو دریافت کرکے، ان کا مطالعہ کرکے ہم آسانی سے مسائل جان لیتے ہیں اور ان پر عمل کرنے لگتے ہیں، لیکن ابتدا میں یہ حال نہ تھا، بڑے بڑے محدثین کو مسائل بتانے میں سخت دشواری ہوتی تھی۔ یہ بہت ہی عظیم علم ہے اور جنھوں نے ان احکام کا استخراج کیا ہے ان کے لیے بہت ہی عظیم اجر ہے، پہلے آپ علم شرعی ہی کو جانیں کہ کسی دینی شرعی مسئلہ کا دریافت کرلینا کتنی اہمیت رکھتا ہے۔

میں نے اپنے بچپن میں حضرت مخدوم سمنانی سلطان سید اشرف جہاں گیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول پڑھا تھا ان کے ملفوظات میں کہ ”ایک دینی مسئلہ کا معلوم کرلینا ہزار رکعت نفل نماز پڑھنے سے افضل ہے“۔

انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ ”اگر کسی شخص کو معلوم ہوجائے کہ میری زندگی کا صرف ایک ہفتہ باقی رہ گیا ہے تو اس کو دینی مسائل سیکھنے میں صرف کرنا چاہیے“۔

میں ان کے اس ارشاد کو بہت ہی اہم سمجھتا تھا اور اس پر یقین رکھتا تھا، بعد میں جب شعور کا زمانہ آگیا تو میں نے اس پر مزید غور کیا کہ حضرت مخدوم سمنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس ارشاد کا ماخذ کوئی حدیث ہونی چاہیے، اس لیے کہ کسی ولی کا یہ منصب نہیں ہے کہ وہ کسی عمل کے بارے میں یہ بتادے کہ اس عمل پر اتنا مقررہ ثواب ملے گا۔

کسی کار خیر کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ اس پر ثواب ملے گا، اللہ تعالیٰ اجر دے گا، یہ کام نفع بخش ہے، تمہارے لیے مفید ہے، ہمارے لیے مفید ہے، اتنا کہا جاسکتا ہے، لیکن مقرر کرکے بتادینا کہ ”ایک دینی مسئلہ کو جان لینا ہزار

رکعت نفل نماز پڑھنے سے افضل ہے'' یہ بغیر حدیث نبوی کے نہیں ہوسکتا ہے، بالآخر میں نے اس کی تلاش کی تو حدیث کی ایک کتاب جامع الاحادیث ہے ''کنزالعمال'' جو اصل میں امام سیوطی کی ہے اور امام علی متقی برہان پوری نے اس کو ابواب کی ترتیب پر مرتب کیا، اس میں یہ حدیث ملی کہ سرکار کا ارشاد ہے ''ایک دینی شرعی مسئلہ کا معلوم کرنا ہزار رکعت نفل نماز پڑھنے سے افضل ہے''۔

اور یہ حدیث تو بہت ہی معروف ومشہور ہے کہ فقيه واحد أشد على الشيطان من ألف عابد.[1] شیطان کے اوپر ایک فقیہ ہزار عبادت گزاروں سے بڑھ کر سخت ہے۔

اور ظاہر ہے کہ جب کسی شخص کو معلوم ہوجائے کہ میری زندگی کا صرف ایک ہفتہ رہ گیا ہے، تو ایک ہفتہ اگر چوبیس گھنٹے عبادت ہی میں گزار دے تو کتنے نوافل پڑھ سکے گا، کتنی رکعتیں پڑھ سکے گا، لیکن ایک ہفتہ کے اندر سیکڑوں مسائل تو سیکھ ہی سکتا ہے اور زیادہ کوشش کرے تو ہزاروں تک سیکھ سکتا ہے اور ایک مسئلہ کا سیکھنا اس کے لیے ہزار رکعت نفل نماز پڑھنے سے افضل ہوگا، اگر کسی نے دن رات میں دس مسائل سیکھے تو اسے دس ہزار رکعت کا ثواب ملے گا، لیکن اگر ۲۴ر گھنٹے نفل پڑھے تو دس ہزار رکعت نہیں پڑھ سکتا، اس لحاظ سے انھوں نے یہ تلقین فرمائی کہ اگر ایک شخص کو معلوم ہوجائے کہ اس کی زندگی کا صرف ایک ہفتہ رہ گیا ہے تو اسے دینی مسائل کے سیکھنے میں صرف کرنا چاہیے۔

آج ہمارے بوڑھوں کا کیا حال ہے، اب وہ سیکھنا کچھ نہیں چاہتے، سوچتے ہیں: بس اب تو قبر میں جانا ہے، صرف نوافل ہی میں لگے رہیں تو زیادہ فائدہ ہے، مزید مسائل سیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت نہیں، لیکن حضرت مخدوم سمنانی کے

---

(۱) سنن ابن ماجہ، باب فضل العلما، ج۱، ص۸۱

ارشاد کی روشنی میں جواحادیث کریمہ سے ماخوذ ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دینی مسائل کا سیکھنا اس وقت بھی اہم ہے اور جن مسائل کا استخراج ان ائمۂ کرام نے کیا ہے، ان پر ائمہ کا اجر کتنا عظیم ہوگا، اس کے لیے ایک واقعہ پیش کرتا ہوں۔

ایک بار حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شیخ اوراستاذ بھی تھے، امام شافعی کے یہاں مہمان ہوئے تورات کا کھانا کھانے اور نماز پڑھنے کے بعد امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بستر پر لیٹ گئے، امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کچھ دیر لیٹنے کے بعد اٹھے اور نوافل شروع کردیے اور تقریباً صبح تک نفل نمازیں پڑھتے رہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اٹھ کر کے دو رکعت نماز بھی نہیں پڑھی اور جب فجر کی اذان ہوئی تو سیدھے نماز پڑھنے کے لیے مصلی پر پہنچ گئے۔امام شافعی کو غصہ آیا، امام محمد سے کہا: ایک تو آپ رات بھر سوتے رہے، کچھ بھی نوافل نہیں ادا کیے اور دوسرے یہ کہ صبح اٹھنے کے بعد وضو بھی نہیں کیا اور نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوگئے، توامام محمد نے فرمایا: تم کیا سمجھتے ہو کہ میں رات بھر سوتا رہا، میں نے آج کی رات سو مسائل قرآن وحدیث سے اخذ کیے ہیں اور جان لو کہ تم جو رات بھر نمازیں پڑھتے رہے اس کا ثواب اور فائدہ صرف تمہاری ذات کو پہنچے گا اور میں نے جو سو مسائل کا استخراج کیا ہے اس کا فائدہ پوری امتِ مسلمہ کو قیامت تک ملتا رہے گا۔

رہ گیا کہ میں لیٹا ہوا کیوں تھا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ لیٹ کر غور کرنے، سمجھنے اور اخذ کرنے میں مجھ کو آسانی ہوتی ہے، اس لیے میں لیٹ کر غور کرتا رہا اور مسائل کا استخراج کرتا رہا، تو یہ ان ائمۂ کرام کے استخراجِ مسائل کا فائدہ اور اس کا ثمرہ ہے۔

اسی سے اجر کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رہتی دنیا تک کے لوگوں کو دینی علم وعمل کا جو افادہ ہوا اس کا صلہ کتنا عظیم ہوگا۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مسائل استخراج کیے ان کے دور کے بڑے بڑے عابد اور زاہد علماے کرام اس کا اعتراف کرتے تھے۔

حضرت شدّاد بن حکیم جو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگردوں سے روایت کرتے ہیں، ان کی عبادت کا حال یہ تھا کہ ساٹھ سال تک وہ رات کو سوئے نہیں، ظہر کے وقت وضو کرتے اور پھر اس کے بعد دوسری ظہر کے وقت دوسرا وضو کرتے تھے، لیکن وہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدح میں فرماتے ہیں:

"لولا مامن الله علينا بأبي حنيفة وأصحابه حيث شيّعوا العلم وشرحوا اله لم نكن ندري مانختار منه ومانأخذبه"۔ (۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کے ذریعہ ہم پر احسان نہ فرمایا ہوتا تو ہم کو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ہم کون سا مسئلہ اخذ کریں، کس پر عمل کریں اور کس پر عمل نہ کریں، لیکن انھوں نے مسائل کو نکال کر ہمارے سامنے واضح کر دیا ہے اور ہمارے لیے علم کا حاصل کرنا نہایت آسان ہو گیا ہے۔

حضرت ابن سُریج ایک بزرگ عالم ہیں ان کے زمانے میں کسی نے ان کے سامنے امام اعظم پر کچھ کلام کیا، کچھ تنقید کی، انھوں نے فرمایا: اے شخص! خاموش رہ، تم کو معلوم نہیں ہے کہ تین بٹے چار مسائل وہ ہیں جو امام اعظم اور ان کے اصحاب کے لیے مسلم ہیں یعنی پچھتّر فی صد مسائل وہ ہیں جن میں وہ منفرد ہیں اور اس کا علم ان ہی کے پاس ہے، باقی ایک بٹے چار (پچیس فی صد) جو بچتا ہے وہ بھی تم لوگوں کے لیے مسلم نہیں ہے، اس میں وہ بھی تمہارے شریک ہیں۔

کہا: کیسے؟ انھوں نے بیان کیا کہ دیکھو، سوال نصف علم ہے، امام اعظم ابو حنیفہ نے اور ان کے شاگردوں نے سوالات وضع کیے، یہ صورت در پیش ہو تو کیا حکم

(۱) مناقب الامام الاعظم أبي حنیفہ للامام الموفق بن احمد المکی ت ۵۶۸ھ ص ۳۳۶ طبع سوم ۱۴۳۶ھ/۲۰۱۵ء۔ طلبۂ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

ہوگا، یہ صورت درپیش ہوتوکیاحکم ہوگا، یہ صورت درپیش ہوتوکیاحکم ہوگا؟

یہ سارے سوالات ان لوگوں نے بنائے،وضع کیے اورسوال نصف علم کی حیثیت رکھتاہے،اس لیے آدھاعلم توان کے لیےمسلم ہوگیا۔اب رہ گیا جواب، توجواب جوانھوں نے دیےہیں بعض کو کہتے ہوکہ خطاہےاور بعض کو کہتے ہوکہ صواب ہے۔اب مان لوکہ دونوں برابربرابرہیں تونصف جوبچایہ بھی ان کے لیے مسلم ہوگیا، کہ انھوں نے جوجوابات دیے ان کےنصف کےبارے میں تم لوگ بھی تصدیق کرتےہوکہ وہ برحق ہیں،اس وجہ سے تین بٹے چارعلم توان کے لیے مسلم ہوگیا۔

باقی ایک بٹے چار جو کہتے ہو کہ اس میں وہ خطاپرہیں تواس میں وہ بحث کرنے کے لیےتیارہیں اوراس میں بہت سی چیزوں کو وہ ثابت کردیں گے کہ وہی حق پرہیں،تم حق پرنہیں ہو، توکم ازکم تین بٹے چارعلم تو ان کے لیےمسلم ہے جس میں ان کا کوئی شریک نہیں ہے۔

اس کےعلاوہ اوربھی انھوں نےبتایاکہ امام اعظم ابوحنیفہ نےکتاب الفرائض کووضع کیااوراس کو لکھا،اوراس کےبارے میں حدیث شریف میں آیاہےکہ

"تعلّمواالفرائض وعلموهافانهانصف العلم"۔[1]

یعنی فرائض سیکھواور سیکھاؤ،اس لیے کہ وہ تمہارے دین سے ہے اور نصف علم ہے۔یعنی ترکہ وغیرہ کے مسائل جو بعد موت سے تعلق رکھتے ہیں اس کوحدیث میں نصف علم فرمایاگیاہے اوربھی وجہیں بیان فرمائیں جن کی روسے امام اعظم کا تفرد،ان کی انفرادیت اور پوری امت پر ان کا احسان ثابت ہوتاہے۔[2] اورخودامام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نےارشادفرمایاہے:"جوعلم فقہ میں تبحرحاصل کرناچاہتاہووہ امام اعظم کے تلامذہ کی کتابیں دیکھے"۔اورانھوں نے فرمایا:"الناس

(۱)سنن ابن ماجہ باب الحث علی تعلیم الفرائض ج،۲،ص۹۰۸

(۲)مناقب الامام للموفق ص ۴۱۲ طبع سوم ۱۴۳۶ھ۔اشاعت طلبۂ جامعہ اشرفیہ،مبارک پور

كلهم في الفقه عيال أبي حنيفة". [1] کہ تمام کے تمام لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے عیال ہیں۔یعنی اس فن میں انہی کے سہارے زندگی گزارنے والے ہیں اور جیسا کہ ابھی محب گرامی مولانا فروغ احمد اعظمی نے امام اعظم کے تلامذہ کی شان بیان کی کہ بیشتر تلامذہ یہاں تک کہ امام بخاری کے شیوخ اوران کے شیوخ ایسے ہیں جو امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سلسلۂ تلمذ سے وابستہ ہیں۔

ان میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی بھی ہیں جن کے بارے میں حضرت علی بن المدینی جن کی شان یہ ہے کہ امام بخاری ان کے بارے میں فرماتے ہیں: "مااستصغرت نفسي عندأحد إلا عند علي بن المديني".کہ میں نے کسی کے سامنے اپنے کو چھوٹا نہیں سمجھا سوائے علی بن المدینی کے،یہ امام بخاری کے شیخ اور استاذ ہیں۔امام بخاری کے شیخ اور استاذ(امام علی بن المدینی) عبدالرحمٰن بن مہدی کو ثقہ، ثبت،امام بیان کرتے ہیں۔

وہ(حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی) فرماتے ہیں کہ میں حدیثیں نقل کیا کرتا تھا، لکھا کرتا تھا تو میں نے دیکھا کہ حضرت سفیان ثوری امیرالمؤمنین فی العلما ہیں اور حضرت سفیان بن عُیینہ (یہ ان کے بعد کے تھے) یہ امین العلما ہیں اور حضرت شعبہ ابن الحجاج حدیث کی کسوٹی ہیں یعنی وہ حدیثوں کو پرکھ کر کے بیان کردیتے ہیں کہ کس میں کیا سُقم ہے اور کس میں سُقم نہیں ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن مبارک یہ صرّاف الحدیث یعنی حدیث کے پرکھنے والے اس کے صیرفی ہیں اور یحیٰ بن سعد کو بیان کیا کہ یہ علما کے قاضی ہیں اور ابوحنیفہ یہ علما کے قاضی القضاۃ ہیں اور اس کے بعد فرمایا: "من قال لك سوى ذٰلك فارمه في كناسة بني سليم".اس کے علاوہ اگر کوئی کچھ تم سے بیان کرتا ہے تو تم بنی سُلیم کے گھورے پر لے جاکر اس کو ڈال دو۔[2]

(١) مناقب الامام للموفق ص ٣٠٢ طبع سوم ١٤٣٦ھ۔اشاعت طلبۂ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(٢) مناقب الامام الاعظم للموفق ص ٣١٨۔اشاعت طلبۂ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

تو یہ شان انھوں نے امام اعظم کی بیان کی کہ یہ علماکے قاضی القضاۃ ہیں، حضرت شعبہ بن الحجاج کو (جن کی وفات ۱۶۰ھ میں ہے، امام اعظم کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی) خبر دی گئی کہ حضرت امام اعظم کا وصال ہوگیاتوانھوں نے إنالله وإناإليه راجعون پڑھااور اس کے بعدیہ فرمایا:"لقدطفيئ عن أهل الكوفة ضوءنور العلم".کہ کوفہ سےنورعلم کی روشنی جاتی رہی۔ أما إنهم لايرون مثله أبدا۔ یہ کبھی بھی ان کی نظیراوران کی مثال نہ دیکھ سکیں گے۔[1]

یہ حضرت شعبہ بن الحجاج امام بخاری کے شیوخ الشیوخ میں سے ہیں۔اگر مام اعظم ہی کی حیثیت اوران کی شخصیت مجروح ہے تو بخاری شریف کا کوئی اعتبار نہیں رہ جائے گا،اس لیےکہ ایسے لوگوں سے روایات اس میں بھری ہوئی ہیں جنھوں نے امام اعظم کو اپناامام تسلیم کیا،اپناامیرتسلیم کیا،اپناقاضی اور قاضی القضاۃ تسلیم کیا،افقہ تسلیم کیا اوردین کے بارے میں ان کاعظیم احسان تسلیم کیا۔

امام اعظم کی شخصیت اگرمجروح ہوتی ہے تو ان کوامام وپیشوامانےنے والے، قاضی القضاۃ کی حیثیت دینے والے معتبر نہیں رہ جائیں گے،اس لیےآج جو لوگ امام اعظم کی شخصیت کو نشانۂطعن بناتے ہیں ان کواس بات پرنظر رکھنا چاہیے کہ پھرحدیث کا پوراسرمایہ قابلِ اعتبارنہیں رہ جائے گااورجس حدیث حدیث کی رَٹ لگاتے ہیں اورجس کو اپناسب کچھ سمجھتے ہیں اور اس میں سب سے اصح جس کتاب کومانتےہیں وہ ہے صحیح بخاری،اس کی بھی حیثیت مجروح ہوجائے گی،کہ ایسے لوگوں سے یہ بھری پڑی ہے جنھوں نےایک ایسےشخص کوجو مجروح تھاامام وپیشوا اورنہ معلوم کیاکیاالقاب دیے ہیں۔

امام اعظم کااحسان عقائدکےباب میں آپ دیکھیں توامام اعظم نےاس وقت

---

(1)اخبارابی حنیفۃ واصحابہ،ص۸۰

کے تمام فتنوں کو سر کیا ہے اور بڑے بڑے بدمذہب جوان کے سامنے آجاتے تھے وہ چند منٹوں میں ان کو خاموش کر دیتے تھے۔

ایک مرتبہ کچھ خوارج گروہ لے کر کے آئے، وہ امام اعظم سے بحث کرنا چاہتے تھے۔ مسئلہ یہ رکھا کہ آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کیسے حق پر مانتے ہیں جب کہ انھوں نے حَکَم کو قبول کیا اور إن الحکم إلا للہ حکم تو صرف اللہ کا ہے اور حضرت علی تو غیر اللہ کو حَکَم مان کر مشرک ہو گئے۔

یہ لوگ (وہابیہ) بھی استدلال اسی قسم کی آیتوں سے کرتے ہیں مثلاً جن میں یہ آیا ہے کہ علم غیب صرف اللہ کے لیے ہے تو کہتے ہیں: غیر اللہ کے لیے کوئی علم غیب مانتا ہے تو وہ مشرک ہے، بالکل خوارج کے طرز پر ان کا بھی استدلال ہے۔

خوارج نے امام اعظم سے کہا کہ حضرت علی تو غیر اللہ کو حکم مان کر کے مشرک ہو گئے، آپ کیسے ان کو امام اور پیشوا تسلیم کرتے ہیں؟ تو امام اعظم نے فرمایا کہ تم لوگ اگر مجھے قتل کرنے کے لیے آئے ہو تو تم لوگ زیادہ ہو میں تنہا کیا کروں گا، اور اگر بحث کرنا چاہتے ہو تو میں بحث کر سکتا ہوں۔ وہ بولے: ہم بھی بحث ہی کرنا چاہتے ہیں، قتل کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔ تو امام اعظم نے فرمایا کہ بحث اگر لمبی ہوئی، معاملہ کسی نتیجہ تک نہیں پہنچا تو کیسے فیصلہ ہوگا، کوئی درمیان میں فیصل ہونا چاہیے، تم اپنے اندر سے کسی کو فیصل بناؤ، کہ اگر ہماری تمھاری بحث لمبی ہو گئی تو اس کا قول فیصل ہوگا۔

انھوں نے کہا: بہت ٹھیک ہے، یہ شخص جو ہے، ہمارا حکم اور فیصل ہوگا، اس کی بات ہماری بات ہوگی۔ امام اعظم نے کہا: اس کو مانتے ہو؟ اس کا انکار تمھارا انکار ہوگا اور اس کا اقرار تمھارا اقرار ہوگا؟ کہا: ہاں ہم بالکل اس کو مانتے ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہی کام تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا جو آج

تم نے کیا ہے۔اس پر خوارج سب اٹھ کر چلے گئے۔امام اعظم کو ایسے واقعات بہت پیش آتے تھے۔اس طریقے سے فتنوں کو انھوں نے سر کر دیا۔

ایک شخص (شاہ روم) نے جس کو علمائے کرام ''کلب روم'' لکھتے ہیں، اپنا ایلچی بھیجا اور یہ کہا کہ تم مسلمانوں کے علما سے تین مسئلے دریافت کرنا،اگر ان کا جواب دست یاب ہوجائے تو یہ سارا مال تم ان کے اوپر صرف کر دینا اور جواب نہ دریافت ہو تو مسلمانوں سے خراج وصول کرنا۔

وہ شخص آیا اور اس نے علما سے تین مسائل کے بارے میں پوچھا،ایک یہ کہ اللہ سے پہلے کیا تھا؟دوسرا یہ کہ اللہ کس جہت میں ہے،کس سمت میں ہے؟ اور تیسرا یہ کہ اللہ کیا کر رہا ہے؟----علمانے اپنے طور پر جواب دیا لیکن وہ خاموش نہیں ہوا،بحث کرتا رہا تو امام اعظم جو اس وقت کم سن تھے انھوں نے اپنے والد سے اجازت طلب کی کہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس عیسائی کو جواب دوں تو انھوں نے اجازت نہیں دی، پھر انھوں نے خلیفۃ المسلمین سے اجازت طلب کی کہ آپ اجازت دیجیے کہ میں اس سے بحث کروں،خلیفہ نے اجازت دے دی۔

امیرالمؤمنین کی اجازت کے بعد وہ سامنے آئے اور عیسائی سے کہا: تو سائل ہے یا معلم ہے؟

اس نے کہا: میں سائل ہوں۔

انھوں نے کہا :نیچے آؤ، میں جواب دینے والا ہوں، میں منبر پر رہوں گا، تم کو منبر سے نیچے آنا ہے۔(اس وقت وہ کم سن تھے،نہ ابوحنیفہ تھے،نہ امام اعظم تھے،نعمان بن ثابت تھے۔)

انھوں نے فرمایا:کہ سوال تیرا کیا ہے؟

اس نے کہا کہ، اللہ سے پہلے کیا تھا؟

توانھوں نے فرمایا:گنتی جانتے ہو؟

ہاں! جانتا ہوں، ایک، دو، تین، چار، پانچ۔

توفرمایا: ایک سے پہلے کیا ہے؟

اس نے کہا: ایک سے پہلے کچھ بھی نہیں۔

توانھوں نے کہا: جب اس واحد مجازی عددی سے پہلے کچھ بھی نہیں ہے تو اس واحد حقیقی سے پہلے کیا ہوگا، یہ گنتی والا "ایک" اس سے پہلے کچھ نہیں تو واحد حقیقی سے پہلے کیا ہوسکتا ہے---وہ لاجواب ہو گیا۔

اس کے بعد اس نے دوسرا سوال کیا: اللہ کس جہت میں ہے؟

نعمان بن ثابت: شمع جلاتے ہو تو کس جہت میں اس کی روشنی ہوتی ہے؟

اس نے کہا: کسی جہت میں نہیں ہوتی ہے، ہر سمت اس کی روشنی نظر آتی ہے۔

نعمان بن ثابت: یہ نور مجازی، جب اس کے لیے کوئی جہت نہیں ہے تو اس نور حقیقی کے لیے کوئی جہت کیسے ہوسکتی ہے؟----وہ خاموش ہو گیا۔

اس نے کہا: اچھا! اللہ تعالیٰ معطل ہے یا کچھ کرتا بھی ہے؟

حضرت نے فرمایا: کرتا ہے کل یوم ھوفی شان ہر وقت کسی کام میں ہے۔ اور اس وقت یہ کر رہا ہے کہ تجھ جیسے ملحد کو منبر سے اتارا اور مجھ جیسے مومن موحّد کو منبر پر چڑھایا، تجھ کو ذلت دی، مجھ کو عزت دی، اس کا ہر وقت ایک کام ہوتا ہے----وہ لاجواب ہو گیا اور جتنا مال لے کر کے آیا تھا سب مسلمانوں میں تقسیم کر دیا اور دے کر چلا گیا۔

یہ واقعہ امام اعظم کے بچپن کا ہے۔ بعد میں توانھوں نے بڑے بڑے ملحدوں اور بدمذہبوں کو لاجواب کر کے تمام مسلمانوں کو استحکام بخشا۔

یہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ احسان ہے جو صرف حنفیوں پر نہیں ہے، تمام لوگوں پر ہے، تمام ائمہ کے ماننے والوں پر ہے۔ اور مقلدین ائمہ پر یوں بھی ان کا احسان ہے کہ امام اعظم کے شاگرد تھے امام مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام مالک

کے شاگردخاص تھے امام محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اورامام شافعی کے شاگرد تھے امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو صاحبِ مذہب ہیں۔ یہ تینوں مذہب کے ائمہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلسلۂ تلمذ میں ہیں۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص شاگرد حضرت امام محمد بخاری ہیں اور حضرت امام محمد بخاری کے شاگرد حضرت امام مسلم بن حجاج ہیں اور نیچے بھی آپ جوڑتے چلے جائیے توسلسلہ ملتاچلاجائے گا، اس طریقے سے جتنے ائمۂ حدیث ہیں یہ بالواسطہ امام اعظم کے شاگرد ہونے کی حیثیت سے سب کے سب امام اعظم کے ممنون ہیں۔

اورامام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شان تو یہ تھی کہ کوفہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر انور کے پاس پہنچے تو فجر میں قنوت نہ پڑھا۔امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھاجائے گا،دوسری رکعت میں رکوع کے بعد ان کے یہاں قنوت ہے،لیکن جب امام اعظم کی مسجد میں جو ان کی قبر سے متّصل ہےاس میں نماز پڑھی تو قنوت نہیں پڑھااور یہ فرمایاکہ ’’اس قبر والے سے مجھے حیاآتی ہے کہ میں ان کے سامنے ان کے مذہب کی مخالفت کروں‘‘۔

یہ امام شافعی کی شان کب تھی؟امام اعظم کے وصال کے بعد،امام اعظم کے وصال کے بعدبھی وہ یہ یقین کرتے تھے کہ یہ زندہ ہیں اور جس طریقے سے میراعمل زندگی میں میرے ساتھ دیکھتے،آج بھی دیکھ رہے ہیں، ورنہ ان کاعقیدہ اگر یہ ہوتاکہ یہ تو خاک ہوگئے توان کو شرم نہیں آتی کہ میں کیاکررہاہوں۔

یہ ان اسلاف کاعقیدہ تھاجن کانام لیتے لیتےآج لوگوں کی زبانیں تھک جاتی ہیں اورقلم گھس جاتے ہیں،لیکن اِن کے برخلاف وہ اسلاف اعتقادیہی رکھتے تھے کہ یہ صالحین امت، یہ اولیاے کاملین جس طرح اپنی حیات میں ادراک وبصیرت رکھتے تھے اسی طرح سے بعدوصال بھی ادراک و بصیرت

رکھتے ہیں۔

اورامام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے بارے میں تو یہاں تک ہے کہ جب کسی کو حاجت پیش آتی تھی ان کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھتا تھا، ایصال ثواب کرتا تھا، پھر رب سے حاجت طلب کرتا تھا اور حاجت پوری ہوتی تھی،اس طرح کا عمل امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے۔تو ان ائمہ کا یہ معمول رہا ہے،اس لحاظ سے بھی تمام امت مسلمہ پر ان کا احسان عظیم ہے۔

اس کے علاوہ جس زمانے مین ان حضرات نے مسائل کی تدوین کی ہے تو آپ یقین کیجیے کہ اسلامی سلطنت کا رقبہ بہت بڑھ چکا تھا،پھیل چکا تھا،اس کے اندر مسلمین کے ساتھ کفار بھی تھے،سب کے لیے حقوق کیا ہوں گے، مسائل کیا ہوں گے اس کی تدوین کرنے والے امام اعظم ابو حنیفہ ہیں۔اس لحاظ سے معاشرتی، تمدنی ہرطرح کے مسائل جمع ہوئے،مسلمانو ں کی عبادات ومعاملات کے ساتھ اسلامی سلطنت میں رہنے والے غیر مسلموں کے حقوق ومعاملات بھی واضح کیے گئے اور سلاطین وحکام کو ان احکام کا پابند رہنے کی ہدایت کی گئی۔امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب ”الخراج“ میں ایسے بعض احکام ومعاملات کا ذکر ہے۔اُس وقت سے اب تک اسلامی حکومتوں میں غیر مسلموں کو جو حقوق ملے یقیناً وہ امام اعظم اور ان کے تلامذہ کی اجتہادی محنتوں کا ثمرہ ہیں، ورنہ سلاطین اورامرا کے وہاں تو کچھ بھی ہوسکتا تھا،لیکن جب سلاطین اور امرا کے لیے حدیں مقرر کردی گئیں کہ یہ کروگے تو جائز ہوگا اور یہ کروگے تو ناجائز ہوگا تو اس سے وہ تجاوز نہیں کرسکتے۔اس لحاظ سے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا احسان مسلموں کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کے اوپر بھی ہے کہ ہرایک کے لیے انھوں نے حدیں مقرر کیں اور ہرایک کو اس کا حق اورانصاف دلایا۔

اورآج تک تمام ممالک میں جو دستور بنے ہیں ان میں امام اعظم کی فقہ

سے استفادہ کیا گیا ہے اور ہر ایک میں اس سے اخذ کیا گیا ہے، اس طرح آج کی جو بے راہ دنیا ہے اس کے سامنے بھی امام اعظم کے وضع کردہ اصول وقوانین ہیں اور آج کی دنیا نے ان سے جہاں تک اخذ کیا اس میں وہ فائدے میں ہے۔ اس لحاظ سے آج کے لوگوں پر بھی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا احسان عظیم ہے مسلمانوں پر بھی اور غیر مسلموں پر بھی۔

اور آج آپ ان کی یاد منا کر یقیناً تمام لوگوں کی طرف سے ایک عظیم فرض کی ادائیگی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہم سب کو توفیق خیر سے نوازے۔ وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العلمین.

اصلاح معاشرہ

۲۷؍رجب ۱۴۳۷ھ مطابق ۲؍مئی ۲۰۱۶ء(شب معراج)مقام:شہید نگر، مبارک پور

مجھے توصرف بیٹھنے کی ہی دعوت تھی -----آنے کے بعد حکم ہوگیاکچھ کہنے کا۔ جلسے ہوتے رہتے ہیں اور میلاد شریف کی محفلیں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ یہ محفلیں خیروبرکت کے لیے ہوتی ہیں یقیناًرسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام کاذکراور اولیاوصالحین کاذکرباعث خیروبرکت ہےاوریہ جاری رہناچاہیے اور مسلمانوں کا حضور سرور کائنات ﷺ سے ایمانی رشتہ وابستہ ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے ذکرکی محفلیں منعقدکرتے رہیں۔

اس کے علاوہ بڑے اہتمام سےاجلاس منعقد ہوتے ہیں لیکن ان جلسوں سے ضرور ہم کو کچھ سبق ملنا چاہیے اور جلسے میں شریک ہونے والوں کو کچھ سبق دیناچاہیے لیکن جو فائدہ ان جلسوں کا ہونا چاہیے وہ فائدہ حاصل نہیں ہوپاتا۔ رات بھر جلسے یوں ہی ختم ہوجاتے ہیں اورسامعین کو دینی،علمی اور عقیدے کے لحاظ سے جوپیغام ملنا چاہیے وہ نہیں ملتااور سننے والے بھی یہ فکرلےکرنہیں آتے کہ اس جلسے میں ہم کو اپنی زندگی کی، اپنےاعمال کی اور اپنے عقائد کی اصلاح کرنی ہےاورہم کواپنی زندگی کے اندرکوئی انقلاب پیدا کرناہے، بس ایک تفریح کےطور پرآگئےاور شرکت کرکے چلے گئے اور زیادہ تر تو نغمہ وترنم کی طرف توجہ ہوتی ہے کہ کس کا نغمہ وترنم اچھاہے اس کےشیدارہتے ہیں اور طرح طرح سے اپنی شیدائیت کا اظہار کرتے ہیں لیکن ان جلسوں کا مقصد یہ نہیں ہےکہ کچھ دیرہم نےیہاں وقت گزارا، آئےاورچلے گئےبلکہ ان جلسوں کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے اعمال کواپنے عقائد کوسنوار یں ترقی

دیں اور بہتر بنائیں۔

انسان کو سب سے پہلے تویہی جاننا چاہیے کہ وہ دنیامیں کیوں آیاہے اور اس کو یہ عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے کہ اس جہان کے بعد بھی ایک جہان ہے اور اسی جہان کی تیاری کے لیے انسان اس جہان میں بھیجاگیاہے۔رسول اللہ ﷺ کا ارشادہے کہ :

"الدنیا مزرعة الاخرة"(۱)

دنیاآخرت کی کھیتی ہے۔

یعنی یہ موقع انسان کو اس لیے فراہم کیا گیاہے کہ یہاں اپنے اعمال اوراپنے عقائد کی اصلاح کرکے اپنی آخرت کوسنوارے۔

دنیامیں آنے کے بعدانسان کے عقائد اگردرست ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر،اس کے رسول پر، فرشتوں پر، تقدیرپراور قیامت کے دن پر جیسا ایمان ہونا چاہیے ویساایمان رکھتاہے تو اس کاایک حصہ درست ہوا کہ اس کا ایمان صحیح ہے کہ ایمان ہی پر اعمال کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ایمان اگرصحیح نہیں توعمل کار آمد نہیں ہے، ایمان کی درستی کے بعدعمل پرتوجہ دیناضروری ہے۔

انسان کواپنےرب کی معرفت حاصل کرنا،رسول کوجانننااور جوچیزیں ایمان سے تعلق رکھتی ہیں ان سب کوجاننا سمجھنااور اس پر مضبوطی سے قائم رہنابھی ضروری ہوتاہےاس کےساتھ ساتھ جن باتوں کوعمل میں لانےکارب تبارک وتعالیٰ نے ہم کوحکم دیاہےان کو عمل میں لانا بھی ہمارے لیےضروری ہے،کم ازکم پانچ وقت کی نمازیں اداکرنایہ ہمارے لیےروزانہ کافرض ہے،سال میں ایک

(۱)حضرت ملاعلی قاری نے اسے ”موضوعات کبری“ میں ذکر کیاہے اور علامہ سخاوی سے نقل کیاہے کہ انھوں نے فرمایاہے: میں اس سے واقف نہیں۔علامہ علی قاری نے مزید فرمایاہے کہ اس کامعنی صحیح ہے جواللہ تعالیٰ کے اس قول سے مقتبس ہے: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ﴿الشوریٰ آیت ۲۰﴾

مہینے کا روزہ رکھنا یہ ہمارے اوپر فرض ہے، صاحب نصاب ہوتو اس پر زکاۃ دینا فرض ہے، استطاعت رکھتا ہو تو حج کرنا اس کے اوپر فرض ہے، اس کے علاوہ اپنے حقوق کی ادائگی اپنے والدین کے حقوق، اپنے بچوں کے حقوق اپنے پڑوس کے حقوق اور متعلقین کے حقوق کی ادائگی بھی ضروری ہوتی ہے اور انسان کے لیے ضروری ہے کہ ہر جگہ عدل اور انصاف سے کام لے کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرے کسی پر ظلم نہ ہو ان سب باتوں پر جب آدمی کاربند ہوگا تبھی اس کی آخرت کامیاب ہوسکتی ہے اور سنور سکتی ہے۔لیکن انسان دنیا میں آنے کے بعد یہ سمجھتا ہے کہ بس یہیں رہنا ہے اور جتنی بھی زندگی ہے بس یہی ہے، اس کے بعد بھی کوئی زندگی ہے جو اس سے اہم ہے اور اس سے لمبی ہے، اس کا تصور نہیں کرتا ہے اور اپنے ذہن میں اس کو حاضر نہیں رکھتا ہے جب کہ کم از کم مسلمان کو اپنے ذہن میں یہ مستحضر رکھنا چاہیے کہ یہ دنیا تو سوسال، پچاس سال کی ہے زیادہ سے زیادہ سوسال کی کہ عام طور سے لوگ سوسال سے آگے شاذونادر ہی گذرتے ہیں اور ساٹھ ستر کے درمیان چلے بھی جاتے ہیں۔

حدیث میں سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا:

"اعمار امتی مابین ستین الی سبعین". [1]

میری امت کے لوگوں کی عمریں ساٹھ، ستر کے درمیان ہوں گی۔

انسان مشاہدہ کرتا ہے کہ لوگ آتے ہیں چلے جاتے ہیں لیکن اس کے بعد بھی اُس جہان کے لیے وہ تیار نہیں ہوتا ہے جس جہان میں اس کو جانا ہے اس دنیا کی زندگی اگر اس نے اپنے رب کے احکام کے مطابق گزاری ہے تو اس کی آخرت بلاشبہہ اچھی اور بہتر ہوگی لیکن اگر یہاں اپنے رب کی نافرمانیاں کرتا رہا ہے، اپنے بھائیوں اور پڑوسیوں پر ظلم وزیادتی کرتا رہا ہے دوسروں کے حقوق غصب کرتا رہا ہے اور اللہ کے فرائض کی بجا آوری نہیں کرتا رہا ہے تو وہاں

(۱) ترمذی شریف، ج۵، ص ۵۵۳

کی دنیااس کے لیے سخت تاریک ہے اور وہاں اس کوسخت مسائل کاسامناکرنا پڑے گاتوانسان ان سب چیزوں کوبھول کرکے یہاں زندگی گزارتاہے اور یہ خیال نہیں کرتاہے کہ یہاں کی زندگی زیادہ سےزیادہ سوسال کی ہےاور وہاں کی زندگی کاایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوتاہے باقی ایام کی درازی کتنی ہے انسان اس کا حساب نہیں کرسکتاہے شمارنہیں کرسکتاہےتوجس جہان کا ایک دن پچاس ہزارسال کاہوگااس جہان کی آبادکاری کےلیے ایک مسلمان کوخیال نہیں جوآخرت پریقین ہی نہیں کرتاہےاس کا تو ہم ذکرہی نہیں کرتےہیں لیکن جواس دن پریقین رکھتاہے اس کوتواس دن کی تیاری کرنا ضروری ہےاوراس کےلیےاپنے عقائد اور اعمال کودرست کرنا ضروری ہے۔

آج عقائد پربھی حملہ کرنے کےلیے اورلوگوں کوگمراہ کرنے کےلیے طرح طرح کی کوششیں ہورہی ہیں،ان لوگوں کی طرف سے بھی جواسلام کےنام سے وابستہ نہیں ہیں،وہ بھی مسلمانوں کےایمان کوبگاڑنے کی طرح طرح سے کوششیں کررہے ہیں اور جولوگ مسلمان کانام اپنےساتھ رکھتےہیں وہ بھی لوگوں کوراہ راست سےہٹانے کےلیے جڑے ہوئےہیں اور شب وروزاس کی جستجومیں لگے ہوے ہیں،آپ یاد رکھیے کہ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، پاک، بےعیب ہے،وہ ازلی ابدی ہے اوراس کےلیے جھوٹ اورکوئی بھی برائی، ممکن نہیں ہے۔یہ اہل سنت کاعقیدہ ہےجس کے اوپر ہمارے سلف قائم رہے۔

اسی طریقے سےاس نےاپنے انبیااوررسولوں کو بھیجاہےتاکہ وہ لوگوں کو ہدایت کریں اوران کواختیارات بھی عطافرمائےہیں،ان سے معجزات بھی صادر ہوتےرہےہیں ان کے تصرفات بھی رہےہیں اورانبیاےکرام کےصدقہ وطفیل اللہ تعالیٰ نے اولیاے کرام کوبھی طاقت وقوت بخشی ہے یہ اہل سنت کااعتقاد

ہے۔

رب تبارک وتعالیٰ کی توحید اور اس کے لیے جیساہماراعقیدہ ہونا چاہیے ویسا عقیدہ رکھنے کے بعد رسول کی عظمت کوبھی جانے اور پہچانے اس کو خود قرآن کریم میں باربار پہنچوایاہے اور رسول کی تعظیم کا ہمیں حکم دیاہے،اگررسول کی ذات کی کوئی اہمیت نہ ہوتی تو قرآن میں یہ ارشادنہ ہوتا۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔ (۱)

”اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سےاوران کے حضور بات چلّاکرنہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلّاتے ہوکہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہوجائیں اورتمہیں خبرنہ ہو“۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کے حضور بےادبی نہ کریں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى - لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ۔ (۲)

”بیشک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیا ہے ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے“۔

اس سے معلوم یہ ہوا کہ رسول کی اہمیت قرآن نےخودجتائی ہے اورظاہر کی ہےبلکہ جس وقت انسان کی تخلیق ہوئی اس وقت بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مقرب بندے حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت ظاہرکی ہےاس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کرنے کاتمام فرشتوں کوحکم دیااورفرشتوں نےاس کی بجا آوری کی،صرف قیام تعظیمی کاحکم نہیں دیاکہ ان کےسامنے دست بستہ کھڑے

(۱)الحجرات،آیت ۲
(۲)الحجرات،آیت ۳

ہوجاؤ اور صرف رکوع کا حکم نہیں دیاکہ ان کے سامنے جھک جاؤبلکہ ''اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ''آدم کے لیے سجدے کا حکم دیااور تمام فرشتوں نے سجدہ کیا صرف ابلیس نےاس کا انکارکیااور وہ مردودبارگاہ ہوگیا،اگرانبیاکی تعظیم شرک ہوتی تونہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کاحکم ہوتااور نہ فرشتوں کی طرف سے اس کی بجاآوری ہوتی۔ اس لیے اس بات کوذہن نشیں رکھیں جہاں رب تبارک وتعالیٰ نے اپنی توحید وتعظیم کاحکم دیاہے وہیں اپنے مقرب بندے اپنے انبیاو رسل کی تعظیم وتکریم کابھی حکم دیاہے اس لیے کوئی اس سے ہٹ کرکے آج حق پر قائم نہیں ہوسکتاہے۔جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کوماننااس کی عبادت کرنا ہمارے اوپرفرض ہے وہیں اس کے مقرب بندوں کی تعظیم کرنا بھی ہمارے اوپرفرض ہے اور اس کے بغیر کوئی بھی ایمان درست نہیں ہوسکتا تواس بات کو بھی ہمیں ذہن نشیں رکھناضروری ہے اور رسول اللہ ﷺ سے تعلق رکھنے والے جتنے بھی ہیں وہ باعظمت ہیں اور جواُن سے جتناہی زیادہ قریب ہے اُتناہی وہ ہمارے نزدیک عظیم ہےاس لیے ہم صحابۂ کرام اور اہل بیت کی تعظیم اور توقیر بھی لازم سمجھتے ہیں اور ان کی بارگاہ میں گستاخی کوکسی بھی قیمت پرروا نہیں سمجھتے اوراولیا ےکرام جوان صحابہ، اہل بیت اور رسول اللہ کے نقش قدم پرچلنے والے ہیں ان کی تعظیم وتوقیر بھی ہمارے لیے لازم وضروری ہے اوراس کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی مانتےہیں کہ اللہ نےاپنے محبوب بندوں کومجبوراور بےاختیار نہیں رکھا ہے بلکہ ان کو طاقت وقوت بھی عطافرمائی ہےاور اس طاقت کے ذریعہ وہ دوسروں کومدد پہنچاتے ہیں اوران کی دستگیری کااختیار رکھتے ہیں۔

آپ نےسیرت کی کتابوں میں پڑھاہوگا کہ صحابۂ کرام کوجب کبھی کوئی مصیبت درپیش ہوتی توسرکار ﷺ کی بارگاہ میں حاضرہوتے اور اپنی مصیبت بیان کرتے تھے اورسرکار ان کی حاجت روائی فرماتے تھے۔اس طرح کے

بے شمار واقعات ہیں۔اگر بندے سے اپنی مصیبت بیان کرنا اور مدد طلب کرنا یہ شرک ہوتاتو حضور ﷺ کی بارگاہ میں اس شرک کا ارتکاب نہ ہوتا بلکہ حدیث شریف میں خودرسول اللہ ﷺ کا ارشادہے معجم طبرانی کی یہ حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بسند حسن مروی ہے۔

ان لله عباداً اختصهم بحوائج الناس،يفزع الناس اليهم فى حوائجهم، اولئك الآمنون من عذاب الله.[1]

"بے شک اللہ کے کچھ خاص بندے ہیں جن کواللہ نے لوگوں کی حاجت روائی کے لیے خاص کرر کھاہے کہ لوگ اپنی ضروریات میں اپنی حاجتوں میں ان کی پناہ لیں یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کے عذاب سے بے خوف ہیں"۔

خودرسول اللہ ﷺ نے فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کچھ بندوں کو خاص کرلیاہے کہ وہ لوگوں کی ضروریات میں کام آئیں ان کی حاجت روائی کریں اور لوگ اپنی حاجتوں میں ان کی پناہ لیں۔اگر لوگوں کا اپنی حاجتوں میں اللہ کے کسی مقرب کسی ولی کی طرف پناہ لینا شرک ہوتاتواللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پیداہی نہ کرتااورنہ رسول اللہ ﷺ ایسے لوگوں کی نشان دہی فرماتے۔خود حضور ﷺ ارشادفرمارہے ہیں کہ اللہ کے کچھ خاص بندےایسے ہیں جن کو لوگوں کی حاجت روائی پرمامور کرر کھاہےاورلوگ اپنی حاجتوں میں اپنی ضروریات میں ان کی پناہ لیتے ہیں۔یہ کون لوگ ہیں جواللہ کے ایسے خاص بندے ہیں ان کے بارے میں سرکارعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشادفرمایا:"اولئك الآمنون من عذاب الله "یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے عذاب سے بے خوف ہیں اللہ کے عذاب سے بے خوف کون ہیں،اس کو قرآن مجید نےارشادفرمایاہے :

"اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ"[2]

(۱)المعجم الاوسط للطبرانی،ج۱۲،ص۳۵۸

(۲)یونس،آیت ۶۲

"بیشک اللہ کے ولیوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غم زدہ ہونے والے ہیں"۔

تو یہ اللہ کے دوست اور اس کے اولیا ہی ہیں جو اللہ کے عذاب سے بے خوف ہیں اس لیے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی مغفرت کا اور اجر عظیم کا مژدہ مل چکا ہے انھیں یہ بشارت ہو چکی ہے۔وہ اللہ تعالیٰ کی جو معرفت رکھتے ہیں اس معرفت کی بنیاد پر اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ ہم عذاب سے مامون ہیں۔

تو یہ اولیاء اللہ ہیں جو اللہ کے عذاب سے بے خوف ہیں اور انھیں کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ کے کچھ خاص بندے ایسے ہیں جن کو اس نے لوگوں کی حاجت روائی کے لیے خاص کر رکھا ہے اور لوگ اپنی ضرورتوں میں اپنی حاجتوں میں ان کی پناہ لیتے ہیں تو اس سے معلوم یہ ہوا کہ آج اہل سنت اولیاے کرام کی بارگاہ کا جو راستہ بتاتے ہیں اور ان کو جو حاجت روا اور ثابت الا ختیار مانتے ہیں یہ حدیث شریف کے مطابق ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے مطابق ہے کسی طریقے سے شرک سے کفر سے اس کا تعلق نہیں ہے اسی طریقے سے کوئی بھی کسی نبی کو، ولی کو، بزرگ کو خدا نہیں مانتا، عام سے عام مسلمان بھی ان سب کو خدا کا بندہ مانتا ہے اور ان کے اندر ذاتی اختیار نہیں مانتا ہے کہ اللہ کے دیے بغیر ان کے اندر کچھ کرنے کی اور کچھ دینے کی قوت ہے، بلکہ جو کچھ بھی طاقت وقوت ان کے اندر مانتے ہیں وہ اللہ کے دینے سے مانتے ہیں اسی وجہ سے اس میں شرک کا کچھ شائبہ بھی نہیں ہے اور جب خود رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا ہے کہ اللہ نے اپنے کچھ بندوں کو اسی کے لیے خاص کر رکھا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ ان کے یہاں حاضر ہوتے رہیں گے اور اپنی حاجتوں کو پیش کرتے رہیں گے اور وہ ان کی حاجت روائی فرماتے رہیں گے۔ یہ اولیاء اللہ کی جماعت ہے جن کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ طاقت ملی ہے اور اللہ نے انھیں کاموں کے لیے ان کو خاص کر رکھا ہے۔

لہٰذا عقائدکی درستی کااولین فریضہ ہمارے اوپر ہے۔ساتھ ساتھ اعمال کی درستی یہ بھی ضروری ہے بلکہ جن کاعقیدہ درست ہے، انھیں کوعمل کرنے کی ضرورت ہے اور جویہ سمجھتے ہیں کہ ہم نےعقیدہ درست کرلیاہے یہی کافی ہے اورعمل کی ہم کو ضرورت کیاہے؟توعمل کو ن کرے گا، مسلمان ہی کوعمل کرنے کاحکم ہے غیرمسلموں کوعمل کرنے کاحکم نہیں ہے،ان کوپہلے ایمان لانے کا حکم دیاگیاہے اور ایمان لانےکے بعدوہ عمل کے مکلف ہوتےہیں اس لیے جو عقائد درست رکھنےوالے ہیں انھیں کوعمل کی طرف توجہ دینی ہے وہ اپنےایمان کی روشنی میں یہ مانتے ہیں کہ آخرت ہی کے لیے ہم پیداکیےہیں اوردنیااسی کی کھیتی ہے جیساکہ رسول اللہ ﷺ نےاپنے خطاب میں ارشاد فرمایاہے تواس کی تیاری کرنا ہمارے لیےبہت ضروری ہے توجوبھی اعمال ہمارے اوپرفرض کیے ہیں ان کو فرض کےطورپراداکریں جوواجب کیےہیں ان کو واجب کے طور پر اداکریں اس کے بعد جو آداب ونوافل اور سنن ہیں ان کی بجاآوری بھی ہماری آخرت کے لیے بہترہےاوراس میں بھی سچے خوش عقیدہ مسلمانوں کو کوشاں ہونا چاہیےاوریہی راہ حق ہے اس سے دوری میں سراسر خسارہ ہے۔

قرآن کریم کا ارشادہے:

”اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا“۔[1]

”بیشک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے عن قریب ان کے لیے رحمٰن محبّت کردے گا“۔

رب کی مقبولیت ومحبت جسے حاصل ہوجاتی ہے توپھراسے بندوں کی محبت ومقبولیت بھی حاصل ہوجاتی ہے اس بارے میں حدیث شریف بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق خیرسے نوازے،ہمارے جلسوں، ہماری محفلوں کوہماری دنیا وآخرت کے لیے کارآمد بنائے۔

---

[1] مریم، آیت ۹۶

توسل کی حقیقت

خطاب بتاریخ ۲۰ر صفر ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۵ر جنوری ۲۰۱۱ء سہ شنبہ
بمقام جھولا میدان، ممبئی۔ زیر اہتمام سنی دعوت اسلامی۔

نحمده ونصلی علی رسوله الکریمامابعد، فأعوذبالله من الشیطن الرجیم.بسم الله الرحمٰن الرحیم یٰاَیُّهَاالَّذِیۡنَ اٰمَنُوااتَّقُوااللّٰهَ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ"[1] صدق الله العظیم.

آپ حضرات ایک بار بارگاہ رسالت مآب میں درودپاک کانذرانہ پیش کرلیں۔

اللھم صلی علیٰ سیدنامحمدوعلیٰ آله وصحبه و بارِك وسلّم.

میری تقریر کاموضوع رکھاگیاہے **"توسل کی حقیقت"** اسی کے تحت میں آپ کوکچھ ضروری باتیں بتاؤں گا۔

یہ تمام اہل اسلام کے نزدیک مسلم امر ہےکہ اس دنیا کاخالق اورمالک اللہ جل جلالہ ہےرب تعالیٰ نےاس جہان کو وجودبخشااور اسی کا نظام اسی کا حکم اس کائنات کےاندرجاری وساری ہےاوراس کی مشیت کےبغیر پوری دنیا میں کچھ نہیں ہوتاقرآن مقدس کا ارشادہے "یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ"[2] وہی کاموں کی تدبیر کرتاہے۔اسی طرح رب تعالیٰ پر ہمارا جوایمان ہے وہ یہ بھی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمام کمالات کا جامع اور تمام عیوب اور نقائص سےپاک ہےکسی طرح کا عیب جھوٹ،چوری، برائی کوئی بھی عیب ہوکسی قسم کا بھی ہویہ نہ اللہ تبارک

---

(۱)المائدہ،آیت ۳۵

(۲)السجدۃ،آیت ۵(رب تعالیٰ قیامت تک ہونے والے امور کی اپنے حکم،امراور اپنے قضاوقدر سے تدبیر فرماتاہے ۱۲ناشر

وتعالیٰ کے لیے ہے اور نہ ہوسکتا ہے وہ کسی بھی عیب سے نہ موصوف ہے اور نہ موصوف ہوسکتا ہے اور جوکچھ بھی اختیار،قدرت،علم، کمال ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے لیے حاصل ہےاور وہ تمام کمالات کاجامع ہے،اس پرقرآن کریم شاہد ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشادہے:

وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (۱)

وہی ہے سننےوالا،وہی ہے دیکھنےوالا۔

قرآن نے یہ بھی فرمایا :

اَللّٰهُ لَآاِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (۲)

کوئی معبودنہیں ہے مگروہی اللہ وہی حیات والاہے وہی خودقائم ہے اورسب کو قائم رکھنےوالاہے۔

رب تبارک وتعالیٰ کے بارےمیں یہ امرمسلم ہےکہ جو بھی قدرت ہے، اختیار ہے، تصرف ہے،کمال ہے،علم ہے،وہ سب رب تبارک وتعالیٰ کوحاصل ہے اور جہاں تک بھی ہماری عقل کی رسائی ہوسکتی ہےاور جس کوبھی ہم سوچ سکتے ہیں اور کمالات کی انتہاجوہمارے ذہن ودماغ میں آسکتی ہے وہ رب تبارک وتعالیٰ کے لیے حاصل ہے۔

اب اس کے بعدیہ مرحلہ پیش آتاہے کہ کیابندوں کوبھی کوئی کمال حاصل ہے یانہیں؟ بندوں کوبھی کوئی اختیارحاصل ہے یانہیں ؟بندوں کو بھی کچھ قدرت حاصل ہے یانہیں ؟ بندوں کے اندربھی کوئی طاقت حاصل ہے یانہیں ؟

ہم اہل سنت کامذہب یہ ہے کہ بندے بھی قدرت اور اختیار رکھتے ہیں ایک فرقہ تھا ”جبریہ“جواس بات کاقائل تھاکہ بندے کے اندرکوئی طاقت اور کمال نہیں ہے لیکن آج کی دنیامومنین تومومنین،ملحدین وکفارکی بھی دنیااس کو

(۱)الشوریٰ،آیت۱۱

(۲)البقرہ۲۵۵/آل عمران۲

تسلیم کرتی ہے کہ انسانوں کے اندر، بندوں کے اندر طاقت اور قوت ہے اور شریعت مطہرہ سے بھی، قرآن وحدیث سے بھی یہ ثابت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بندوں کو خصوصاً انسانوں کو مجبور محض نہیں بنایا ہے اگر بندوں کو پتھر کی طرح مجبور بنایا ہوتا، انسانوں کو اس نے جمادات کی طرح رکھا ہوتا تو انسانوں کو اعمال کا مکلف نہیں بناتا جس طرح سے پتھروں کو نماز اور روزہ کا مکلف نہیں بنایا گیا ہے اسی طرح انسان کو بھی مکلف نہیں بنایا جاتا لیکن انسان کے اوپر بہت سے فرائض عائد کیے گئے اور بہت سے واجبات انسان کے ذمہ عائد ہوتے ہیں وہ اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں مجبور محض نہیں بنایا ہے بلکہ ان کو طاقت اور قوت عطا فرمائی ہے اور وہ اپنے بے شمار کاموں کو انجام دے سکتے ہیں اور انجام دیتے ہوئے نظر آتے ہیں اب اس طاقت وقوت کو آپ دیکھیں تو مختلف افراد کے اندر مختلف قسم کی طاقتیں اور قوتیں ملیں گی یہ طے شدہ ہے کہ ہر انسان یکساں قوت نہیں رکھتا ہے جوان اور بالغ کے اندر جو طاقت اور توانائی ہوتی ہے وہ کم سن بچے کے اندر نہیں ہوتی۔ اسی طریقے سے بعض بوڑھوں کے اندر بھی وہ طاقت اور توانائی نہیں ہوتی جو عام جوانوں کے اندر ہوا کرتی ہے تو طاقت اور قوت کا فرق بھی رکھا گیا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ سب برابر برابر طاقت اور قوت رکھنے والے ہیں اور انسانوں سے آگے جب آپ دیکھیں گے تو اور زیادہ قوت والے ملیں گے۔ انسان، اپنی طاقت اور قوت سے زمین کے اوپر چل سکتا ہے اٹھ بیٹھ سکتا ہے اور بہت سی چیزوں کو اٹھا سکتا ہے رکھ سکتا ہے اور بہت سارے کام انجام دے سکتا ہے۔ لیکن جنوں کو جب آپ دیکھیں گے تو جنوں کو انسانوں سے زیادہ طاقت عطا کی گئی ہے اسی لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب اپنے دربار میں یہ فرمایا تھا کہ کون ہے جو تختِ بلقیس کو ملک سبا سے یہاں تک لا دے تو قرآن کریم میں مذکور ہے:

قَالَ عِفۡرِیۡتٌ مِّنَ الۡجِنِّ اَنَا اٰتِیۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ تَقُوۡمَ مِنۡ مَّقَامِكَ[۱]

''ایک بڑا خبیث جن بولا میں وہ تخت حضور میں حاضر کردوں گا قبل اس کے کہ حضور اجلاس برخاست کریں''۔

یہ عام انسانوں کے بس کی بات نہیں ہے ملک سبا سے ملک شام تک دربار برخاست ہونے سے پہلے پہلے لاسکیں،ملک سبا سے ملک شام تک دربار برخاست ہونے سے پہلے پہلے یعنی چند گھنٹے کے اندر اتنا بڑا تخت جو کہ طرح طرح کے عجائب سے مرصع تھا اور وہ بھی کہیں باہر میدان میں نہیں رکھا ہوا تھا بلکہ جب ملکۂ بلقیس اپنے ملک سے چلی ہے تو اس کو سات قفل کے اندر سات دروازوں کے اندر سات کمروں کے اندر بند کرکے رکھا تھا اور اس تخت کو ایک آدمی اٹھا بھی نہیں سکتا تھا لیکن جن نے یہ کہا کہ میں اس تخت کو مجلس برخاست ہونے سے پہلے پہلے لا سکتا ہوں اور دوسرے صاحب نے عرض کیا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابی تھے:

اَنَا اٰتِیۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡكَ طَرۡفُكَ[۲]

''میں آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے پہلے اس کو یہاں حاضر کرسکتا ہوں''

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے دیکھا کہ تخت بلقیس یہاں حاضر ہے تو سب کے سب طاقت اور قوت میں برابر نہیں ہوتے۔عام انسان اس تخت کو ہلا بھی نہیں سکتا ہے اٹھا بھی نہیں سکتا ہے لیکن ایک جن کو یہ طاقت عطا کی گئی ہے کہ وہ ایک ملک سے دوسرے ملک مجلس برخاست ہونے سے پہلے پہلے یعنی چند گھنٹے کے اندر حاضر کرسکتا ہے اور خود انسانوں ہی میں سے ایک صاحبِ روحانیت کو جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابی تھے ان کے فیض یافتہ تھے آصف ابن برخیا ان کو یہ طاقت اور قوت عطا کی گئی تھی کہ وہ چشم زدن میں آنکھ جھپکنے سے پہلے پہلے

(۱) النمل، آیت ۳۹

(۲) النمل، آیت ۴۰

ملک سبا سے بلقیس کا تخت شام تک لاسکتے تھے اور نہ یہ کہ صرف لاسکتے تھے بلکہ انھوں نے وہ تخت لاکر کے حاضر کردیا اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کو سامنے دیکھا تو اس پر خدا کا شکر ادا کیا یہ قرآن کا صرف ایک واقعہ ہے ادھر ادھر کی کتابوں سے پیش نہیں کیا گیا ہے نہ حدیث کی کتاب سے لیا گیا ہے کہ اس کے بارے میں آپ کہیں کہ رجال اس کے قوی نہیں ہیں اور فلاں راوی کے اوپر فلاں نے جرح کی ہے اور فلاں کے اندر ضعف پایا جاتا ہے اور ایسا ہے ویسا ہے۔ میں یہ عرض کررہا ہوں کہ رب تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، بندوں کو وجود بخشا ہے، مخلوقات کو اس جہاں میں نمودار فرمایا ہے لیکن سب کی طاقت وقوت یکساں نہیں رکھی ہے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ ان کو بے طاقت و بے قوت اور مجبور محض بنایا ہو کہ یہ کچھ کرنے کی قوت اور صلاحیت ہی نہ رکھتے ہوں اگر ایسا ہوتا تو انسانوں کو مکلف ہی نہ بنایا جاتا اور فرائض وواجبات کی ادائگی کا اور اعمال کی ادائگی کا ان کو مکلف ہی نہ بنایا جاتا تو انسانوں کی ہی طاقت پر گفتگو کرتے ہوئے میں یہ عرض کررہا ہوں کہ ایک انسان کے اندر تو اتنی طاقت نہیں ہوتی ہے کہ اتنا بڑا تخت ہلاسکے لیکن دوسرا صاحب روحانیت انسان ہے جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ طاقت وقوت عطا کی گئی ہے کہ وہ اتنا بڑا تخت جو بہت سارے کمروں اور قفلوں کے اندر بند ہے وہ چشم زدن میں حاضر کردیتا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے درباروالے یہ دیکھ لیتے ہیں کہ اللہ کے اس بندے کو کتنی عظیم قوت حاصل ہے اور اس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ یہ قرآن مقدس نے ذکر کیا ہے تو اس فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ سب کے سب طاقت اور قوت میں برابر نہیں ہیں اللہ کے خاص بندوں کو اور اس کی بعض خاص مخلوقات کو انسانوں سے یعنی عام انسانوں سے بہت زیادہ طاقت اور قوت حاصل ہے اور وہ اپنی طاقت اور قوت سے بہت سے کام انجام دے سکتے ہیں اس کی بنیاد پر ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے

جب اپنے خاص بندوں کو یہ طاقت اور قوت عطافرمائی ہے تو ان سے اپنی مشکلات میں مدد حاصل کی جاسکتی ہے۔

جس طریقے سے ایک بچہ اپنے ماں باپ سے مدد حاصل کرتا ہے ماں باپ اپنے بیٹوں سے مدد حاصل کرتے ہیں اور ایک شخص اپنے پڑوسی سے مدد حاصل کرتا ہے جب بیمار پڑتا ہے تو ڈاکٹر سے مدد حاصل کرتا ہے اور جب اس کے اوپر کوئی آفت آتی ہے تو کسی بھی طاقت اور قوت والے سے مدد لیتا ہے کوئی پولس سے مدد لیتا ہے کوئی حکومت سے مدد لیتا ہے طرح طرح کی مدد لینے اور استعانت کرنے اور اپنی ضروریات کے بَرلانے میں دوسروں کو وسیلہ بنانا یہ دنیا بھر کا معمول ہو چکا ہے اور کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔اس طرح سے جو ضروریات پیش آتی ہیں ان میں انسان مدد بھی کرتا ہے اور دوسروں کی مدد لیتا بھی ہے، تو یہ مدد کرنا اور مدد لینا جس طریقے سے کہ عام حاجات،عام طرح کی ضروریات میں ہوتا رہتا ہے اور پوری دنیا کا عمل اس پر ہے اسی طریقے سے خاص مشکلات میں خاص ضروریات میں اور خاص کاموں میں مدد لینا ان لوگوں سے جو بڑی طاقت اور قوت والے ہیں جائز اور درست ہے۔ اس کو اگر شرک کہتے ہیں تو شرک کہنے کے لیے دلیل چاہیے اگر وہ یہ دلیل پیش کریں کہ قرآن مقدس میں آیا ہے سورۂ فاتحہ کے اندر:

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ[1]

کہ ہم صرف تیری بندگی کرتے ہیں، تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تیری ہی مدد چاہتے ہیں۔بس اتنا ہی قرآن مقدس میں ہے کہ ”اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ“ کہ ہم صرف تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں لہٰذا اس سے نتیجہ اخذ کر لیا کہ اگر کسی غیراللہ سے مدد مانگ لی اور کسی کو وسیلہ بنالیا اس سے استعانت کرلی اس سے استمداد کی تو شرک ہوگیا جس طریقے سے غیراللہ کی عبادت کرلی تو فوراً مشرک ہوجاتا ہے اسی طریقے سے غیراللہ سے اگر استعانت کی تو فوراً مشرک ہوجائے گا،

---

(۱) الفاتحہ، آیت ۴

ایمان سے نکل جائے گا، کافر ہوجائے گااگراس آیت کا یہی معنی ہےتو روے زمین کےاوپر کوئی بھی مسلم نہیں ہےسب کے سب مشرک ہوچکے ہیں اس لیے کہ قرآن یہ نہیں فرماتاہے کہ صرف مشکل کام میں مددلوبلکہ قرآن تو یہ فرما رہاہے کہ "اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" کہ ہم سارےہی امور میں تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں تو اگراس آیت کے ذریعہ استدلال کرتے ہیں کہ جہاں غیرخداسے مدد مانگی تو فوراً ہی مشرک ہوگیا،توکسی سے آپ نے ایک گلاس پانی مانگا تو فوراًمشرک ہوگئے---کسی ڈاکٹرکو نبض دکھلائی دواحاصل کی تو مشرک ہوگئےکسی جگہ چوٹ لگ گئی کسی سےپٹی بندھوائی،مشرک ہوگئے۔کسی سےکھانا مانگا، مشرک ہوگئےاس لیےکہ یہ سب غیر اللہ سےمددہےاور غیراللہ سے استعانت ہے۔اگرقرآن فہمی کا یہی حال رہاتو روے زمین پر کوئی انسان مسلمان نہیں بچے گاجوکافرہیں وہ رہیں گے ہی جومسلم ہیں وہ بھی مسلم نہیں رہ جائیں گے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزمحدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نےاسی"اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" کی تفسیر میں فرمایاہے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ نےبندوں کو قوت عطافرمائی ہے جب اس قوت کو مانتےہوئےکہ اللہ نے بندوں کو قوت دی ہے اور اللہ ہی کےقوت دینےسے وہ مدد کرنے کی قوت وصلاحیت رکھتاہے اس بنا پر اگرکسی غیرسے مددمانگی تویہ غیرسے مددمانگنانہیں بلکہ یہ اللہ ہی سےمددمانگناہے۔تومسلمان کا عقیدہ یہ ہوناچاہیے کہ سب کچھ دینےوالا، عطاکرنےوا لا،ذاتی طورپر،مستقل طور پر رب تبارک وتعالیٰ ہے۔لیکن رب تبارک وتعالیٰ نےبندوں کوجب پیدا فرمایاہےتوان کو مجبور محض نہیں بنایا ہے بلکہ بندوں کو طاقت اور قوت بھی عطا فرمائی ہے۔اب جب یہ ایک مسلم اعتقادرکھتاہے کہ بندے کو طاقت اورقوت حاصل ہے اور اللہ کی دی ہوئی طاقت اور قوت ہے اوریہ اعتقادرکھتےہوئے وہ دوسروں سے مددمانگتاہے،ڈاکٹرسے مددمانگتاہے، وکیلوں سے مددلیتاہے،یاکسی طریقے کے معاملے میں کسی سے مددلیتاہے تویہ دراصل اللہ ہی سےمدد لیتاہے

اس لیے کہ بندۂ مومن یہ مانتا ہے کہ اللہ ہی کی دی ہوئی طاقت اور قوت اس کے پاس ہے۔

اہل اسلام اور اہل اسلام کے جو ائمہ اور پیشوا اور علماے دین ہیں انھوں نے تو اس آیت کریمہ سے یہ سمجھا ہے کہ اگر اللہ کی دی ہوئی طاقت اور قوت مانتے ہوئے کوئی بھی غیر سے استعانت کرتا ہے تو یہ دراصل اللہ ہی سے استعانت کرنا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے یقیناً بندوں کو مجبور محض نہیں بنایا ہے بلکہ ان کو طاقت عطافرمائی ہے تو اس کے لحاظ سے اس سے مدد لی جاسکتی ہے حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت بلقیس کے حاضر کرنے میں دوسرے ہی سے کہا تھا کہ کون ہے جو اس کو لادے، جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام خود نبی تھے خود بااختیار تھے حضرت آصف ابن برخیا ان کے وزیر تھے ان کے صحابی تھے۔ ایک صحابی کے اندر جو طاقت اور قوت ہوگی، جو روحانیت ہوگی، جو مدارج کمال ہوں گے وہ یقیناً اس کے نبی کے اندر ضرور ہوں گے لیکن اس معاملے میں بھی انھوں نے دوسروں سے مدد لی دوسرے سے حاضر کروایا تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ سے مدد لینا شرک نہیں۔ اہل سنت کا جو عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ یقیناً ذاتی قوت، اختیار، ارادہ اور تصرف اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے۔ کسی کے پاس اپنا کچھ بھی نہیں ہے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے دینے سے جیسے جیسے اس نے بندوں کو کمالات اور اختیارات عطافرمائے ہیں ضرور حاصل ہیں اور بندے مجبور محض نہیں ہیں اور یہ بہت سارے کام اپنی طاقت اور قوت کے لحاظ سے انجام دے سکتے ہیں بہت سے وہ کام ہیں جن کو یہ خود کرسکتے ہیں۔ بہت سے وہ کام ہیں جن کو خود نہیں کرسکتے ہیں ان میں دوسروں سے مدد لیتے ہیں اور دوسروں کو اپنی حاجت میں وسیلہ بناتے ہیں یہ شرک نہیں ہے اور خود قرآن مقدس میں یہ موجود ہے۔

قرآن مقدس میں ارشادفرمایاگیاہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ[۱]

"اےایمان والو صبر اور نماز سے مدد چاہو"

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ[۲]

"اے ایمان والو اللّٰہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو"

اب آپ بتائیے کہ قرآن نے جو فرمایا ہے کہ صبراور نماز سے مددچاہوتو کیا صبر اور نمازخداہیں؟صبراور نماز بھی غیراللہ ہیں۔خودانسان بھی غیراللہ ہے اور انسان کے اعمال بھی غیراللہ ہیں انسان بھی مخلوق ہے اوراس کے اعمال بھی مخلوق ہیں۔قرآن مقدس ارشادفرماتاہے :"خلقکم وماتعملون"اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم کوبھی پیدا فرمایا اور تمھارے اعمال کو بھی۔انسان کاعمل جوکچھ وہ کرتا ہے اٹھنا، بیٹھنا، روزہ رکھنا، نماز پڑھنا،حج کرنا،زکات دینا یہ سارے اعمال خداکے مخلوق ہیں اور جو بھی مخلوق ہے وہ غیراللہ ہے،خالق نہیں ہے،خالق کے علاوہ ہی ہے توانسان،یہ بھی مخلوق ہے،اس کے اعمال یہ بھی مخلوق ہیں لیکن رب تبارک وتعالیٰ نےحکم دیاہےکہ نمازاورصبرسےمددطلب کرو، استعانت کرو تویہ بھی غیراللہ سےمددمانگنےکاحکم ہےاسی طریقے سے وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ تلاش کرو اس میں وسیلہ لینے اورڈھونڈ نے کاحکم دیاگیاہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمدرضاقدس سرہ کے خلیفہ حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جومدینہ منورہ میں مسجد نبوی کےقریب رہاکرتے تھے ان کی ایک مرتبہ قاضی سے گفتگو ہوئی اور اس نے ان کا عقیدہ جاننے کےلیے توسل کےبارے میں گفتگوشروع کردی کہ توسل کو آپ کیاکہتے ہیں تو انھوں نے فرمایا

(۱)البقرہ،آیت ۱۵۳

(۲)المائدہ،آیت ۳۵

کہ میں جائز کہتاہوں۔کہادلیل کیاہے تو فرمایا کہ قرآن میں ارشادہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابۡتَغُوۡٓا اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ(1)

”اے ایمان والواللہ سےڈرواور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو“

اس نے کہاکہ یہاں وسیلہ سے مراد اعمال ہیں یعنی اعمال کی بجاآوری کرو حالاں کہ اعمال تو سب ”تقویٰ“کے اندرآگئے -اتَّقُوااللّٰهَ-پہلے فرمادیاگیاہے، ایمان کا پہلے ذکرہوچکاہے کہ اے وہ جو ایمان لاچکے - اتَّقُوااللّٰهَ-تقویٰ اختیار کرو۔تقویٰ اعمال صالحہ کی بجاآوری ہے۔اب اعمال صالحہ کی بجاآوری کے بعد یہ ارشاہے :وَابۡتَغُوۡٓا اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ اس کی بارگاہ میں وسیلہ ڈھونڈو...توگفتگوکم کرنے کے لیے حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشادفرمایا:تم کہتے ہوکہ وسیلہ سے مراد اعمال ہیں توکیا تم کو یقین ہے کہ جو اعمال تم کرتے ہووہ سب اللہ کے یہاں مقبول ہیں کیوں کہ عمل ہماراجب مقبول ہوگاتبھی کچھ کام آئے گا جوعمل ردہوگیاکسی بھی خلل کی وجہ سے،کسی بھی خرابی کی وجہ سے،نیت میں اخلاص نہیں ہے،یاعمل میں فتور ہے کچھ بھی فسادہےاس کی وجہ سے ردہوگیا تو ظاہر ہے کہ کچھ کام دینے کانہیں ہے۔اعمال اس سے مراد ہیں تو وہی اعمال کا رآمدہوسکتے ہیں جو اللہ کے یہاں مقبول ہوں تو انھوں نے سوال فرمایاکہ کیا تم کو یقین ہےکہ تمھارےاعمال مقبول ہیں ؟وہ بولاکہ یقین تو نہیں ہے”امیدرکھتا ہوں“ انھوں نے فرمایاہم جن مقدس ہستیوں کو وسیلہ بناتےہیں وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں اس قدرمقبول اور برگزیدہ ہیں کہ جو ان کی مقبولیت میں شک کرے گا وہ بھی مومن نہیں رہ جائے گاتو جو انبیاے کرام ہیں اور خصوصًا سیدالا نبیا علیہ السلام یہ سب اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہیں اور ان مقبولان بارگاہ کو ہم اپنا وسیلہ بناتے ہیں ان کی مقبولیت میں جوشک کرے

---

(۱)المائدہ،آیت ۳۵

کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں یہ مقبول نہیں ہیں تووہ مؤمن ہی نہیں رہ جائے گا توتم عمل کو جس کی مقبولیت کاٹھکاناہی نہیں ہے جس عمل کے بارے میں معلوم ہی نہیں ہے کہ مقبول ہےیامردود ہےاس کو وسیلہ بنانادرست کہتے ہوتو ہم تو ان کو وسیلہ بناتے ہیں جن کا مقبول ہوناقطعی اور یقینی ہے اوراس کے اندرشک لانا بھی ایمان کی بربادی ہے۔ یہ عجب معاملہ ہے کہ اعمال کا وسیلہ درست قراردیتے ہیں کیا اعمال غیرخدانہیں ہیں ؟

شرک کا مطلب کیا ہوتاہے؟آج تک انھوں نے شرک کا مفہوم متعین نہیں کیانہ شرک کامطلب سمجھاکسی بھی مخلوق کو اللہ کی ذات یا خاص صفات میں کوئی شریک کرتاہے یااس کوخالق یامستقل بالذات مانتاہےیاواجب الوجودمانتا ہے تو وہ مشرک ہوجائے گایہ نہیں ہے کہ ذرّہ کواللہ کی ذات یاصفات میں شریک بنائے گاتومشرک ہوجائے گا اور پہاڑکوشریک بنائے گاتونہیں ہوگا۔ انبیا اوراولیا کوشریک بنائے گا تومشرک ہوجائے گا اور اعمال کو شریک بنائے گا تو مشرک نہیں ہوگا،زندہ کوشریک بنائے گاتومشرک ہوجائے گا،مردہ کوشریک بنائے گاتومشرک نہیں ہوگایااس کے برعکس کہ مردہ کواگرشریک بنائے گا تومشرک ہوجائے گااورزندہ کوشریک بنائے گاتومشرک نہیں ہوگا ایسا کوئی فرق نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کےکسی کوبھی شریک بنائے چاہے ذرّہ کوشریک بنائے یا پہاڑ کوبنائے،نبی کو بنائے یاولی کو بنائے یا غیرنبی اورغیر ولی کوبنائے،عمل کو بنائے یاعامل کوبنائےاس میں کسی کوبھی شریک بنائے گا تویقیناًوہ مشرک ہوجائے گااس کا کوئی فرق نہیں ہےکہ کس کوبنارہا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی ذات میں اپنی صفات کمال میں متوحد، منفرد، یکتا، بے مثل اوربےنظیرہے۔ہم اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کےجتنے بھی کمالات ہیں جتنی صفات ہیں وہ کسی غیرکی عطاسے کسی غیر کے

دینے سے نہیں ہیں بلکہ اس کی ذات سے حاصل ہیں ایک تو وہ واجب الوجودہے وہ خالق ہے سب کو وجود بخشنے والاہے اوراس کےساتھ ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کےجتنے بھی کمالات ہیں وہ سب کے سب اس کو اس کی ذات سے حاصل ہیں کسی کی عطاسے نہیں ہیں اور جس کوجوکچھ بھی کمال حاصل ہےچھوٹاہویابڑاہوکسی طرح کابھی کوئی اختیاروتصرف اس کو حاصل ہے یہ اس کی ذات سے نہیں بلکہ اللہ کی عطاسے ہے اور اگر اللہ کا کمال کوئی مانتاہے کہ یہ دوسرے کا دیاہواہے، دوسرے کاعطاکیاہواہےتووہ کافرہوگا۔اللہ تبارک وتعالیٰ کاکمال جیساکہ ماننا تھامانانہیں اوراللہ تعالیٰ کی کسی قوت کو،کسی کمال کو،کسی اختیارکو،کسی تصرف کوکسی دوسرے کاعطیہ سمجھتاہےتویقیناً وہ اللہ کونہیں جانتاہے اللہ کونہیں مانتاہے اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کاجوکمال ہے وہ یقیناًکسی کاعطیہ نہیں ہے اور مخلوق کےپاس جو کمال ہے چاہے ایک ذرہ کےبرابر ہویاایک پہاڑ سےبڑھ کرہو وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطاسے اوراس کےدینے سے،اس کی تخلیق سے ہے،اس کے پیدا کرنے سے ہے اوراس کوایسابنانےسے ہے اس لیے ہم انبیا اوراولیاکےاندر جو کمالات اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطاسے مانتے ہیں یہ کمالات اللہ کے اندر ہیں تو وہ ذاتی ہیں مخلوق کےاندر جوکمال ہیں رب کی عطاسے ہیں۔ وہ کتنی ہی عظیم مخلوقات ہوں،انبیااوراولیاہوں،ان میں جو بھی کمالات ہیں وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کےدینےسے ہیں اسی طریقے سے عام انسانوں میں اگرچلنے، پھرنے، نمازپڑھنے، روزہ رکھنے،حج کرنے،زکات دینے یادیگر اعمال خیر بجالانے یابرائیاں کرنے کسی بھی شرکو انجام دینے کی جوطاقت اورقوت ہے یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی پیدا کردہ ہے۔انسان کی اپنی ذاتی نہیں ہےاس وجہ سے ہم اہل سنت کااعتقادیہی ہے کہ کسی بھی چیز کو جوغیراللہ ہے اس کواللہ کاشریک بنانا، چاہے اللہ کی ذات میں شریک بناناہو یا صفات خاصہ

میں شریک بنانا یقیناً شرک ہے اوراس کی وجہ سے انسان مشرک ہوجائے گااور بندے کوجیساکمال حاصل ہے کہ اللہ کادیاہوااس کاعطاکیاہواہے بخشاہوا ہے۔ایسا عطائی کمال اگراللہ کے لیے کوئی مانتاہے تووہ مومن نہیں رہ جائے گااللہ کاکمال دوسرے کاعطیہ مان کروہ کافرہوجائے گا اس لیےہمارے نزدیک کوئی فرق کرنےکی ضرورت نہیں ہےاعمال ہوں تویہ بھی غیراللہ ہیں اور انبیاےکرام ہوں اولیاےکرام ہوں یہ بھی غیراللہ ہیں۔لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نےان کووجاہت اورقوت اور مقبولیت عطافرمائی ہے اس کی وجہ سے ہم ان کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بناسکتے ہیں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نےان کو وسیلہ بنانے کاحکم دیاہےاورارشاد فرمایا:

وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ اس کی بارگاہ میں وسیلہ تلاش کرو۔

اب احادیث پرآئیےتواحادیث بھی اس معنی میں بےشمار ملیں گی اور صحابۂ کرام کے انبیاےکرام کے عمل پرآئیے تووہ بھی بےشمار ملیں گےانھوں نے دوسروں سے مددلی ہے دوسروں کووسیلہ بنایاہے اور یہ ہوتارہتاہےجس طریقے سے کہ میں نے عرض کیاکہ عام حاجات اور ضروریات میں ہم ایک دوسرے سے مددحاصل کرتے ہیں،اس کواپنی حاجت برآری کاذریعہ اور وسیلہ بناتے ہیں اسی طریقے سے خاص حاجات اورخاص ضروریات میں بھی دوسروں کوذریعہ اوروسیلہ بنانایہ بھی ایک ایسا طریقہ ہے جو جاری رہاہے اور ہوتارہاہے۔

مسلم شریف کی حدیث ہے حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں وضو کاپانی اور ضرورت کی چیزیں حاضر کیاکرتے تھے ایک بار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نےارشاد فرمایا ''سل'' اے ربیعہ مجھ سے مانگو۔ حضرت ربیعہ نے عرض کیا''اسئلك مرافقتك فی الجنة'' میں آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت طلب کرتاہوں اور سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نےارشاد فرمایا

" أوغير ذلك" کیااس کے علاوہ بھی کچھ چاہتے ہو،توعرض کیا" هو ذلك" بس جنت میں آپ کی رفاقت چاہیے۔سرکار نے ارشادفرمایا:"فأعنى على نفسك بكثرة السجود" تومجھے اپنی ذات کےاوپر کثرت سجدہ سے مدددو۔

اب اس حدیث پرآپ غورکریں اورشارحین حدیث کےارشادات بھی سنیں کہ خود رسول اللہ ﷺ نےمانگنے کوارشاد فرمایاجب کہ ان کے لحاظ سے غیراللہ سے مانگنا یہ شرک ہے مگر رسول اللہ ﷺ نےارشاد فرمایا" سل" کہ مجھ سے مانگو توگویا کہ رسول اللہ ﷺ نے شرک کرنے کاحکم دیا اورانھوں نے مانگابھی تو روٹی چاول نہیں مانگاجوعام طورسے مانگاجاتاہے اور ضروریات میں کام آتاہے۔مانگی تو بہت ہی عظیم چیز مانگی عرض کیا " اسئلك مرافقتك فى الجنة" میں جنت میں آپ کی رفاقت آپ سے مانگتاہوں تواس سوال میں ایک توجنت انھوں نےمانگی اوردوسرے کہ جنت میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت مانگی ورنہ جنت توکوئی بھی ہوسکتی ہے نچلے درجہ کی بھی ہوسکتی ہے،جنت کاکوئی کونہ بھی ہوسکتا ہے لیکن جنت میں اس کااعلیٰ ترین مقام جوانبیاے کرام کو حاصل ہوتاہے وہ انھوں نے مانگا اوررسول اللہ ﷺ سے اس کی درخواست کی اورعرض کیا " اسئلك مرافقتك فى الجنة" میں جنت میں آپ سے آپ کی رفاقت طلب کرتا ہوں۔اس کے بعد بھی سرکارنےیہ نہیں فرمایاکہ :یہ کیاتم نے مانگ لیا؟ارےروٹی دال چاول مانگتےتومیں دے دیتاتم نےمانگاتوجنت مانگی وہ اللہ کےہاتھ میں ہے میں کہاں سے دوں گایہ نہیں ارشاد فرمایا بلکہ ارشاد فرمایا "أوغير ذلك" اتناہی یاکچھ اوربھی یعنی جنت تومیں دے سکتاہوں تم کودےدیا اور اس کے علاوہ بھی کچھ چاہتے ہوتووہ بھی مانگ سکتے ہو۔

اگراتنی عظیم چیز یعنی جنت کو مانگنااورجنت میں بھی سید الانبیاﷺ کی رفاقت کامانگنااوریہ اعتقادرکھناکہ حضور ﷺ جنت کے دینے پرجنت میں اپنی

رفاقت عطا کرنے پر، اتنا عظیم ترین مقام دینے پر قادر ہیں۔ یہ اعتقاد رکھنا اگر شرک ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ان کو مشرک ہونے کا حکم دیتے۔اس کے بعد کلمہ پڑھاتے۔پھر اس کے بعد کچھ اور کام ہوتا لیکن سرکار نے تو پہلے خود ہی ارشاد فرمایا ''سل'' کہ تم مانگو اور اس کے بعد انھوں نے مانگا بھی تو کوئی دنیوی چیز نہیں مانگی بلکہ بہت ہی عظیم چیز مانگی جنت اور جنت میں سیدالانبیا ﷺ کی رفاقت اور اس مانگنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کی ہمت افزائی کی مزید ان کو شوق دلایا اور ارشاد فرمایا کہ اتنا ہی یا اور کچھ چاہتے ہو تو انھوں نے عرض کیا کہ بس یہی چاہتا ہوں جنت اور اس کے ساتھ آپ کی رفاقت حاصل ہوجائے اور پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جو ارشاد فرمایا ہے اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد کثرت سجدہ کا حکم دیا "فأعني علی نفسك بكثرة السجود" اگر یہ کہیں کہ اس سے اس کی نفی ہوتی ہے تو ہرگز نفی نہیں ہوتی ہے بلکہ حضور ﷺ کے اس ارشاد کا معنی یہی ہے کہ جو کچھ تم نے مانگا وہ میں نے عطا کیا لیکن تمہارا کام یہ ہے کہ کثرت سجدہ سے تم اپنے کو اس کے لائق بھی بناؤ اور اہل بھی بناؤ اور انبیاے کرام کے ساتھ رہنے اور ان کی رفاقت کی لیاقت بھی اپنے اندر پیدا کرو اور اس کے ساتھ ساتھ کچھ اور مطلب نکلتا ہے تو خود رسول اللہ ﷺ کا ارشاد "فأعني علی نفسك" اپنی ذات پر میری مدد کرو تو اس میں بھی تو مدد مانگنا ہوا۔اس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ حضور ﷺ دنیا کی چھوٹی چھوٹی چیزیں تو کیا آخرت کی عظیم چیز جنت اور اس سے عظیم چیز جنت میں انبیا اور سیدالانبیا ﷺ کی رفاقت عطا کرنے پر قادر ہیں اور وہ اس کو مانگنے پر دے سکتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس اعتقاد پر برقرار رکھا اس کی نفی نہیں کی اور یہ نہیں فرمایا کہ اتنی بڑی قدرت میرے لیے مان کر کے اور اتنا بڑا سوال مجھ سے کر کے تم مشرک ہو گئے بلکہ حضور ﷺ نے وہ ان

کوعطا فرمایا اور جوانھوں نے مانگا تھا اس کو دیا تواس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاے کرام کو یہ طاقت اور قوت حاصل ہوتی ہے اور وہ عطافرماسکتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آج کے فرقے جن کواپنا پیشوااور امام تسلیم کرتے ہیں ہندوستان کے اندر علم حدیث کی نشرواشاعت ان کا عظیم کارنامہ ہے ۱۰۵۲ھ میں ان کاوصال ہےان کے سلسلۂ حدیث سے آج برصغیر کے سبھی افراد مستفیض ہورہے ہیں وہ مشکات کی شرح اشعۃ اللمعات میں ارشاد فرماتے:

"ازاطلاق سوال کہ بفرمودسل وتخصیص نہ کرد بمطلوبے خاص، معلوم می شود کہ کارہمہ بدست ہمت وکرامت اوست، ہرچہ خواہد، ہرکراخواہدباذن پروردگارخودبدہد"[1]

کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سوال کومطلق رکھااورصرف اتناہی فرمایا کہ مانگو کسی خاص مطلب کی تخصیص نہیں کی کہ دنیاکی چیزیں مانگو کمان اورزرہ مانگو تلواراورنیزہ مانگویہ چھوٹی چھوٹی چیزیں جو میرے دائرۂ اختیار میں ہیں وہ مانگو کسی خاص مطلب کی تخصیص نہیں کی اورانھوں نے مطلق فرمادیاکہ مانگو اس سوال کو مطلق رکھنے سے یہ معلوم ہوتاہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کےدست اختیار میں ان کے دست کرامت وتصرف میں تمام امور ہیں اورجس کو وہ جوچاہیں اپنے پروردگار کے اذن سےعطافرمادیں اس کےبعد یہ شعرلکھاہے کہ

اگر خیریتِ دنیا وعقبٰی آرزوداری
بدرگاہش بیاوہرچہ می خواہی تمناکن

"اگردنیاوآخرت کی بھلائی چاہتے ہوتوان کی بارگاہ میں حاضری دو اور جوکچھ چاہتے ہواس کی آرزوکرو،اس کی تمناکرو"اوراس کے بعد امام بوصیری کایہ شعر بھی لکھاہے

(۱)اشعۃ اللمعات،کتاب الصلوٰۃ،باب السجودوفضلہ،الفصل الاول،مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر جلد۱،ص ۳۹۴

فان من جودك الدنيا وضرتها
ومن علومك علم اللوح والقلم

"کہ آپ کی سخاوت سے دنیابھی ہے آخرت بھی ہےاورآپ کے علوم ہی کاایک حصہ لوح وقلم کاعلم ہے"۔

اس شعرکوبھی انھوں نےیہاں پردرج کیاہے تواس شعر سے جوامام بوصیری کاہے جوقصیدہ بردہ شریف کاشعرہے اس سے بھی یہ ظاہرہوتاہے کہ حضور ﷺ کویہ اختیارات حاصل تھے۔حضرت شیخ حدیث کایہ مطلب بیان کرتے ہیں۔

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جوزبردست بزرگ ہیں وہ بھی اپنی شرح" مرقاۃ المفاتیح" میں اس بات کوذکرکرتے ہیں کہ حضورﷺ نےمطلق یہ حکم دیااس سے معلوم ہوتاہےکہ تمام اختیارات وامور حضور اکرم ﷺ کے دست کرامت وتصرف میں ہیں اوروہ جس کوجوچاہیں اپنے پروردگارکےحکم سےعطا فرما سکتے ہیں۔

اب جب حضور ﷺ کویہ سارے اختیارات،سارے امورحاصل ہیں تو اگر ان سے ان امور کومانگتےہیں اورکسی بھی کام میں ان کووسیلہ بناتے ہیں تویہ شرک کسی طرح سے نہیں ہوسکتا۔جس طریقہ سے حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نےخود حضورﷺ کےفرمان پران کےسامنےان سے مانگا اورسرکار نےعطاکیا برقرار رکھا اس طریقے سے ہم بھی ان سے اگرکچھ مانگتے ہیں،طلب کرتے ہیں تویہ حضور ﷺ کی تعلیم کےعین مطابق ہے، صحابی کے اعتقاد کے عین مطابق ہے اور حدیث پاک کے عین موافق ہےاس پرتمام اہل سنت عمل کرسکتے ہیں اور یہی نہیں قرآن کریم میں ارشاد فرمایاہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ

لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا[1]

"کہ اگرانھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیاہواور پھر تمہاے پاس آئیں اوراللہ سے اپنے گناہوں کی بخشش چاہیں اوررسول بھی ان کے لیے مغفرت کی دعاکردیں تو ضروراللہ کوبہت توبہ قبول کرنےوالارحم فرمانے والاپائیں گے"۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتاہے کہ جب اہل ایمان نےاپنے اوپر ظلم کیاہو، اپنے اوپر ظلم کامطلب یہ ہے کہ کسی بھی گناہ کاارتکاب کیاہوکوئی بھی خلاف شرع کام کیاہوتورسول کی بارگاہ میں حاضری دیں۔

''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ''

اگرانھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیاہواور پھر تمہارےپاس حاضری دیں اوراللہ سےاپنےگناہ کی بخشش چاہیں اوررسول بھی ان کےلیے بخشش کی دعاکر دیں توضرور اللہ کوتوبہ قبول کرنے والارحم کرنے والا پائیں گے۔

ایک بات میں یہاں یہ بھی عرض کردوں کہ ہم اہل سنت یہ نہیں کہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سےبراہ راست دعاکرناسرے سے جائز ہی نہیں ہے کیوں کہ انبیاےکرام اولیاےکرام کاطریقہ رہاہے کبھی بغیر توسل کےانھوں نے دعاکی ہے اوربراہ راست خداسے مانگاہےاورکبھی وسیلہ کےساتھ مانگاہے۔تویہ بندے کی اپنی حالت پر اپنے خیال پرہے کہ جہاں یہ سمجھتاہے کہ یہ کام عظیم ہے مجھےوسیلہ کسی کاحاصل کرناچاہیے اوراس کے وسیلہ سے مجھ کو یہ دعاکرنی چاہیے تووہاں وسیلے کےساتھ وہ دعاکرے اورعام حالات میں وہ براہ راست اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعائیں کرتاہے کہ "رب اغفرلی رب ارحمنی"اس طرح صبح وشام دن رات وہ دعاکرسکتاہے اس کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ انبیاےکرام نےوسیلہ۔حضورﷺ کےبارے میں حدیث ہے:

(۱)النساءآیت نمبر ۶۴

یستفتح بصعالیك المهاجرین (۱) کہ حضور ﷺ مہاجرین میں سے جونادار افراد ہوتے ان کے وسیلہ سے فتح کی دعا کرتے تھے جبکہ انبیاے کرام کا تعلق رب تبارک وتعالیٰ سے براہ راست ہوتا ہے لیکن یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ غیراللہ کووسیلہ بنایا جاسکتا ہے اوران مہاجرین کی جوخاص طور سے نادار تھے ان کی عزت افزائی کرنے کے لیے ان کی عظمت بڑھانے کے لیے رسول اللہ ﷺ ان کے وسیلے سے فتح کی دعا کیا کرتے تھے اورفتح حاصل ہوتی تھی تو یہ بھی حضور ﷺ کاطریقہ رہاہے کہ اپنے سے کم ترکووسیلہ بنایا صرف ان کی عزت افزائی کے لیے اورامت کو یہ بتانے کے لیے کہ جب میں کم ترکو وسیلہ بناسکتا ہوں توتم بہتر کواور بزرگ تر کوبدرجۂ اولیٰ وسیلہ بناسکتے ہوتو یہ توسُّل بھی انبیاے کرام کاطریقہ رہاہے خود یہ آیت کریمہ جو ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

اس کے اوپر بھی صحابۂ کرام نے عمل کیا وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر اپنی مغفرت اور بخشش چاہتے تھے اور حضور ﷺ کے زمانے کے بعد تابعین، تبع تابعین کے زمانے کاواقعہ ہے جس کو تمام مصنفین نے اپنی کتابوں میں درج کیاہے خاص طور سے باب مناسک حج کے بیان میں کہ ایک عتبی تھے وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں تھاایک اعرابی آیااوراس نے آیت کریمہ پڑھی

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

اس کے بعد یہ کہاکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی ذات کوہمارے لیے وسیلہ بنایا ہے میں نے اپنی ذات پرجوظلم کیاہے زیادتی کی ہے میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں اپنے رب سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتاہوں

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ، معجم طبرانی، شرح لسنۃ، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ لمصابیح

اور آپ کی شفاعت چاہتا ہوں کہ آپ میرے لیے مغفرت کی دعا کردیں تو میری مغفرت ہوجائے گی۔

درود شریف پڑھ لیں اللھم صل علی محمد ﷺ

اس آیت کریمہ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ سے متعلق وہ تابعی تھے بیان کرتے ہیں ایک اعرابی سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہوا، یہ آیت کریمہ پڑھی اور رب تبارک وتعالیٰ سے مغفرت چاہی سرکار کو وسیلہ بنایا اور یہ کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور آپ کو وسیلہ بنائیں اور آپ سے شفاعت چاہیں تو میں اس کے مطابق رب تبارک وتعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں اور آپ کو وسیلہ بناتا ہوں آپ کی شفاعت چاہتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھ کو بخش دے پھر اس کے بعد دو شعر پڑھے اور چلا گیا وہ راوی بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو اس دوران نیند آگئی تو میں نے سرکار دوعالم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ سرکار نے ارشاد فرمایا کہ اس اعربی کو بشارت دے دو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری شفاعت سے اس اعرابی کی مغفرت فرمادی ہے تو صحابہ وتابعین کا بھی یہ عمل رہا ہے اور اتنا ہی نہیں ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام ان کے بارے میں خود حدیث میں ہے، جس کو حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے اور حاکم نے مستدرک میں اس کو روایت کیا طبرانی نے معجم کبیر میں اس کو لکھا ہے اور اس کے علاوہ محدثین نے بھی ذکر کیا ہے امام تقی الدین سبکی نے اس حدیث کے بارے میں جو کچھ بھی ابن تیمیہ نے کلام کیا تھا اس کا جواب بھی دیا ہے اس حدیث پاک میں یہ ہے کہ

"لمااقترف آدم الخطيئَةَ قال يارب اسئلك بحق محمد لماغفرت لى فقال الله ياأدم وكيف عرفت محمدوَلم أخلُقه قال يارب لإنك لماخلقتنى بيدك ونفخت فى من روحك رفعت رأسى فرأيت على

قوائم العرش مکتوبا لاإله الاالله محمدرسول الله فعلمت انك لم تضف الی اسمك الااحب الخلق الیك فقال صدقت یاآدم انه لاحب الخلق الیّ أمااذاسألتنی بحقه فقدغفرت لك ولولامحمد ماغفرت لك وماخلقتك"[۱]

کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش صادر ہوئی برسوں وہ رب تبارک وتعالیٰ سے اس لغزش پر مغفرت کی دعاکرتے رہے یہاں تک کہ ایک دن انھوں نے یہ عرض کیاکہ "رب اسئلك بحق محمدلما غفرت لی" کہ میں محمد ﷺ کے وسیلے سے تجھ سے درخواست کرتاہوں کہ تو مجھے بخش دے یہ حضرت آدم علیہ السلام دعاکررہے ہیں رب تبارک وتعالیٰ نے ارشادفرمایاکہ تم نے محمد ﷺ کوکیسے جانا میں نے تو ابھی ان کو پیدانہیں کیاتوعرض کیاکہ جب تو نے مجھ کو پیدافرمایااوراپنی طرف سے روح میرے جسم میں ڈالی تومیں نے سر اٹھایاتوعرش کے پایوں پرلکھاہوادیکھا کہ "لاإله الاالله محمدرّسول الله" ایک طرف اللہ کانام ہے اس کے ساتھ محمد ﷺ کانام ہے تواس کودیکھ کرکے میں نے سمجھا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ جس کا بھی نام ملایاہے وہ یقیناً تیری بارگاہ میں ساری مخلوق سے زیادہ محبوب ہے اس لیے میں نے ان کووہیں سے جانا اوران کاوسیلہ لیارب تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا"صدقت یاآدم" اے آدم تو نے سچ کہا اورجب تم نے ان کے وسیلہ سے دعامانگی ہے تومیں نے تمہاری مغفرت کردی اگروہ نہ ہوتے تومیں تم کوپیدابھی نہ کرتا اورتمہاری مغفرت بھی نہ ہوتی۔

انبیاے کرام کوتورب تبارک وتعالیٰ سے براہ راست تعلق ہوتاہے اوربغیر کسی توسل کے وہ دعاکرسکتے ہیں اورکرتے بھی تھے پہلے بھی کرتے تھے بعد میں بھی کرتے رہے لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ دعاباب اجابت تک نہیں پہنچ

(۱)المستدرک، ذکراخبار سیدالمرسلین ج۴، ص:۳۱۱

رہی ہے اور رب تبارک وتعالیٰ کی طرف سے قبول کا مژدہ نہیں آرہاہے تورسول اللہ ﷺ کا انھوں نے وسیلہ لیااور رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے دعاکی کہ "اسئلك بحق محمدلما غفرت لی" توان کی وہ دعامقبول بھی ہوئی اوران کی مغفرت بھی ہوگئی تویہ حضرت آدم علیہ السلام کا طریقہ ہے جو حضور ﷺ کے اس دنیا میں جلوہ گر ہونے سے بہت پہلے پیش آچکا تھا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت سے دنیامیں آئے تھے تو ابتدائے انسانیت کے وقت ہی یہ واقعہ رونما ہوچکا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام نے ان کووسیلہ بنایا ہے اوراس سے یہ ثابت ہوگیاہے کہ جوحضرات اللہ تبارک وتعالیٰ سے براہ راست تعلق رکھنے والے ہیں وہ بھی کسی کووسیلہ بناسکتے ہیں اورقرآن مقدس میں جوارشاد فرمایاگیاہے یہود کے بارے میں کہ

يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا[۱]

ہوتایہ تھاکہ جب یہود کا مشرکین سے معاملہ ہوتاتھا توحضور ﷺ کے وسیلے سے دعامانگاکرتے تھے اس کوقرآن مقدس نے نقل کیاہے "يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" کہ یہ حضور ﷺ کے وسیلے سے کفار کے خلاف فتح کی دعاکیاکرتے تھے اوراس کوروایتوں میں بیان کیاگیاکہ وہ یوں کہاکرتے تھے کہ

اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَاعليهم بِالنَّبِيِّ المبعوث آخرالزمان الذى نجد صفته فى التوراة[۲]

"ہماری نصرت فرمااس نبی کے واسطے سےجس کی صفت ہم توراۃ میں پاتے ہیں" قرآن مقدس میں بھی اس بات کاذکرکیااگریہ عمل شرک ہوتا تو یقیناً قرآن مقدس اس کو ذکرنہیں کرتا اور اگر ذکرکیاتو اس کارد بھی ہوتا۔ کیوں کہ

---

(۱) البقرہ، آیت ۸

(۲) تفسیر جلالین، ج:۱ص:۱۷

قرآن میں جوبات بغیر رد کے آئے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ جائز اوردرست ہے۔اس طرح کے معاملات، اس طرح کی آیات اور احادیث موجود ہیں اورسب توسب خود حضورﷺ کے زمانے میں اور زمانۂ اقدس کے بعد ہمیشہ یہ امت کا معمول رہا ہے کہ وہ اپنی حاجتوں میں مقدس ہستیوں کاوسیلہ لیتے رہے ہیں اور یقیناً شرک سے اس کا کوئی تعلق اور علاقہ نہیں ہے اور ایک آخری بات یہ بھی ذکرکردوں کہ یہ زندہ اور مردہ کافرق کرتے ہیں توآپ سن لیجیے !-- کہ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کاارشاد نقل کیا ہے حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتابوں میں خاص طورسے **"اشعۃ اللمعات"** میں کہ وہ فرماتے ہیں:

من یستمدبه فی حیاته یستمد به بعد مماته

کہ جس سے اس کی حیات میں مدد مانگی جاسکتی ہے اس سے اس کو وفات کے بعد بھی مدد مانگی جاسکتی ہے۔

معاملہ یہ ہے کہ یہ روحانیت کی طاقت اورقوت ہوتی ہے یہ جس طریقے سے کہ زندگی میں ہوتی ہے اسی طریقے سے فوت کے بعد بھی ہوتی ہے۔یہ لوگ مغالطہ دیتے ہیں کہ آدمی مرنے کے بعد کچھ بھی نہیں رہ جاتا ہے۔پتھر اورانسان میں کوئی فرق نہیں رہ جاتاہے اگر ایسا ہوتو احادیث کریمہ میں جو تعلیم دی گئی ہے کہ جب قبرستان میں جاؤ تو یہ کہو:

السلام علیکم یااھل القبور من المومنین والمومنات انتم لنا سلف و انا ان شاء الله بکم لاحقون.[1]

سلام کرو جاکر۔السلام علیکم یا اھل القبور کہوکہ اے قبر والو! تم پرسلام ہواورتم ہمارے پیشواہواور ہم بھی ان شاء اللہ تم سے آملنے والے ہیں۔

(۱)مسندالرویانی ج:۱ص:۱۷

اگر سب پتھر وہاں پڑے ہوئے ہیں تو حدیث میں یہ فرمانا کہ جاکر کے السلام علیکم کہو یہ گویا کہ پتھروں کو سلام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کسی ایسی بے ہودگی اور بے عقلی کا حکم دے سکتے ہیں ؟کہ جو بالکلیہ جماد محض ہے نہ سننے کی قوت رکھتا ہے،نہ سمجھنے کی طاقت رکھتا ہے اس کے پاس جاکر کے تم کہو السلام علیکم تو یہ احادیث کریمہ اس بات کو بتاتی ہیں کہ انبیا اور اولیا کے مراتب تو بہت بلند ہیں۔عام مومنین اور ہمارے عام بھائی جو اس دنیا سے چلے گئے ہیں وہ بھی جانے کے بعد اتنی سمجھ اتنا ادراک رکھتے ہیں کہ وہ ہمارا سلام سنیں اور اس کا جواب دیں وجہ کیا ہے کہ روح مرتی نہیں ہے جسم سے روح جدا ہوجاتی ہے۔جسم عام لوگوں کا سڑتا بھی ہے گلتا بھی ہے سب کچھ ہوتا ہے لیکن روح باقی رہتی ہے اور روح کے زندہ اور باقی رہنے کو تو فلاسفہ بھی مانتے ہیں اس کے لیے موت نہیں اور وہ ادراک کرتی ہے۔قبر کے پاس جو کوئی شناسا آتا ہے کوئی اس کے اقارب میں سے آتا ہے تو اس کا ادراک کرتی ہے اور اس کی ملاقات سے وہ خوش ہوتی ہے۔

اس مضمون پر بہت سی حدیثیں بھی ہیں اور علمائے کرام کے ارشادات بھی ہیں اور اس بارے میں تو مستقل کتاب امام جلال الدین سیوطی نے **"شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور"** لکھی ہے۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام مردوں کو بھی اتنی قوت اور اتنا ادراک رہتا ہے کہ وہ ہمارا سلام سنیں ورنہ رسول اللہ ﷺ کبھی یہ نہ فرماتے کہ قبرستان میں جاؤ تو عام مردوں سے السلام علیکم کہو، تو یہ سرکار کا ارشاد عام مُردوں کے لیے بھی اتنی قوت اور اتنی سماعت اور اتنا ادراک بتاتے ہیں اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلے سے اگر ان کے پاس روحانی قوت ہوتی ہے تو وہ قوت اور بڑھ جاتی ہے۔اس کو شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے جن کو یہ اپنا مقتدا کہتے ہیں کہ جب روح نکلتی ہے

تو گویا کہ ایک پنجرے میں بند تھا ایک پرندہ اب وہ آزاد ہوگیا اوراس کے بعد دنیا میں جہاں چاہے روح سیر کرتی ہے ملأ اعلیٰ سے ملتی ہے اوراس کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ توانبیا ےکرام اوراولیا ے عظام کی ارواح کے اندر کتنی عظیم قوت ہوگی ہم جوان کے لیے قوت مانتے ہیں وہ روحانی قوت مانتے ہیں اور اس روحانی قوت کا کیا حال ہوگا، یہ روحانی قوت بہر حال باقی رہتی ہے اوراس روحانی قوت کی بنیاد پر وہ مدد کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں او ر پہلے جس طریقے سے مدد کرسکتے تھے آج بھی مدد کرسکتے ہیں اوراسی لحاظ سے ہم ان سے استمداد اور استعانت کرتے ہیں۔

رب تبارک وتعالیٰ ہم سب کو حق سمجھنے حق قبول کرنے حق ماننے اور حق پر چلنے کی توفیق عطافرمائے۔وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

طلبہ کی دینی واخلاقی ذمہ داریاں

خطاب بتاریخ ۱۹؍رجب ۱۴۳۶ھ مطابق ۹؍مئی ۲۰۱۵ء دوشنبہ،عزیزالمساجد جامعہ اشرفیہ مبارک پور

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

بہت سی باتیں وہ ہیں جو حالاتِ زمانہ کے باعث بیان کرنی پڑتی ہیں آج اشرفیہ مخالف جو ماحول بنانے کی کوشش ہورہی ہے۔اس کی وجہ سے ہم کو بولنا پڑتا ہے آپ لوگ شب وروز جامعہ اشرفیہ میں گزارتے ہیں درس گاہوں میں حاضر رہتے ہیں، دارالافتا میں جاتے آتے ہیں، اساتذہ سے،ارکان سے اور مفتیان کرام سے ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں، ہر شخص اپنے دل پرہاتھ رکھ کرسوچے کہ کیا جامعہ اشرفیہ میں دین اسلام اورسنیت کے علاوہ کوئی کام ہورہاہے؟ جس طریقے سے جامعہ اشرفیہ کے قیام کے وقت اور حضور حافظ ملت کی تشریف آوری کے وقت یہاں سے اسلام اورسنیت کا پیغام عام کیاجا تاتھا اس طریقے سے آج بھی اسلام اور سنیت کا پیغام عام کیا جارہاہے، پہلے جس طریقے سےاسلام کے تحفظ کے لیے، سنیت کے تحفظ کے لیے، اور امام احمدرضاقدس سرہ کی تعلیمات کو عام کرنے اور ان کے تحفظ کے لیے یہاں خدمات انجام دی جاتی تھیں۔اسی طورسے آج بھی خدمات انجام دی جاتی ہیں۔

اورہم لوگوں کی،ارکان، متعلقین کی کوشش تسلسل کےساتھ جاری ہے۔ اسلام کے خلاف اعتراضات غیرمسلموں کی طرف سے ہوتےہیں ان کے جوابات کے لیےافرادتیار کیے جاتےہیں،اورسنیت کےخلاف وہابیہ،دیابنہ، قادیانیوں کی طرف سے جواعترا ضات کیے جاتے ہیں اور لوگوں کو بہکانےکی کوشش کی

جاتی ہے اشرفیہ نےاس کے خلاف بھی محاذ کھول رکھاہے،طلبہ کو اس کے لیے تیارکیاجاتاہے اور کچھ طلبہ بھی ان کوششوں میں ساتھ دیتے ہیں، انھوں نے وہابیت کے خلاف کئی ایک کتابیں شائع کیں جیسے انوار ساطعہ جو زمانۂ دراز سے نایاب تھی اورالصوارم الہندیہ جو شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمۃ کی اشاعت کے بچھتر سال بعد جامعہ اشرفیہ کے طلبہ نےچھاپی۔

اگر یہاں کے طلبہ یا اساتذہ" حسام الحرمین "سے ذرابھی منحرف ہوتے، تو "الصوارم الہندیہ "شائع کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ جس میں کہ مرزاغلام احمد قادیانی، قاسم نانوتوی،رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبیٹھوی اوراشرف علی تھانوی کی تکفیر کاحکم دیاگیاہےاوراس پر دوسو اڑسٹھ (۲۶۸) علماے ہندوسندھ کے دستخط ہیں ان کی تصدیقات ہیں۔اگر یہ حضرات کچھ بھی اس مسلک سےمنحرف ہوتے یا اس سے تھوڑی سی بھی اپنے دل میں کجی رکھتے تواس طرح کی کتابیں شائع کرنے کی کوشش نہ ہوتی بلکہ یہاں یا اور کہیں اس طرح کی جو کتابیں ہوتیں ان کو بھی نکال کردفن کردیتے۔

لیکن دفن کرنے کاکام تووہ لوگ کررہے ہیں جوبزرگوں کےورثہ سے غافل بیٹھے ہیں اوراسے دیمک کی نذربنارہے ہیں۔ جوکتابیں شائع ہوچکی ہیں ان کودوبارہ شائع کرنے کی فکرنہیں ہے اورجوکبھی شائع نہیں ہوئی ہیں ان کو شائع کرنے کی فکرنہیں ہے، یہ فکراشرفیہ کی ہے جس نے فتاوی رضویہ جیسااثاثہ شائع کیا جدالممتار جو شائع نہیں ہوئی تھی اس کو شائع کیا، اورکتنے مطبوعہ وغیر مطبوعہ رسائل ہیں جو اشرفیہ یااس کے فرزندوں کےذریعہ شائع ہوئے، توہم اپنی جگہ سےذرابھی نہیں ہٹے ہیں بات کیاہے؟کچھ لوگوں نےاپنی اَناکے لیےجامعہ اشرفیہ کی مخالفت کابیڑااٹھالیاہے۔

میں بھی دوسرے مدرسوں کوچھوڑکرکے آیاہوں ماضی قریب میں، میں نے

فیض العلوم محمد آباد کو چھوڑا ہے اس سے پہلے ندائے حق جلال پور کو چھوڑا ہے، اس سے پہلے فیض العلوم جمشید پور اور اس سے پہلے دارالعلوم فیضیہ نظامیہ بھاگل پور کو چھوڑا ہے لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہاں سے آنے کے بعد میں نے ان مدارس کی بدخواہی کی ہو اور ان میں کسی کو نیچا دکھانے کی کوشش کی ہو یا یہ سوچا ہو کہ میرے جانے کے بعد یہ مدرسہ بالکل ویران ہو جائے یا میں یہ ثابت کروں کہ یہاں کے اساتذہ بالکل بیکار ہیں اور کسی قسم کی اہلیت نہیں رکھتے ہیں یا وہ دین و مسلک سے منحرف ہو چکے ہیں یا کسی بھی انتظامی اور تعلیمی محور سے ان کو یا ادارے کو میں نے نیچا دکھانے کی کوشش کی۔

انسان کی ضرورت ہوتی ہے، وہ آتا جاتا رہتا ہے مگر ادارہ جو دین کا قلعہ ہوتا ہے چھوٹا ہو یا بڑا جب تک اس سے دین کی خدمت ہو رہی ہے اس کی مخالفت کسی طریقے سے روا نہیں ہے۔

اگر کسی کے اندر کوئی کمی یا خامی پیدا ہوئی تو ہماری ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس خامی کو دور کریں، اس کا ازالہ کریں، کوئی ادارہ بجٹ کی کمی کی وجہ سے بدحالی کا شکار ہو گیا تو اس کی طرف ہم توجہ دیں اور اس کی ساکھ برقرار رکھنے کے لیے اس کے معاونین زیادہ فراہم کریں، اس کو پہلی راہ پر لائیں اور اگر وہاں کے لوگ وہاں کی تعلیم میں کوتاہی کر رہے ہیں تو ہم ان کو تعلیم کی طرف رغبت دلایا کریں تربیت کی طرف رغبت دلایا کریں۔ یہ ادارے سے ہمدردی کا تقاضا ہوتا ہے۔

اور ادارہ اگر اپنی روش پر جاری ہے دین متین کی عظیم خدمات انجام دے رہا ہے اس کے باوجود اس کی مخالفت ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک دینی مرکز کی مخالفت کی جارہی ہے اور عظیم پیمانے پر دین کا جو کام ہو رہا ہے اس کے اندر رُکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ دنیا کا بدترین کام تو ہو سکتا ہے

لیکن کارِ خیر کسی طرح نہیں ہوسکتا۔

اشرفیہ کو متعدّد بزرگوں نے چھوڑا ہے۔ ماضی قریب میں بھی،ماضی بعید میں بھی۔ مگر کسی نے نہ مسلک سے انحراف کاالزام لگایا،نہ وہ ماحول پیداکیا جوآج منصوبہ بندطریقے پر پیداکیاگیاہے۔

اسی ماحول نے ہمیں یہ چیلنج دیاہے اس کی اجازت دی ہے اور اس کی وجہ سے ہمیں یہ کہناپڑتاہے کہ جودنیا کا بدترین کام ہوسکتاہے اس کا بیڑاسرپر اٹھالیاگیاہے اوردین حق کی اشاعت،سنیت کے فروغ کاکام جوجامعہ سے ہورہا ہے اس کو بڑھاوا دینے،اس کو پھیلانے، یاکم ازکم اس کی مدح وستائش کرنے اوراس کے حق میں کلمۂ خیر کہنےکی بھی گنجائش سینوں کے اندر نہیں ہے۔

کتنے تنگ دل ہیں یہ سینے!!

جولوگ دورکے رہنے والے ہیں وہ حقائق نہیں جانتے۔لیکن جویہاں شب وروز گزارتے ہیں،اوریہاں تعلیم حاصل کررہے ہیں وہ اچھی طرح جانتےہیں کہ یہاں دین کو چھوڑکرکے اورکون ساکام ہورہاہے،ہم ہمیشہ یہی تعلیم دیتے ہیں اور یہی بتاتے ہیں کہ آپ ہمیشہ دین وسنیت سے وابستہ رہیے، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی کتابوں کامطالعہ کیجیے کہ حقیقی علم ان کتابوں سے آپ کوحاصل ہوگا اورساتھ ساتھ طرزتحقیق، طرز بیان، طرزگفتگوبھی معلوم ہوگا، جوچیزیں آپ کو بہت سی کتابوں میں کہیں نہیں ملیں گی وہ آپ کواعلیٰ حضرت کے رسائل میں ملیں گی اور میں نے بارہایہ سیمیناروں میں،مجمعوں میں کہا ہے اور نجی مجلسوں میں بھی کہ برصغیر کے ماحول میں اعلیٰ حضرت کے رسائل کے مطالعے کے بغیر کوئی شخص کماحقہ عالم نہیں ہوسکتا، یہاں ہم نصاب کی تکمیل کرنے والے کو سند جاری کردیتے ہیں عالم فاضل اس کوبتادیتے ہیں، لیکن جس قدروہ اعلیٰ حضرت کی کتابوں سے دور ہوگا،اسی قدر اس کے اندر سطحیت زیادہ ہوگی اور جس

قدروہ کتب اعلیٰ حضرت کو گہرائی اور گیرائی سے دیکھے گا اسی قدر اس کے اندر ژرف نگاہی اور تعمق پیدا ہوگا اور اسی قدر اس کے علم میں جلا آئے گی۔ آپ خود اس کا مطالعہ کرکے تجربہ کرسکتے ہیں اور اس کا مطالعہ کرنا اور تجربہ کرنا ضروری بھی ہے، دو طرح کے انسان ہوتے ہیں ایک تو کم علم ہوتے ہیں، ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے علم کو روشنی بخشنے کے لیے اعلیٰ حضرت کے رسائل کا مطالعہ کریں، اور کچھ وہ ہوتے ہیں جنھوں نے درس نظامی کا کورس مکمل کرلیا اور ہر درجہ میں فرسٹ نمبر حاصل کیا تو سمجھ لیا کہ ہم بہت بڑے علامہ، فہامہ ہوگئے، وہ اعلیٰ حضرت کی کتابوں کا مطالعہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ طفل مکتب بھی نہیں ہیں جب ان کی تصانیف اور تحقیقات کو دیکھیں گے تو اندازہ ہوگا کہ کس جبل شامخ اور کس بلند پہاڑ کے سامنے ہم ہیں، کہتے ہیں:

جب تک اونٹ نے پہاڑ نہیں دیکھا ہے تب تک وہ سمجھتا ہے کہ اس سے بڑا کوئی نہیں ہے اور جب پہاڑ کے سامنے آتا ہے تب اس کو اپنی بساط معلوم ہوتی ہے تو اپنی بساط اور حقیقت معلوم کرنے کے لیے بھی ہم اس جبل شامخ کی کتابوں کا مطالعہ کریں، اس سے استفادہ بھی کریں اور ساتھ ساتھ اپنی اوقات بھی معلوم کریں کہ اتنی عمر صرف کرنے کے بعد ہم کہاں تک پہنچے۔

اشرفیہ سے متعلق جو میں نے بیان کیا یہ آج کی ضرورت ہے اور حالات کی پیداوار ہے کہ جو بات کہنے کی ضرورت ہمیں کبھی پیش نہیں آئی وہ آج ہمیں کہنی پڑ رہی ہے۔ کم از کم جن لوگوں نے مشاہدہ کیا ہے وہ اپنے مشاہدہ کے لحاظ سے یہ برملا بیان کرسکتے ہیں کہ ہم نے یہی دیکھا، یہی جانا، یہی پہچانا کہ جامعہ میں آج بھی دین وسنیت ہی کا کام ہوتا ہے اور اس سے ذرا بھی بے اعتنائی نہیں ہے یہ آپ لوگوں کے اوپر سچی گواہی دینے کا فریضہ عائد ہوتا ہے، نہ یہ کہ آپ جھوٹوں کے جھوٹ میں اپنی آواز ملانا شروع کردیں جو سچائی آپ نے دیکھی

ہے اس سچائی کو بیان کرنا آپ کا فریضہ ہوتا ہے اور آپ کی ذمہ داری ہوتی ہے اور اتنا یاد رکھیں، میں یقین دلاتا ہوں کہ جن حضرات نے بغیر کسی تعصب کے حسد کے یہاں کی تعلیم کا یہاں کے انتظام کا یہاں کے اساتذہ کا یہاں کی درسگاہوں کا مشاہدہ کیا ہے وہ اس بات کی گواہی ضرور دیں گے کہ آج بھی جامعہ اشرفیہ سے ویسے ہی خدمات انجام دی جارہی ہے جیسے پہلے انجام دی جاتی تھیں ان میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔

رہ گیا یہ کہ جو فارغین ہمارے جارہے ہیں اور جولائن پر لگے ہوئے ہیں سابعہ، سادسہ والے ان کو بھی جانا ہے انھیں آئندہ کے لیے کچھ نصیحت کی جائے تو عرض ہے کہ آدمی اپنی منزل خود متعیّن کرلیتا ہے کہ فارغ ہونے کے بعد ہم کو کیا کرنا ہے اور کس میدان میں اترنا ہے۔کچھ یونیورسٹی کا رخ کرتے ہیں، کچھ مدارس کا رخ کرتے ہیں اور کچھ خطابت کا میدان اختیار کرتے ہیں، اور کچھ اہتمام کا کام دیکھتے ہیں جس طریقے کا بھی کام ہو اور جو بھی میدان اختیار کریں لیکن ضروری یہ ہے کہ آپ ایک مسلمان کی حیثیت سے رہیں۔

مسلمان کی حیثیت سے رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دین پر سختی سے قائم رہیں اور جو فرائض و واجبات ہیں ان کی بجاآوری کریں، نماز اور جماعت کی پابندی کریں، آپ کو دیکھ کر لوگ دین کو سیکھیں، دین کو حاصل کریں۔کچھ چیزیں وہ ہوتی ہیں جو دیکھ کر سمجھی جاتی ہیں اور کچھ چیزیں سن کر سیکھی جاتی ہیں آپ کا کردار ایسا ہونا چاہیے کہ لوگ آپ کو دیکھ کر نماز اور جماعت کی اہمیت محسوس کریں کہ یہ اہم چیز ہے کیوں کہ یہ عالم دین ہوکر کے کوشش کررہے ہیں اور خود آپ کے اوپر مسلمان ہونے کی حیثیت سے بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ جو فرائض ہیں ان کے اندر کوتاہی نہ کریں۔کیریکٹر صاف ستھرا پاکیزہ ہونا چاہیے اس لیے کہ کردار کی ذرا بھی خرابی انسان کے اندر آتی ہے تو اس کی بڑی سے

بڑی شخصیت بھی فوراً آسمان سے زمین پر گرجاتی ہے،اس لیے کردار اور کیریکٹر میں کسی طریقے کی خرابی کاگزرنہیں ہوناچاہیے، یہ آپ کے لیےضروری ہے چاہےآپ کسی مدرسے میں رہیں،کسی یونیورسٹی میں رہیں، یاکسی مسجد میں رہیں، یاکسی میدان خطابت میں رہیں، نماز وجماعت کی پابندی اور احکام خداوندی کی بجا آوری ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے اور تمام افعال وکردار کاشریعت حقہ کے مطابق ہوناضروری ہے،اس کے ساتھ ساتھ عالم دین عالم سنت ہونے کے ناطے یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ جس دین کو آپ نےحاصل کیاہےاس دین کو دوسروں تک پہنچائیں اس لیےکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ بندوں کے پاس امانت ہے جولوگوں تک پہنچانی ہے اوراسلام اسی طریقے سے پھیلاہے۔

ہمارےاسلاف کوجودین حاصل ہوااگروہ اپنی قوم اوراپنی حدتک محدود رکھتے توہم آج مسلمان نہ ہوتے، انھوں نےاس دین کوبہت ساری مشکلات جھیل کراوربہت سے مصائب برداشت کرکےگردن کٹواکرکےاور طرح طرح کے مصائب وآلام کاسامناکرکے دنیاکے اندرپھیلایا ہے توآج ہم کلمہ لاالٰہ الا اللہ محمدرسول اللہ پڑھنےکےلائق ہوئے۔اسلامی گھرانے میں پیدا ہوئے اور بچپن سے یہ کلمہ پڑھتے چلےآئے،اس لیے اس کلمہ کی عظمت واہمیت کوہم کماحقہ نہیں سمجھتے لیکن جوکسی غیرمسلم سوسائٹی میں رہاہو اوراس نے دھیرے دھیرے اسلام کوپہچاناہواورکل اسلام پڑھاہووہ اس کلمہ کی اہمیت کو خوب سمجھتاہےاور جانتا ہےکہ اس کلمہ نےہم کوکہاں سے کہاں تک پہنچایا۔

ایک عالم ہونے کی حیثیت سے آپ کی تبلیغی ذمہ داری ہوتی ہےکہ آپ اپنے دین کودوسروں تک پہنچائیں اس کے لیے وقت نکالیں،راہیں نکالیں اسی طریقے سے عالم اہل سنت ہونے کی حیثیت سے یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے

کہ جو باطل فرقے ہیں ان سے اہل سنت کو بچانے کی کوشش کریں بلکہ جو اہل باطل سے خلط ملط ہونے کی وجہ سے اپنی راہ سے کچھ منحرف ہورہے ہیں ان کو بھی راہ حق پرلانے کی کوشش کریں،ہوتایہ ہے کہ مثلاً ایک شخص دکاندار ہے اب اس کے یہاں کچھ دیوبندی آکر بیٹھنے لگے اب دوسراسنی اسے چھوڑ دیتاہے کہ یہ تودیوبندیوں سے ربط رکھتاہے اس کااٹھنا، بیٹھنا، گفت وشنید جاری ہے۔اس کانتیجہ یہ ہوتاہے کہ پہلے تو ذراسی ہوالگی تھی مگرکچھ دنوں کے بعدوہ پوراپکادیوبندی ہوجاتاہے۔

اگرہم سنی لوگ س کے پاس اٹھتے،بیٹھتےاس کوسمجھانے کی کوشش کرتے اوراس کے ذہن میں جوشبہات پیداہوگئےہیں ان کاازالہ کرتےتووہ کبھی بھی دیوبندی نہیں ہوسکتاتھا اوروہ کبھی سنیت سے خارج نہیں ہوتا۔

یہ وہ چیزہےجو بہت زیادہ عام ہوگئی ہے کہ اگرکسی نےذراسابھی دوسروں سے ربط ضبط پیداکیا بلکہ خود کرتانہیں دیوبندیوں کی عادت ہے کہ وہ خود سنیوں کے گھر آتے جاتے ہیں بھگانے پر بھی نہیں مانتے، نمازجنازہ کا موقع ہےآدمی اس وقت خودہی غم کےماحول میں رہتاہےکس کس کو بھگائے اس میں گھس آئیں گے۔

شادی میں بھی یوں توبغیر بلائےنہیں آتےہیں لیکن آنےکاراستہ ڈھونڈھیں گےاوردکان ہے، مکان ہےتووہاں پربھی آنے جانے کاراستہ ڈھونڈھیں گے تووہ اپنےمذہب کےپرچارکےلیے کس قدرمضطرب اور پریشان رہتے ہیں اوراتنے حیلےاورتدبیریں اختیار کرتے ہیں کہ اچھے اچھے سنیوں کو بہکادیتےہیں، اس کے مقابلے میں یہ دیکھناچاہیے کہ ہمارے اندراس قسم کی تڑپ پائی جاتی ہے اوردوسرے لوگوں کو اپنانے کا راہِ حق پر لانے کاکتنا جذبہ پایاجاتاہے۔

کیوں کہ ہمارے یہاں عام روش یہ ہے کہ دوسروں کو اپنانے کاکچھ تصور

نہیں ہے اپنا کوئی شخص ہے اوراس کے یہاں کسی دیوبندی کی آمد ورفت شروع ہوگئی تواس کے یہاں آناجانابند کردیااوراس کوتنہاچھوڑدیا۔اور بالکل چھوڑدینے کانتیجہ یہ ہواکہ وہ خالص دیوبندی ہوگیااوراب اس کے لیے راہ حق کی طرف آنے کی صورت ہی نہیں رہی۔تویہ جو عام بلاچل پڑی ہے کہ نہ تودوسروں کو اپنانے کا خیال اورنہ ہی اپنوں کوبچانے کاخیال، صرف یہ کہ اپنی حدتک سنی رہ جائیں باقی اگرکوئی بگڑرہاہے غلط ماحول میں جارہاہےاس کی کوئی پرواہ نہیں ہے تو یہ خودغرضی اوربے غرضی نہیں ہونی چاہیے،ہمارا بھائی ہم سےکٹ رہاہے توہمیں اس کادرد ہونا چاہیے اس کی فکرہونی چاہیے۔

سارےمومنین ایک دوسرےکےاعضاکی طرح ہیں اگرکوئی عضو کٹ رہاہے اوراس کادرد نہ ہوتویہ بہت ہی بےحسی کی چیز ہوگی ایسی بےحسی ہمارے اندرنہیں ہونی چاہیے۔عالم اہل سنت ہونےکےلحاظ سے آپ کو دوسروں کو راہ راست دکھانے اور اپنوں کو بچانے کی فکرہونی چاہیے، یہ آپ کے لیے ضروری ہے اورمیں نےجو عام بلاذکرکی ہے اس بلا سے بھی محفوظ رہنےکی کوشش کرنی چاہیےکوئی بگڑ رہا ہے تواس کو سنبھالنےکی کوشش کرناہم پرفرض ہوتاہے، نہ یہ کہ مزید بگڑنے کاموقع فراہم کیاجائے کہ اس کو کبھی سمجھانے کےروادارنہ ہوں اس سےبات چیت کے روادارنہ ہوں،یہاں تک کہ وہ دوسروں کےنرغے اور گھیرے میں پورے طور سے آجائے۔

اس کےساتھ ساتھ خودکو پابندرکھنااورعالم کی حیثیت سے مسائل دینیہ کا جاننا اس کے اوپر فرض ہوتاہے کیوں کہ ایک توعامی شخص ہوتاہے اس کو جتنے مسائل کی ضرورت پیش آئے ان کاجاننا اس کےاوپر فرض ہوتاہے لیکن عالم جس کی طرف لوگ رجوع کرتےہیں تو دوسروں کےلحاظ سے بھی اس کے اوپر مسائل کا سیکھنا فرض ہوتاہے کہ دوسرے لوگ کون کون سے مسائل اس

سے پوچھ سکتے ہیں دریافت کرسکتے ہیں ان کے لیے اس کو تیار رہناہوگاتاکہ ان کو جائزوناجائز کی راہ بتاسکے اسی طریقے سے ہرشخص پر ضروری ہوتاہے کہ وہ اعمال قلبیہ جواس کے اوپرفرض ہیں ان کی بھی بجاآوری کرے، جیسے کہ اخلاص اور توکّل۔ یہ چیزیں لوگوں کے اوپر فرض ہوتی ہیں، اس کے لیے کتابیں داخل نصاب کی گئی ہیں۔

اسی طریقے سے کچھ کبائر قلبیہ ہیں یعنی بڑےگناہ جوقلب سے تعلق رکھتے ہیں ان کے اندر عُجب ہے دل میں اپنے کو اچھاسمجھنا،چاہے زبان سےنہ کہے اوراس سے بڑھ کر تکبر ہے یعنی اس کااظہار بھی کرے۔

اسی طریقے سے ریاہے یعنی کام توکرتاہے مگر اللہ کے لیے نہیں لوگوں کے لیے کرتاہے،اسی طریقے سےحسدہے یعنی کسی کو کچھ نعمت حاصل ہوئی تو اس کازوال چاہےاگرچہ اس کےکے لیے اجازت ہےکہ وہ اپنےلیے بھی اس نعمت کاحصول چاہےلیکن دوسرےکی نعمت کازوال چاہتاہےاس سےحسد کرتا ہے تو یہ امراض قلبیہ میں سے ہے جن سے بچنافرض ہے۔

جس طریقےسے فرائض قلبیہ ہوتے ہیں اگر چہ فقہ کی روسے باطن پر حکم نہیں لگایاجاتاہےلیکن ہرشخص اپنے بارے میں جانتاہے کہ اس کےاندراخلاص وتوکل ہیں کہ نہیں،اور میرے اندر عُجب، کبر، حسدہےیانہیں؟یہ بھی گناہ کبیرہ ہیں، اوران سے بھی اپنے کو بچاناضروری ہے۔

اورجس طریقےسےہمارےاوپرنمازیں فرض ہیں اسی طریقے سے اخلاص،توکل،تواضع، یہ بھی ہمارے اوپر فرض ہیں کہ ہماراجوبھی عمل ہونیک دلی کے ساتھ خالص اللہ کےلیےہواسی طریقے سےتواضع بھی ضروری ہے کہ انسان کتناہی بڑاہو جائے مگروہ اللہ کےلیےاپنے کوپست رکھے، دوسرے کے اوپربرتری ظاہرنہ کرے جیساکہ حدیث پاک میں اللہ کےرسول ﷺ کاارشاد

ہے: "من تواضع للہ رفعہ اللہ "جواللہ کے لیے اپنے کو پست کرے اللہ اس کے درجات بلندکرتاہے،تو تواضع بھی ہمارے اندرہونا بہت ضروری ہے اسی کے لیےکتاب ریاض الصالحین شامل نصاب ہے جو احادیث کریمہ پر مشتمل ہے اس کے اندراخلاص،توکل اورتواضع وغیرہ کی تعلیم دی گئی ہےاوریہ ہمارے فرائض میں سے ہیں جن سے ہر مسلمان کو آراستہ ہوناضروری ہوتاہے۔

اسی طرح عُجب،کبروغیرہ سے بازرہنے کی بھی تعلیم دی گئی ہے جن سے ہر مسلمان کو پاک رہنا ضروری ہے،ہمارے اندرایسامعاشرہ پیدا ہوچکا ہے کہ یہ کبائرہمارے لیے گویاکبائر ہی نہیں ہیں،یا ہیں توبس صغائرہیں اوریہ فرائض گویاکہ فرائض ہی نہیں ہیں، واجبات سے بھی کم درجے کے ہوگئے ہیں حالاں کہ یہ ہرشخص کے لیے ضروری ہیں۔ایک طالب علم جو ہمیشہ یہاں فرسٹ نمبرسے پاس ہوتارہا،وہ اب دوسرے مدرسے میں پہنچاجہاں سمجھتاہے کہ مین ہی سب سے بڑاقابل ہوں اور اپنی مدح وستائش کا بڑا شائق رہتاہے،طلبہ نےاس کی تعریف کردی کہ بڑااچھاپڑھاتے ہیں توجناب پھولے نہیں سماتے۔اور دوسروں کوکم ترسمجھنے لگتے ہیں اور پہلے سے جوتجربہ کار وہاں موجودہیں ان کو نیچادکھانے کی کوشش کرتے ہیں، انجام یہ ہوتاہے کہ خودجناب کاوہاں پتّاصاف ہوجاتاہے۔

کوئی انسان اگرپورے طورسے مسلمان ہویعنی اس کے اندرتواضع، توکل، اور اخلاص کی صفت ہو،ریا،عُجب اورکبرسے دوری ہوتویہ نوبت ہی نہیں آئے گی۔ اور یوں بھی اخلاقی طورسے اور زمانےکےلحاظ سےسوچناچاہیے کہ جوہم سے پیش روہیں ان کی تعظیم کرناہمارےاوپر ضروری ہوتاہے،پہلے سے جوخدمت کررہےہیں توان کی خدمت کاحق ہمارے اوپرہوتاہےاوراس کالحاظ کرنا ہمارے اوپر لازم ہوتاہے۔جب اس طورسےآپ زندگی گزاریں گے اور اپنے باطنی فرائض کی بھی پابندی کریں گے توناکامی نہ ہوگی باطن کامحاسبہ خود آپ کی ذمہ

داری ہے۔ علماتوظاہر پرحکم لگائیں گے،باطنی طورپرآپ کے اندر کیاخوبی ہے، کیاخرابی ہے خوداس کامحاسبہ کرکے آپ سمجھ سکتے ہیں اوران خوبیوں کواختیارکرنا، اوربرائیوں سے بچنا، یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔یہ یقین کریں کہ یہ جوخوبیاں ہیں فرائض میں داخل ہیں،اور جوخرابیاں ہیں وہ کبائر میں داخل ہیں ان سے بچنا ضروری ہے۔اس طورسے انسان اپنے کو آراستہ کرلے توان شاء اللہ تعالیٰ وہ ہرمیدان میں کامیاب ہوگاکیوں کہ اس کاہرکام اللہ کے لیے ہوگااس کاہرقدم اللہ کی راہ میں اٹھے گااوروہ جوکچھ بھی کرے گادین کے لیے کرے گا۔

ادارے کے ساتھ ہم دردی اوروفاداری کاذکرشروع سے ہورہاہے۔خود فارغین نے جو ترانہ پیش کیا جونصیحت کی، ان سب میں اس بات کا اظہار کیا گیاہے کہ ہم جامعہ کے وفادار رہیں گے اور جامعہ سے دائمی تعلق رکھیں گے، یقیناً یہ سب کی ذمہ داری بنتی ہے۔رسول اللہ ﷺ نےارشاد فرمایاکہ کسی کے ساتھ اگرکوئی بھلائی کرےتووہ اس کابدلہ دے اوربدلہ نہ دے سکےتوکم ازکم اس کاذکر خیرکرے، اس کے لیے دعائے خیرکرےاگریہ بھی اس نے کرلیاتوحق اداکردیا۔

ترمذی شریف کے الفاظ یہ ہیں:

من اثنی فقدشکر،ومن کتم فقدکفر.[1]

جس نےتعریف کی،ذکرخیرکیا تواس نےشکرکیااورچھپاکےرکھاتواس نے کفرانِ نعمت کیا۔

حدیث شریف میں فرمایا گیاہے:

من لم یشکرالناس لم یشکراللہ[2]

جس نےلوگوں کاشکریہ ادانہیں کیاوہ اللہ کاشکرگزارنہیں ہوسکتا۔

---

(۱)ترمذی شریف،باب ماجاءفی المتشبع ج:۴ص:۳۷۹

(۲)ترمذی شریف،باب ماجاءفی الشکرلمن احسن الیک ج:۴ص:۳۳۹

وہابیہ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں رسول کی تعظیم کی کوئی ضرورت نہیں ہے،ان کو ماننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے،صرف اللہ کااحسان مانناکافی ہے،کیوں کہ اسی نے دین دیا،اسلام دیا، ایمان دیا،رسول کاہمارے اوپر کوئی احسان نہیں ہے۔اسی طریقے سے انسان جب نہ ماننے پر آتاہے تووہ یہی کہتاہے، ہمارے اوپر جوکچھ ہے وہ سب اللہ کی طرف سے ہے نہ کسی ادارے کا ہمارے اوپراحسان ہے اور نہ کسی استاذ کاکوئی احسان ہے۔

جب آدمی ناشکری کرناچاہتاہے تواس کے لیے یہ جملہ بول دیتاہے لیکن رسول اللہ ﷺ کاارشادیہ ہے کہ ''من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ''اس لیے اگرکوئی یہ سمجھے کہ ہم اپنے ادارے کے ساتھ بےوفائی کرکے، اپنے اساتذہ کے ساتھ بےوفائی کرکے اللہ کا حق اداکردیں گے تویہ ممکن نہیں۔جس نے آپ کے علمی سفرکاسامان کیا اورآپ کوقیمتی علوم سے،اعمال سے، ہدایات سے، تعلیمات سے آراستہ کیااس کا اپنے اوپرکوئی احسان ہی نہ مانیں تواس سے بڑھ کرکے ناشکری اورکفرانِ نعمت اورکیاہوگا۔

یہ ضروری ہےکہ انسان جہاں سے فیض پاتاہے یاجہاں سے بھی حصہ پاتاہے اس کویادرکھے، اوراس کاحق اداکرنےکی کوشش کرے کم ازکم اس کا ذکرخیر ہی کرے اوردعاے خیرہی کرے۔

اس ادارے کے ساتھ آپ کی وابستگی،اساتذہ کے ساتھ آپ کی محبت، ادارے کےساتھ محبت ہونابھی ضروری ہے، اس سے ہٹ کرآپ اللہ اور رسول ﷺ کاحق بھی ادانہیں کرسکتے اورخداکے شکرگزاربندے بھی نہیں بن سکتے۔اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو توفیق خیرسے نوازے۔وآخر دعوانا أن الحمدللہ رب العالمین۔

خطبۂ صدارت

خانقاہ قادریہ ایوبیہ پپراکنک ضلع کشی نگر یوپی

۳؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۳؍فروری ۲۰۱۶ء

اپنے اسلاف سے وابستگی اوران کا ذکرخیر زندہ قوم کی نشانی ہے۔اس سے جہاں گزشتہ اکابرکی خدمات کاتعارف ہوتاہے وہیں موجودہ نسل کے لیے راہ عمل بھی ہموار ہوتی ہے،ان کی بےلوث اور مخلصانہ سرگرمیوں کاکویاد کرکے لوگوں کے دلوں میں گرمی،ارادوں میں پختگی،عزائم میں بلندی اور کاموں میں تیزی آتی ہے۔

خانقاہ قادریہ ایوبیہ کےارکان ومعاونین قابل مبارک باد ہیں کہ سال رواں جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ/فروری ۲۰۱۶ء کے عرس ایوبی کے موقع پر پپراکنک ضلع کُشی نگر یوپی میں ہونے والے اجلاس اور سیمینار کے لیے انھوں نے سراج الہند مولاناشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی(ولادت:۲۵؍رمضان ۱۱۵۹ھ وصال:۷؍شوال ۱۲۳۹ھ)کی حیات وخدمات کا انتخاب کیاہے۔

سراج الہندکی خدمات کادائرہ پورے برصغیر کو محیط ہے۔انھوں نے درس وتدریس،تصنیف وتالیف،تزکیہ وارشاداوروعظ وخطاب چاروں طریقوں سے دین وعلم کی خدمت اورعوام وخواص کی فکری،قلبی اور عملی تربیت میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ان کے مواعظ حسنہ سے ایک جہان فیض یاب ہواہے اور ان کی تصانیف آج بھی اہل علم کی دست گیری اور مشکل کشائی کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس اجمال کی تفصیل مندوبین کے مقالات اور خطابات کے ذریعہ جلوہ فشاں ہوگی۔سراج الہند کی تصانیف جلیلہ کا بھی ذکر ہوگا،ان فلک پیما علما و محدثین کا بھی جو درس گاہ عزیزی سے بہرہ مند ہوئے، ان سالکین کا بھی جنھوں نے بارگاہ عزیزی سے فیض پاکر مسندِ ارشادو تزکیہ کو رونق بخشی اور ان مواعظ کا بھی ذکر ہوگا جن سے بے شمار نامعلوم بندگان خدا کی فکر و عمل کی دنیا سنورتی رہی۔

سیمینار کے مقالات کے ساتھ اگر اجلاس کے خطبات کا بھی مقبول و مفید حصہ ضبطِ تحریر میں آجائے تو سراج الہند کی حیات وخدمات پر ایک ضخیم مجموعہ اربابِ فکر و نظر کی ضیافت اور اصحابِ ذوق و شوق کی بصیرت و مسرت کا سامان ہوگا۔واللہ الموفق لکل خیر والمیسر لکل صعب.

یہاں یہ تذکرہ مناسب ہوگا کہ ہم شاگردانِ حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی (۱۳۱۲ھ -۱۳۹۶ھ)کا علمی رشتہ بھی کئی طریقوں سے حضرت سراج الہند کی بارگاہ سے منسلک ہے:

۱-حافظ ملت -صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی مصنف بہار شریعت (۱۲۹۶ھ -۱۳۶۷ھ)-اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی (۱۲۷۲ھ - ۱۳۴۰) -خاتم الاکابر مولانا شاہ آل رسول احمدی مارہروی (۱۲۰۹ھ - ۱۲۹۶ھ) - سراج الہند مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۱۵۹ھ -۱۲۳۹ھ) قدست اسرارہم۔

۲-حافظ ملت-صدرالشریعہ-استاذ الاساتذہ مولانا ہدایت اللہ خاں رام پوری -علامہ فضل حق خیرآبادی (۱۲۱۲ھ -۱۲۷۸ھ)-سراج الہند علیہم الرحمہ۔

۳-حافظ ملت -صدرالشریعہ-مولانا وصی احمد محدث سورتی ثم پیلی بھیتی (۱۲۵۲ھ - ۱۳۳۴ھ)-مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی (۱۲۰۸ھ - ۱۳۱۳ھ) - سراج الہند علیہم الرحمہ۔

۴-حافظ ملت-صدرالشریعہ-محدث سورتی-مولانا احمد علی سہارن پوری (م ۱۲۹۷ھ) شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی (۱۱۹۶ھ-۱۲۶۲ھ)-سراج الہند علیہ الرحمۃ۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت برصغیر میں جو بھی علما و فضلا ہیں تقریباً سبھی کا سلسلۂ تلمذ خصوصاً تلمذ فی الحدیث کسی نہ کسی واسطہ سے حضرت سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تک پہنچتا ہے۔اگر اسی ایک فیضان اور رشتۂ دوام کو دیکھا جائے تو یہ حضرت سراج الہند کی ایک عظیم خصوصیت ہے جو معاصرین کے درمیان ان کے امتیاز کے لیے کافی ہے۔ ذالك فضل الله يوتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم۔

حالات حاضرہ اوراہل سنت کی ذمہ داریاں

بموقع آخری نشست ۲۳/واں فقہی سیمینار مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور منعقدہ بتاریخ:۲۸/۲۹/۳۰/نومبر۲۰۱۵ء شنبہ تا دوشنبہ

نحمده ونصلي على رسوله الكريم.

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (۱)

آج عالمی حالات مسلمانوں کے حق میں بہت ہی خطرناک ہیں اوراہل سنت کے جوحالات ہیں وہ اورزیادہ افسوس ناک ہیں، پوری دنیاپر نظرڈالیں تومسلمانوں کوبدنام کرنے کے لیےاوران کوحکومتوں سے بےدخل کرنے کے لیے بڑی بڑی سازشیں رچی جارہی ہیں اور جولوگ یہ کام انجام دےرہے ہیں سیاسی طاقت بھی ان کے پاس ہے،فوجی قوت بھی ان کے پاس ہے اورمالی طاقت بھی انھیں کےہاتھ میں ہے،ان سب کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کےلیے یہ نہایت ہی نازک دورہے۔ان حالات میں بھی اگر مسلمان اپنے اوپر غورنہ کریں اوراپنے دشمنوں سےنپٹنے کےلیےراہ نہ تلاش کریں اور انھیں کواپناآقاتسلیم کرتےرہیں تویہ بہت ہی افسوس ناک چیزہے کہ وہ قوم جوامامت اوررہبری کا فریضہ انجام دیاکرتی تھی آج وہ غلامی کی دہلیزپرکھڑی ہےاوراسی پراسے فخرہے، بنام مسلم جوحکومتیں ہیں ان کے پاس اس طرح کی قوت اورعقل ہونی چاہیے کہ وہ اپنی روش پرآسکیں اوراگلوں نےامامت وقیادت کاجوفریضہ انجام دیاتھااسے اپنےہاتھ میں لےسکیں، یہ اپنے اندرطاقت وقوت پیداکریں تو بہت کچھ آج

---

(۱)آل عمران،نمبر۱۰۴

بھی کرسکتے ہیں، لیکن جس نے طے کرلیاہوکہ بس غیروں کی غلامی ہی ہماراحصہ ہے تووہ کچھ بھی نہیں کرسکتا۔

آج کچھ فرقے ہیں جن کے نام کی حکومتیں دنیامیں قائم ہیں اوروہ حکومتیں اس فرقے کے فروغ کے لیےاپنے سرمایہ کابڑاحصہ صرف کررہی ہیں اس طریقے سے یہ باطل فرقے جن کے خطے بہت محدود تھے اور ان کے جاننےاور ماننے والے بہت کم تھے آج بڑھتے اورپھیلتے چلے جارہے ہیں اوراب دنیامیں کوئی ایساملک نہیں رہ گیاہے جہاں ان کےافراد، ان کے لوگ،ان کی تنظیمیں اور تنظیموں کے تحت ان کےادارے نہ قائم ہوں۔

ایسےحالات میں اہل سنت کےنام کی جوخاص مسلک اہل سنت کے فروغ کے لیے قائم ہوایسی کوئی حکومت نظرنہیں آتی،اگرچہ ایک دوحکومتیں ایسی ہیں جہاں پراہلِ سنت کو بالادستی حاصل ہے وہ اگر چاہیں تومسلک اہل سنت کی بڑی بڑی خدمات انجام دی جاسکتی ہیں لیکن ان سےبھی وہ کام نہیں ہورہاہے جوہماری حریف اور مخالف جماعتوں کی حکومتیں انجام دے رہی ہیں،ان حالات میں خودعوام اہل سنت پریہ فریضہ عائد ہوتاہے کہ اپنے تشخص کو باقی رکھنے کےلیے،اپنے مذہب کوفروغ دینے کےلیے اوردنیا کے اندران کے خلاف جو ایک مہم چلادی گئی ہے اورباطل کو بڑی تیزی کےساتھ فروغ دیاجارہاہےاس کےمقابلے کےلیے تیار رہیں اس لیےکہ حکومتوں سےیہ کام انجام پذیر ہوتانظرنہیں آرہاہےتوتمام اہل سنت کا فریضہ ہوتاہے کہ اپنی قوتیں سمیٹیں،اپنی ہمتیں جمع کریں اور اپنی طاقت وہمت سے ان باطل طاقتوں کامقابلہ کریں۔

یہ باطل فرقے سب سے پہلے اہل سنت ہی پر حملہ آور ہوتے ہیں، کوئی یہودیوں کو مسلمان بنانے کی کوشش نہیں کررہاہے نہ عیسائیوں کومسلمان بنانے کی کوشش کررہاہے بلکہ جو بھی نیا فرقہ پیداہوتاہے وہ سب سے پہلے اہل سنت

کو توڑ کر اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کرتا ہے، یہ آپ کھلی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اس سے کچھ ہی استثنا آپ کو ملے گا۔

بظاہر وہ یہی کہتے ہیں کہ ہم اسلام کا فروغ چاہتے ہیں لیکن جتنا وہ اسلام کا فروغ نہیں کر رہے ہیں اس سے کہیں زیادہ اپنے فرقے کا فروغ کر رہے ہیں اور اس کے لیے اپنی پوری پوری توانائیاں صرف کر رہے ہیں اور ہر طرح کی سیاسی وحکومتی طاقتیں استعمال کر رہے ہیں۔

ان حالات میں اہل سنت کو خبردار ہونا چاہیے اور ان کو ہوشیار ہونا چاہیے، اگر عوام اہل سنت اور علماے اہل سنت اس کے لیے بیدار نہیں ہوئے اور انھوں نے اپنی قوتوں کو سمیٹا نہیں بلکہ ٹولیوں میں بٹ گئے، ایک ملت ہوتے ہوئے مختلف فرقوں میں بٹ گئے، ایک جماعت ہوتے ہوئے مختلف جماعتوں میں تقسیم ہوگئے اور ایک قوم ہوتے ہوئے مختلف قوموں میں بٹ گئے تو جو باطل قوتیں ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں ان کا مقابلہ محال اور ناممکن ہوجائے گا۔ اس لیے سارے اہل سنت کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ان حالات کا اثر لیں اور سارے حالات کو دیکھتے ہوئے اور سمجھتے ہوئے اپنی قوتوں کو جمع کریں اور ان باطل طاقتوں سے مقابلے کے لیے تیار رہیں، خصوصًا مسلک اہل سنت کو فروغ دینے کے لیے اور اس کے خلاف جو باطل طاقتیں برسرِپیکار ہیں ان کو زیر کرنے کے لیے طرح طرح کی صلاحیتیں بروے کار لائیں اور جب تک یکجا نہیں ہوں گے اور غیر ضروری باتوں سے اپنے کو الگ نہیں کریں گے اس وقت تک کوئی کام بحسن وخوبی انجام پذیر نہیں ہوگا۔ کسی بھی قوم کے ادبار کی یہ سب سے بڑی نشانی ہوتی ہے کہ قوم آگے جانے کی بجاے پیچھے جانے کی طرف مائل ہوجائے۔ اپنی اصلاح کی بجاے اپنے افساد کی کوشش کرنے لگے اور اسے احساس زیاں بھی نہ ہو کہ ہم کو کیا کرنا تھا اور ہم کیا کر رہے ہیں۔

آج آپ جس میدان میں نظر کریں وہاں آپ کو کام کرنے کو ملے گا اور اہل باطل نے جو کچھ پھیلا رکھا ہے مثلاً فقہ میں، حدیث میں، تفسیر میں ہر ایک میں آپ کو جواب دینے کی ضرورت محسوس ہوگی، اسی طریقہ سے اپنے عقائد کو عام کرنے اور باطل عقائد جو باطل فرقوں نے پھیلا رکھے ہیں جدید ذرائع ابلاغ کو اپنے ہاتھ لے کر ان کا استعمال کرتے ہوئے ان باطل عقائد کی تردید اور اپنے مذہب حق کو واضح کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے، اسی طریقہ سے مذہب اسلام کی صحیح ترجمانی جس طرح اہل سنت کر سکتے ہیں کوئی باطل فرقہ اس طریقہ سے انجام نہیں دے سکتا ہے۔ ہم اہل باطل سے کبھی یہ امید نہ کریں کہ وہ اسلام کی تبلیغ اور اس کی وکالت کا کام صحیح طور پر انجام دیں گے۔

یہ فریضہ ہم پر عائد ہوتا ہے کہ یہود و نصاری مستشرقین اور مشرکین کا جو بھی اعتراض اسلام پر ہوتا ہے اس کا جواب دینے کے لیے انھیں کے ذرائع اور اپنی ساری قوتوں کے ساتھ ہم بھی تیار رہیں یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب ہم سب آپس میں متحد ہوں اور اپنے فساد کی بجاے اپنی اصلاح کی کوشش کریں۔ اسلام وسنیت کے فروغ واستحکام کو مطمح نظر بنائیں۔

میں بارہا غور کرتا ہوں کہ ہماری قوم جو قوم اہل سنت ہے، عمومی اعتبار سے اس سے زیادہ اپنے افساد کی طرف بڑھنے والی اور اپنی اصلاح سے منہ موڑنے والی شاید ہی دنیا میں کوئی قوم ہو۔ نئی نئی قومیں پیدا ہو رہی ہیں، نئے نئے فرقے پیدا ہو رہے ہیں اور تھوڑے عرصے میں وہ دنیا بھر میں پھیل جاتے ہیں اور لوگوں تک اپنی باتیں پہنچاتے ہیں لیکن ہم چودہ سو سال سے اس دنیا میں موجود ہیں اور ہمارا معروف تشخص ہم سے چھینا جا رہا ہے ہم کو ایک کم علم، جاہل جماعت اور فرقۂ شاذّہ ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور ہم اس سے غافل ہیں۔

ان حالات میں خود ہمیں بیدار ہونے، اپنے صاحب علم ہونے اور صاحب

کردار ہونے کوثابت کرناپڑے گایہ اسی وقت ہوسکتاہے جب ہم غیر ضروری اور لایعنی کاموں سے پرہیز کریں،مقصد اوراصلی امور پرتوجہ دیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق خیر سے نوازے۔

ان حالات میں ہماری جوتنظیمیں اورجوادارے دعوتی،اصلاحی،تقریری، تحریری، تعلیمی اورتصنیفی واشاعتی میدانوں میں اپنے محدودوسائل وذرائع کو بروے کار لاتے ہوئے اہل سنت کے فروغ کے لیے سرگرم عمل ہیں انہی کے ذریعہ آج ملت کی کشتی رواں دواں ہے۔ مولاتعالیٰ انھیں مزید قوت وہمت، ترقی واستحکام اوراستقامت بخشےاور جوغافل ومتغافل ہیں بلکہ حال ومآل سےبے پرواہ ہوکر جماعتی انتشارواِدبار کے درپے ہیں رب تعالیٰ انھیں ہدایت اور سلامت روی نصیب کرے۔

زیادہ تفصیل سے گریز کرتے ہوئے میں انہی کلمات پر اکتفاکرتاہوں اہل علم خود مجھ سے زیادہ باخبرہیں۔

میں پہلے دن کی طرح آج آخری دن بھی تمام مندوبین کرام کاشکریہ ادا کرتاہوں اور معذرت خواہ ہوں کہ آپ کی خدمت میں کوئی کوتاہی ہوئی ہوتو درگزرفرمائیں۔یہ دیکھیں کہ یہ کسی خاص ادارے کاکام نہیں ہے بلکہ پوری جماعت کاکام ہے،اس لیےاگرانتظامی امورمیں ہم سےکوئی کوتاہی ہوئی ہوتو بجاطورپرہم آپ سےعفوودرگزرکےامیدوارہیں۔والعفو عند کرام الناس مأمول. وآخر دعواناأن الحمدللہ رب العالمین.

دور طالب علمی اور کسب فضل وکمال

خطاب بموقع تحریری وتقریری مسابقہ، جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف ضلع اوریا یوپی
بتاریخ: ۲۲/ محرم ۱۴۳۷ھ/۵/ نومبر ۲۰۱۵ء جمعرات ۱۱/ بجے دن

نحمده ونصلي على رسوله الكريم۔ أما بعد
اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ (۱)

میں ناظم ادارہ حضرت مولانا سید محمد انور میاں چشتی اور حضرت مولانا مفتی انفاس الحسن چشتی صدر المدرسین اور دیگر اساتذۂ جامعہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے یہاں حاضری کا موقع عنایت فرمایا۔ یوں تو اپنے اداروں میں حاضری اور اپنے لوگوں سے ملاقات کا اشتیاق برابر رہتا ہے مگر ؎

کوئی تقریب بہر ملاقات چاہیے

وقت اور حالات کی مساعدت ہوئی تو حاضری وملاقات ہوجاتی ہے ورنہ سالہا سال کا عرصہ گزر جاتا ہے اور دل کی آرزو دل ہی میں رہ جاتی ہے۔

عزیز طلبۂ کرام! طالب علمی کا زمانہ ایک محدود اور مقرر زمانہ ہوتا ہے جس میں ایک طالب علم کو بہت سے علوم اور کمالات سے آراستہ ہونا ہوتا ہے۔ یہ دور اگر غفلت میں نکل گیا تو پھر ہاتھ نہیں آتا، اس لیے اس زمانہ کو قیمتی سمجھتے ہوئے اپنے اوقات کو مصرف میں لانا تمام طلبہ کی ذمہ داری ہوتی ہے، پہلی ذمہ داری تو یہی ہے کہ جو درسی کتابیں ان کے نصاب میں رکھی گئی ہیں وہ باقاعدہ ان کی تیاری کرکے ان کا درس حاصل کریں، یعنی اگلا سبق کیا ہے اس کے مفاہیم ومراد

(۱) النساء آیت نمبر ۶۴

کو سمجھنے کی ازخود کوشش کریں کہ المطالعة هي الاطّلاع على مراد المصنّف.
مطالعہ یہ نہیں ہے کہ سطروں کی سیاہی دیکھ لی اور درسگاہ میں آکر بیٹھ گئے، سمجھا کچھ بھی نہیں، بلکہ مطالعہ یہ ہے کہ مصنف کا مقصد کیا ہے اور اپنی عبارت میں انھوں نے کیا کہنا چاہا ہے، اس سے طالب علم آگاہ ہوجائے اس طریقہ سے جب کتاب کی تیاری ہوگی تو درس کا پہلا مرحلہ طے ہوگا اس کے بعد دوسرا مرحلہ استاذ کی تقریر سننے کا ہوتا ہے، وہاں جو اشکال آپ کے ذہن میں آیا ہو اس کو حل کرنے کا موقع آپ کے پاس ہوتا ہے پھر تیسرا مرحلہ اس کے اعادہ کا ہوتا ہے یہ ہر طالب علم کی ہر ایک سبق سے متعلق ذمہ داری ہوتی ہے اور اس طور سے ہر سبق کو طالب علم کے لیے پڑھنا ضروری ہوتا ہے۔ جب اس طریقہ سے تمام اسباق کو پڑھ لے گا تو کتاب کے اوپر اس کو عبور حاصل ہوسکے گا اور وہ کتاب کی مراد اور اس کے مقاصد کو سمجھ سکے گا، اس کے ساتھ ساتھ چوں کہ آپ علم دین حاصل کر رہے ہیں، اس لیے علم دین پر عمل کرنا اور دوسروں کے لیے نمونہ بننا بھی آپ کی ذمہ داری میں داخل ہے اسی لیے اس جامعہ میں طلبہ کی عملی تربیت بھی باضابطہ ہوتی ہے ان کو نماز باجماعت کا پابند بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اس زمانے میں اگر پابندی ہوگئی تو پھر اخیر عمر تک پابندی باقی رہے گی اور جب کوئی عالم دین خود پابند ہوگا تو دوسرے بھی اسے دیکھ کر سبق حاصل کریں گے اور اس کی موعظت اس کی نصیحت اور خطاب بھی دوسروں پر اثر انداز ہوسکے گا اور اس کا کردار اس کی گفتار کا مؤید ہوگا اس لیے آپ کو یہ ہمیشہ ملحوظ رکھنا ہے کہ آپ کو ہمیشہ ماں باپ کی گود میں پرورش نہیں پانا ہے بلکہ آپ کو میدان عمل میں قدم رکھنا ہے اور میدان عمل میں قدم رکھنے کے بعد علم کے ساتھ عمل کی بھی ضرورت پڑتی ہے کیوں کہ علم اور عمل دونوں سے قوم کو فائدہ پہنچانا یہ آپ کا فرض منصبی ہوتا ہے پھر عمل کے میدان میں ہر طرح کی

صلاحیتوں کی ضرورت پڑتی ہے کبھی تحریر کی ضرورت پڑتی ہے اور کبھی تقریر کی ضرورت پڑتی ہے اس تحریری وتقریری مسابقہ میں اس جامعہ میں پڑھنے والے بہت کم طلبہ نے حصہ لیا ہے، تحریری مسابقہ میں صرف ۴۷/ طلبہ تھے اور تقریری مسابقہ میں ۲۲/ طلبہ تھے۔ جب کہ یہ تعداد بڑھنی چاہیے۔

لیکن تقریر میں آج کا جو چیخ وپکار والا جذباتی انداز ہے وہ اب کارگر نہیں رہ گیا ہے بلکہ سنجیدگی کے ساتھ آپ اپنی بات مخاطب کے دل میں اتارنے کی کوشش کریں جوش وجذبہ اور غصہ دکھانے کی کوشش نہ کریں۔ آپ اس طور سے دل پذیر اور متاثر کن تقریر کریں کہ سننے والا سننے کے بعد اس پر غور کرے اور جو کچھ اس سے ہوسکتا ہے اس پر عمل کرے یہ انداز آج دنیا کے تمام تعلیم یافتہ حلقوں کے اندر جاری وساری ہے اور یہ طریقہ کہ چند منٹوں کے اندر بہت زیادہ جوش وغصہ دکھانا شروع کردیا بالکل از کار رفتہ ہوچکا ہے آج پڑھا لکھا طبقہ قطعًا اس پر توجہ دینے کے لیے تیار نہیں ہے اور اس سے قوم کو فائدہ بھی کم پہنچتا ہے جب کہ مقرر کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ لوگوں کے دلوں میں اگر کچھ شکوک وشبہات پیدا ہوچکے ہیں تو ان کا ازالہ کیا جائے ان کے عقائد کے اندر کچھ خامی آگئی ہے تو اس کو دور کیا جائے عمل کے اندر اگر خرابی ہے تو اس خرابی کو دور کیا جائے اور فکری وعملی اعتبار سے ان کو بہتر اور عمدہ بنایا جائے یہ مقرر کا مقصد ہونا چاہیے۔

مقرر کا مقصد یہ نہیں کہ زیادہ سے زیادہ داد وتحسین حاصل کرلی جائے جیسا کہ نعت خوانی کا یہی مقصد ہوچکا ہے۔ زیادہ داد اور انعام حاصل کرنا مقصد بن گیا ہے، سامعین کا بھی حال کچھ اسی طرح کا ہوتا ہے، پڑھنے والا کیا پڑھ رہا ہے، کیا مدح کررہا ہے، کیا ثنا کررہا ہے، اگر حمد ہے تو وہ کیسی حمد بیان کررہا ہے اس کو نہیں دیکھتے، صرف یہ دیکھتے ہیں کہ نغمگی کیسی ہے، ترنم کیسا ہے اور سننے سنانے کا جو مقصد ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں پر اثر پہنچایا جائے، مضمون سے لوگوں کو باخبر

کیا جائے اور اپنی بات ان کے دل میں اتاری جائے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا ہے۔

جلسوں میں اگر یہ حال ہے کہ نعتوں کا ایک دور چلا اور پورے مشاعرے کا ماحول بن گیا پھر خطاب کی باری آئی تو وہ بھی جوش وجذبہ کی نذر ہو گیا تو پورا جلسہ ناکام ہوا اگرچہ واہ واہ کرنے والوں اور نعرہ لگانے والوں کی تعداد بے شمار ہو گئی۔ اس فرسودہ انداز کو چھوڑ کر ہم اپنی قوم کو عمدہ بنانے اور سنوارنے کی کوشش کریں۔ ان کے عقائد، ان کے اعمال، ان کے اخلاق وافکار میں اصلاح لانے کی کوشش کریں اور یہ اسی وقت ہو گا جب آپ دل سے بات کریں اور دل کے اوپر اثرانداز ہوں ''ازدل خیزدوبردل ریزد'' کا ماحول ہو تقریر میں یہی انداز اختیار کرنا چاہیے۔

تحریر کے سلسلے میں یہ ہے کہ مقالہ لکھنے والے کو مقالہ کا عنوان پڑھنے کے ساتھ یہ غور کرنا چاہیے کہ کون سی چیزیں اس کے اندر لانا ہمارے لیے ضروری ہے اور کون سی باتیں غیر ضروری ہیں یا بالکل ہی بے جوڑ ہیں اور ان کا ذکر مقالہ میں ہرگز نہیں ہونا چاہیے یہ مقالہ لکھنے سے پہلے پہلے کسی بھی مقالہ نگار کو غور کرنا اور سمجھنا ضروری ہے مثلاً آج مقالات کے عنوانات میں سے ایک عنوان تھا ''امام اعظم کی شخصیت ائمۂ حدیث کی نظر میں'' اس عنوان کا تقاضا یہ ہے کہ امام اعظم کے بارے میں ائمۂ حدیث نے جو ارشاد فرمایا ہے اور ان کے جو کمالات وفضائل بیان کیے ان کو پیش کیا جائے، مقالہ لکھنے میں اگر آپ نے امام اعظم کی پیدائش، نسب، ان کے شاگردوں اور استاذوں کا ذکر شروع کر دیا تو یہ غیر ضروری وغیر متعلق چیزیں ہیں، ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی مجموعہ امام اعظم کی ذات پر شائع کرنا ہے تو اس کے لیے شخصیت کے تمام پہلوؤں کو مقالہ نگار حضرات کے درمیان تقسیم کر دیا جاتا ہے اور کسی کو خاص خاص فضائل وکمالات

پر لکھنے کا موقع دیا جاتاہے تواب جس کو نشوونمااور حالات زندگی پر لکھنے کو کہا گیا ہے وہ فضائل وکمالات پر آجائے، تلامذہ اوراساتذہ پر آجائے یا مخصوص فنون سے متعلق گفتگو شروع کردے تو یہ غیر متعلق چیز ہوگی اسی طریقہ سے کسی کو ائمۂ حدیث کے اقوال پیش کرنے کو کہا گیاہے اب وہ سفرنامہ شروع کردے کہ کہاں سے کہاں تک انھوں نے سفر کیا، کہاں پیدائش ہوئی اور کن کن اساتذہ کی بارگاہ میں گئے اور کتنے تلامذہ ان کی بارگاہ میں آئے تو یہ سب غیر متعلق چیزیں ہیں اس کے بعد اگر اپنے موضوع کا کچھ حق ادا کیا یعنی ائمۂ حدیث کے کچھ اقوال پیش کردیے تو خیر ورنہ پورا مقالہ لاحاصل اور بے کار ہے کہ جو موضوع دیا گیا ہے اس کا کوئی حق ادا ہی نہیں کیا اور بہت سی غیر ضروری باتیں بیان کردیں۔

اس لیے عنوان سامنے آنے کے بعد ہمیں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس کا حق کیا ہوگا اور اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ہمیں کیا چھوڑنا ہوگا اور کیا لینا ہوگا، کیا لکھنا ہوگا اور کیا نہیں لکھنا ہوگا۔ اگر یہ مقالہ نگار نے نہیں سمجھا تو اس کی بہت بڑی ناکامی ہے، اس لیے عنوان کا حق ادا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جو اصل موضوع ہے اس پر گفتگو کی جائے تمہیدی باتیں سطر دو سطر چار سطر ہوسکتی ہیں، صفحہ در صفحہ آپ تمہیدی گفتگو کرتے رہے اور اصل موضوع پر دیر میں آئے یا اس پر کم گفتگو کی تو یہ مقالہ بے وقعت ہوگا اور اس کی اہمیت قارئین کی نظر میں نہیں ہوگی، ان باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

پھر جس طرح بولنے میں صحیح تلفظ کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے، اسی طرح لکھنے میں املا کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے اگر املا میں وہ غلطیاں آرہی ہیں جو مبتدی طلبہ میں نہیں ہونی چاہیے تو بڑا عیب ہے۔ اگر عربی منتہی یا مبتدی طلبہ ایسی غلطیاں کریں تو یہ بہت بڑی خامی ہے اسے دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ پیراگراف چینجنگ آج کی تحریروں کے اندر ضروری ہوتی ہے، باتیں بدل رہی

ہیں توسطریں بھی بدل دی جائیں لیکن اگرایک ہی پیراگراف میں ازابتداتا انتہا لکھتے چلے گئے تویہ سوسال پہلے کاطریقہ ہوسکتاہے آج کا یہ طریقہ نہیں، اس لیے طالب علم کواصولِ املاسے بھی باخبر ہوناچاہیے۔

آج کے املااورسوسال پہلے کے املامیں اہل زبان نےبہت سی تبدیلیاں کی ہیں، پہلے کااملا کچھ ہوتاتھااورآج کا املا کچھ اور ہے اس کو بھی جاننا چاہیے اس سلسلے میں مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پورکی کتاب ”قواعد املاوانشا“ دیکھیں۔

لیکن میں توابھی جنرل املاکی بات کررہاہوں یعنی صحیح طریقہ سے لکھنا،کسی بھی لکھنے والے کے لیے یہ بہت ضروری ہے۔دوسری چیز مسلمانوں اوراہل قلم کے لیے ضروری ہے کہ جب وہ قرآنی آیات لکھیں تو رسم قرآنی کی پابندی کریں اس لیے کی تمام ائمہ کااتفاق ہےکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نےجو مصاحف تیار کرائے تھے اوران مصاحف میں جو رسم اپنایااسی کو اپناناضروری ہے،اس کوسمجھنے کے لیے آپ یوں سمجھیں کہ اگرآپ عام عربی کےاندر عابدون یاصالحون لکھیں گےتو ع کےبعد الف اسی طرح ص کے بعد الف لکھیں گے اور عربی تحریروں کےاندر اسی طرح لکھا بھی جاتاہے۔لیکن قرآن کریم میں یہ رسم نہیں کیوں کہ قرآن کریم میں جمع مذکرسالم لکھنے کاطریقہ یہ ہے کہ اس میں الف نہیں لکھا جاتابلکہ الف حذف ہوتاہے توجب عابدون، صالحون، ناصرون لکھاجائے گاتوحذف الف کے ساتھ لکھاجائے گاصرف اس صورت میں جب جمع مذکرسالم میں الف جمع کےبعد ہمزہ یاکوئی حرف مشددآرہاہوتووہاں اثباتِ الف ہوتاہے جیسے فائزون،ضالّون۔یہاں اثباتِ الف ہے لیکن جہاں پرایسانہ ہووہاں حذف الف ہوگااوراس کی پابندی کرنابھی ضروری ہے اس کے علاوہ بہت سی ایسی جگہیں ہیں جہاں ہمزہ کولکھنے کاطریقہ الگ ہوتا ہے جیسے” فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ‘‘میں فاکوسین سے ملاکرلکھاجاتاہے

اور ہمزۂ امر جو ہے اس کو قطعاً نہیں لکھا جاتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف میں نہیں لکھا گیا، اسی طریقہ سے دوسرے ہمزہ کا شوشہ، یہ بھی نہیں ہے۔

لِيَسْـَٔلَ ، تُسْـَٔلَ میں ہمزہ کا شوشہ نہیں ہے تو جو مصحف کا طریقہ ہے اس کے مطابق لکھنا آپ کے لیے ضروری ہے اس کے اوپر مستقل کتابیں بھی لکھیں گئی ہیں، میں نے رسم قرآنی کے معاملے میں آج کے طلبہ کو سامنے رکھتے ہوئے کتاب لکھی ہے **"رسم قرآنی اور عربی کتابت کے اصول"** آپ کے یہاں ہوگی ہمارے یہاں داخل نصاب بھی ہے۔

کتاب رسم قرآنی نہیں تو مصحف کو دیکھ کر ہی کم از کم آپ آیات کی کتابت درست کرلیا کریں اس سے بھی آپ کا کام چل سکتا ہے اگرچہ مصاحف میں بھی بہت سی غلطیاں نظر آتی ہیں تاہم کم غلطیاں ہوں گی۔

تحریر میں املا کی درستی اور رسم قرآنی کی پابندی بھی ضروری ہوتی ہے، اس پر بھی دھیان دینا ہمارے لیے اور آپ کے لیے بہت ضروری ہے۔

مقالہ پڑھنے میں بعض طلبہ نے بہت روانی کے ساتھ پڑھ دیا، قارئین کو اچھی طرح سننے اور سمجھنے کا موقع ہی نہ ملا۔ جب آپ کو معلوم ہے کہ آپ کو پانچ منٹ ملے ہیں اور پانچ منٹ میں آپ اپنا پورا مقالہ نہیں پڑھ سکتے تو اس طرح پڑھیں کہ سننے والے کو معلوم ہو کہ آپ کے جملے کیسے ہیں آپ کی ترکیبیں کیا ہیں اور آپ کی گفتگو کا مقصد کیا ہے، روانی کے ساتھ بہت تیز انداز میں نہیں پڑھنا چاہیے اسی طریقہ سے جب آپ کو محدود وقت دیا گیا تو آپ اپنے مقالے کا خاص حصہ پڑھیں مثلاً آپ کے عنوان کا خاص حصہ ہے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زہد وتقویٰ تو ان پانچ منٹ کو زہد وتقویٰ کے لیے وقف کیجیے اور اس کو سنا دیجیے اور تمہیدی گفتگو کو چھوڑ دیجیے تاکہ سامعین کو خود سمجھ میں آجائے کہ آپ نے اپنے عنوان کا کچھ حق ادا کیا ہے یا نہیں۔

میں نے دیکھا کہ تین تین چار چار صفحے تک تمہیدی گفتگو ہے اور اخیر میں جاکر عنوان پر آئے ہیں اور سنانے میں اس اخیر کو بالکل ہاتھ نہیں لگایااور صرف تمہید میں ہی پورے پانچ منٹ کاوقت ختم کردیا،مقالہ پڑھنے کا یہ طریقہ ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔جب آپ کو یہ معلوم ہے کہ ہمارایہ عنوان ہے اورپانچ منٹ میں اپنے مقالہ کو پیش کرناہےتوعنوان سے متعلق جوحصہ ہے اس کو پڑھنے کی کوشش ہونی چاہیے، اسی کو سناکرآپ عہدہ برآہوجائیں گے اورسامعین کوسمجھ میں آجائے گاکہ آپ نے اپنے موضوع پرکوشش صرف فرمائی ہے۔ان چیزوں سے زمانۂ طالب علمی میں آپ کو باخبراور بہرہ ور ہونا ضروری ہے۔

یقیناًمیدان میں قدم رکھنے کےبعد کبھی ایساموقع ہوتاہے کہ فوری طور پرلوگوں کےاندر کوئی شورش کوئی انتشاربرپاہےکوئی فساد درپیش ہے یالوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات درآئے ہیں توان کے ازالے کے لیےفوری طور پرتقریرکرنے کی بھی حاجت پیش آئے گی۔ایسانہیں کہ تقریر بالکل قابل ترک چیزہےوہ تقریر جومحض جوش وجذبہ کے اظہار کےلیےہوتی ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے،لیکن عوام کے شبہات کودور کرنے کے لیے اوران کی تعلیم واصلاح کے لیےتقریر کافریضہ آج بھی ہمارے اوپر عائدہوتاہے۔

یادرکھیں کہ تمام انبیاےکرام نےتقریروں ہی کے ذریعہ لوگوں کوسمجھایا ہے اور ان تک اپنے پیغام کو پہنچایاہےانھوں نےقلم کاسہاراکم لیاہے جیسے حضوراقدس ﷺ کودوردراز سلاطین تک پیغام پہنچاناہواتوقلم کاسہارالیااور خطوط لکھواکران تک پہنچائے گئے۔لیکن اکثرعوام کے دلوں میں اپنی بات اتارنے کے لیےاپنی زبان اور تقریرکاسہارالیناپڑتاہےاورانبیاےکرام نے یہی کیاہے، اس سے آج بھی ہم سبکدوش نہیں ہیں، یہ سنت بھی باقی رکھنا ہمارے لیے ضروری ہے۔ہاں دور دراز خطوں تک اپنی بات پہنچانی ہے اورزبان سےنہیں پہنچاسکتے

توقلم کا سہارا لینے کی حاجت پڑتی ہے۔

اگرکسی مخالف نےتحریر کےذریعہ کوئی بات پیش کی ہے اورتحریری شکل میں ہی اس کو جواب دیناہے توتحریرمیں آپ کےاندرکمال ضروری ہے کیوں کہ تحریردیر پاہوتی ہے محفوظ بھی رکھی جاتی ہے،سنی سنائی بھی جاتی ہے۔

اورآج توزبانی تقریر کومحفوظ کرنے کے بہت سےآلات ایجاد ہوچکے ہیں اس لیے آج بولنے والابھی بہت بےپرواہوکرنہیں بول سکتاکہ جوچاہے کہ جائے اور جیسے چاہے ویسے کہ جائے کیوں کہ تقریروں کوقید کرلیاجاتاہے اور پھران کی زبان کی خامیاں، بیان کی خامیاں،سب پرکھی جاسکتی ہیں،اس لیے آج کی تقریربھی تحریرکی طرح ہوچکی ہے۔اگرچہ تحریر زیادہ قابلِ اعتباراورلائق توجہ قراردی جاتی ہےاوراس کے اثرات بھی دور رس ودیر پاہوتے ہیں۔

تقریر وتحریر سبھی کمالات طلبہ کوحاصل کرنا ضروری ہے،یہ نہیں ہونا چاہیے کہ جب کسی انعامی مقابلے کا اعلان ہوتو اسی وقت آپ قلم کو حرکت میں لائیں، روزانہ صفحہ دوصفحہ لکھنے کی عادت ڈالیں،کوئی ضروری نہیں کہ کوئی انوکھی تحریر معرض وجود میں آئے اوراس پر آپ کو بڑی شاباشی دی جائے۔

آپ محض مشق کے لیےایک دوصفحہ لکھتے رہیں کچھ زمانہ گذرنےکےبعد خود اس پرتنقیدی نگاہ ڈالیں کہ ہم نے جولکھاوہ کسی لائق ہےکہ نہیں،اس میں خامیاں کیا ہیں، خوبیاں کیا ہیں،آپ اس کوخود جانچنے کی کوشش کریں اورآگے مزید اپنی صلاحیت کو جلابخشنےکی کوشش کریں،اپنے اساتذہ کودکھلائیں صفحہ دوصفحہ کااگرمضمون ہےتودیکھنا دکھانا بھی آسان ہے۔جب دس بیس صفحات کامضمون آپ لکھ کرلائیں گےاوراساتذہ کودیں گے تووہ بھی کہیں گے اطمینان سے آنا،مہینے بھرکےبعد لے جانا،لیکن اگرایک دوصفحہ ہوتوچلتے پھرتے بھی دیکھ سکتے ہیں،اس طریقہ سے آپ کی مشق ہوتی رہے گی اور جب آپ کاقلم چل گیا تو

پھر لکھناآپ کے لیے دشوار نہیں ہوگا،جب مضامین اور موادآپ کے پاس اکٹھا ہوجائیں گے توبہت جلدآپ ان کوقید تحریرمیں لاسکیں گےاوراس کوپیش کرسکیں گے،عادت آپ کوڈالناچاہیے اوریہ کمال اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے، جن حالات سےآپ کونبردآزماہوناہے اورجن سے آپ کاسابقہ ہوناہے ان حالات کے لیے آپ کودورطالب علمی سے تیارہوجاناضروری ہے--- اسی طریقہ سےانتظامی صلاحیت کی بھی ضرورت پڑتی ہے،آپ کوکوئی ادارہ چلاناہے،کہیں ادارہ قائم کرنا ہے توکس طریقے سےادارہ قائم کیاجاتا ہے،کس طریقہ سے چلایاجاتاہےاورکیسے معاونین سےرابطہ کیاجاتاہے،اس کےبارےمیں آپ کوجانکاری ہوناضروری ہے۔

اسی طریقہ سے لوگوں سے مل جل کرکے کیسے ان تک اپنی بات پہنچائی جاتی ہےاورکس طرح انھیں عمدہ فکروعمل اوراچھے اخلاق سےآراستہ کیاجاتا ہے اس کے لیے لوگوں سے ملنے جلنے کاانداز اورطورطریقہ یہ بھی معلوم ہوناچاہیے۔ یہ آپ کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اگلی زندگی میں کن امورسے ہمارا سابقہ پڑناہےاورکس طرح ہمیں ان کے لیے تیار رہناچاہیے۔

طالب علمی کایہ مختصرسازمانہ جس کوآپ سمجھتے ہیں کہ یہ محض تفریح کازمانہ ہے اورگھرسےچھٹی ملی ہوئی ہے کہ جیسے ہم چاہیں گزارلیں،یہ ایسازمانہ نہیں ہےاسی زمانہ پرساری زندگی کامدارہے،اگریہ زمانہ آپ نے کامیابی کےساتھ گزارلیاتوآپ کی اگلی زندگی بھی کامیاب ہوسکتی ہےاوراگریہ زمانہ آپ نے لہوولعب میں گزاردیاتوپوری زندگی روناپڑے گااورکوئی آنسوپونچھنے والا بھی نہیں ملے گا۔اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو توفیق خیرسے نوازے۔

میں اپنےاحباب اورمنتظمین ادارہ کاپھر شکریہ اداکرتاہوں کہ انھوں نےاس ملاقات کاموقع فراہم کیا۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل وکرم سے نوازے۔ وآخر دعوانا أن الحمدللہ رب العالمین.

جشن یوم مفتی اعظم ہند(۱۴۳۶ھ)

جامعہ اشرفیہ مبارک پور

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم امابعد ! فاعوذبالله من الشیطان الرجیم بسم الله الرحمٰن الرحیم.

اِنَّمَایَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا[1] صدق الله العظیم. بعد درود۔

ہرسال کی طرح امسال بھی جماعت سابعہ کے طلبہ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے یوم مفتی اعظم کے انعقاد کا کام انجام دیا۔امام اہل سنت قدس سرہ سے ہم سب کی دینی وعلمی وابستگی ہے اوران کے شہزادے تاج داراہل سنت حضور مفتی اعظم ہند سے بھی ہماری وابستگی ہے خصوصًا اس لحاظ سے بھی کہ اس جامعہ کی بنیادانہی کے دست مبارک سے رکھی گئی تھی۔اور یہ درسگاہ کی بلڈنگ مکمل ہوجانے کے بعداس کاافتتاح بھی انہی کے ذریعہ درس بخاری شریف کے آغاز سے ہواتھا۔جتنے بھی ہمارے اکابراہل سنت ہیں وہ سب ہمارے محسن ہیں لیکن جوجتناقریب ہوتاہے اتناہی اس کاحق زیادہ ہوتا ہے۔حضور مفتی اعظم قدس سرہ ہم سے اس لحاظ سے بہت زیادہ قریب تھے کہ اشرفیہ تحریک کا انھوں نے پورا ساتھ دیا۔

سال گزشتہ مفتی مطیع الرحمٰن رضوی دام ظلہ سے جو مفتی اعظم کے بہت ہی عزیزمرید اورخلیفہ ہیں (ان سے) آپ نے سناتھاکہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ رمضان المبارک میں اپنے دارالعلوم مظہراسلام کا جو پوسٹر شائع کراتے تھے مہتمم

(۱)النساء آیت نمبر ۶۴

ادارہ حضرت ساجد علی خاں صاحب کی طرف سے ہواکرتا تھااوراس میں یہ اپیل ہواکرتی تھی کہ دارالعلوم مظہراسلام سے کوئی سفیر نہیں جاتاہے آپ لوگ اپنے چندے اس پتے پر بھیج دیاکریں۔لیکن بکس بناکرالگ سے خودحضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی طرف سے یہ اپیل ہوتی تھی کہ الجامعۃ الاشرفیہ ہمارادینی علمی ادارہ ہے اس کے لیے آپ حضرات تعاون کریں۔اپنے مدرسے کے لیے توصرف یہ تھاکہ ہماراکوئی سفیر نہیں جاتا،جوکوئی بھیجناچاہے اس پتے پر بھیج دے،لیکن جامعہ اشرفیہ کے لیے اسی پوسٹر کے اندر جو مظہر اسلام کاہے اپیل ہوتی تھی کہ اس کاتعاون کریں دنیا کے کسی مدرسے کے پوسٹر میں اُس زمانے میں بھی اور اِس زمانے میں بھی شاید آپ نہیں دیکھ سکتے کہ کسی دوسرے مدرسے کے لیے اپیل کی گئی ہو۔یہ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ تھے یہ جانتے تھے کہ جامعہ اشرفیہ سےکتناعظیم کام ہورہاہے اوریہ کتنی عظیم خدمات انجام دینے والاہےان کی نگاہ ولایت یہ محسوس کررہی تھی کہ یہ ادارہ ترقی کرےگااوراس سے دین کی اور ملت کی عظیم خدمات سرانجام ہوں گی،اس لیے وہ اپنےادارہ کے پوسٹرمیں اس کے لیے اپیل دیا کرتے تھے۔اس کی وجہ سے نہ صرف طلبہ پربلکہ ہم اشرفیہ کے تمام فارغین پر، جامعہ کے تمام ارکان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہےکہ ہم حضور مفتی اعظم ہند کاجشن اہتمام کےساتھ منعقد کریں۔

یہ کام ۱۹۸۸ءسے اس ادارے میں جماعت سابعہ کے طلبہ انجام دے رہے ہیں۔ہم سب کابوجھ انھوں نے ہلکاکیااورہم سب کی ذمہ داری انھوں نے اپنے طورپر اداکی اس لیے وہ ہم سب کی طرف سے مبارک باد کے مستحق ہیں کہ ہمارافریضہ انھوں نےاداکیااورہم اس کےاندر اپنی شرکت کوسعادت سمجھتے ہیں۔

ابھی مولانا سجاد عالم مصباحی کی تقریرآپ نے سماعت کی۔انھوں نے

جوبات کہی ہے کہ آج کے حالات کیاہیں اور دنیا میں کس طریقے کے نظام چل رہے ہیں اورکس طرح کی فکریں چل رہی ہیں،ان سب کا آپ کوسامنا کرنا ہے اوران سب کے مقابلے کے لیے تیاررہناہے جوبھی غیر اسلامی، غیرسنی اور غیر شرعی،غیر علمی تحریکیں ہیں ان سب کے مقابلے کے لیے آپ سب کو تیار رہنا ہے۔ سب سے پہلا کام توآپ کا یہ ہوناچاہیے کہ آپ اپنے نصاب تعلیم اورنظام تعلیم کے ساتھ اخلاص اوروفاداری برتیں یعنی پورے طور سےاس کی تکمیل کریں اور اس کے اوپر عبور اورمہارت حاصل کریں نہ یہ کہ نصاب سے بس یوں ہی گزر گئے کہ ایک تونصاب خود ہی محض استعداد پیدا کرنے کے لیے ہوتا ہے یہ کامل نہیں بناتا ہے بلکہ کمال کادروازہ کھولتا ہے۔ اب اس میں بھی آپ نے اخلاص نہیں برتا اور بہت ہلکے پھلکے طور پر کام چلادیاتواس سے آپ کےمستقبل میں دشواریاں پیداہوں گی۔اگر یہ زمانہ آپ نے غفلت میں گزارا تویقیناً آپ نےاپنےساتھ اخلاص نہیں برتاکہ جس مقصد کے تحت آپ داخل ہوئے،جومقصد لےکرآپ کےاعزانے،بڑوں نےبزرگوں نے بھیجااس مقصدکی تکمیل آپ نے نہیں کی اور سرسری طورپر آپ نے ظاہرکردیاکہ آپ نےتکمیل کرلی۔

توسب سے پہلی چیز تویہ ہوتی ہے کہ آپ اس نصاب کی تکمیل کریں اور اس پر عبورحاصل کریں،مہارت حاصل کریں پھر اگلے دروازے آپ کے لیے کھلتے چلےجائیں گے اوراس نصاب کے اوپرآپ کو عبورحاصل ہوگاتو آپ کسی جگہ جاکراحساس کمتری کاشکارنہیں ہوں گے۔مزید یہ ہےکہ آپ کےلیے خارجی غیردرسی مطالعہ کرناآج بھی ضروری ہےاورآئندہ بھی۔مطالعہ ہی سے ذہن کےآفاق وسیع ہوتے ہیں اورہرطرح کے علوم سے اورمعلومات سے انسان آراستہ ہوتاہے کسی بھی ماحول میں جانے سے پہلے اس ماحول سے بھی

آشنا ہونے کے لیے ہم کو معلومات کا ذخیرہ جمع کرنا ضروری ہے، ذرا واضح طور پر سن لیں کہ درسیات میں جو کچھ رکھا گیا ہے وہ تو رکھا ہی گیا ہے۔ علم عقائد میں آپ کو امام اہل سنت قدس سرہ کے رسائل اوران کی کتابوں کا مطالعہ کرنا ضروری ہے، علم فقہ میں پوری بہار شریعت کا مطالعہ کرنا ضروری ہے، اور جو داخلی باطل فرقے بنام اسلام چل رہے ہیں یہ ہر جگہ اہل سنت کے لیے درد سر ہیں اور طرح طرح کے حربوں سے لوگوں کا ذہن خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کے دفاع کے لیے بھی آپ کو مطالعہ ہی کے ذریعہ تیاری کرنی ہے اگرچہ بہت ساری چیزوں کا آسانی سے جواب دے سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ جو غیر مسلم دنیا کی طرف سے کوشش ہو رہی ہے اسلام کو پست دکھانے کے لیے اور مسلمانوں کو پست دکھانے کے لیے، ان کے مقابلے کے لیے بھی آپ کو تیار رہنا ہے اور مطالعہ کرنا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کو ہمیشہ یہ یاد رکھنا ہے کہ آپ ایک اسلامی دانش گاہ کے طالب علم ہیں اور دین اسلام کے ماننے والے ہیں۔ اسلام کا مطالبہ صرف علم ہی کا نہیں ہے کہ آپ اپنے دل و دماغ کے اندر معلومات کا عظیم ذخیرہ، اور عظیم سمندر جمع کرلیں بس کام پورا ہو گیا، نہ ہمارے اسلاف کا ان اداروں کی تاسیس سے یہ مقصد تھا کہ بڑے بڑے جالینوس اور بڑے بڑے فلاسفر پیدا کردیے جائیں بلکہ ان کو خاص علم دین کا اور امت مسلمہ کا نمائندہ پیدا کرنا مقصود تھا اور جس طریقے سے اسلام کے اندر علم کی ترغیب دی گئی ہے اس کو لازم اور فرض کیا گیا ہے اسی طریقے سے عمل کو بھی لازم کر دیا گیا ہے کہ جو کچھ آپ نے پڑھا ہے اور اسلام کے احکام کا جو مطالبہ ہے اس کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ سب سے پہلے تو علم ہونا چاہیے ایمانیات کا بھی، عملیات کا بھی، عقائد کا بھی اور احکام کا بھی پھر اللہ تعالیٰ کی جانب سے قرآن مقدس میں اور اس کی شرح احادیث رسول ﷺ میں، ہم سے کیا مطالبہ کیا گیا ہے۔ فرائض اور واجبات

ہمارے لیے کیا رکھے گئے ہیں اور حضوراقدس ﷺ کے اخلاق حسنہ اوران کی سنت کریمہ کیا تھی،ان سب کو جانتے ہوئےان کو عمل میں لانا بھی ہمارے اوپر ضروری ہوتا ہے اوراس کے ساتھ ہی ہم دین حق کی صحیح ترجمانی کرسکتے ہیں اورصحیح طورسے اپنے اسلاف کا ماضی لوگوں کے سامنے پیش کرسکتے ہیں اوراس جامعہ کے قائم کرنے والوں کی امیدیں برآہوسکتی ہیں۔

عالم اگرصحیح راستے سے ہٹاہواہے اوربے عملی کایابدعملی کاشکار ہے توہر شخص اس کو محسوس کرلیتاہے۔

علم آپ کا کتنازیادہ ہے ؟یاکتناکم ہے؟اس کو جاننااورمحسوس کرناتوسب کے بس کی بات نہیں،لیکن عمل آپ کا کتناہے یہ توہرچلتا پھرتاآدمی سمجھ لیتا ہے اور جان لیتاہے۔دوسرا جانے یانہ جانےخود ہم رب العالمین کے حضورہروقت حاضرہیں اوروہ ہروقت ہمیں دیکھ رہاہےاوراسی کےلیے ہمیں ہروقت اس کے احکام کی پابندی بھی کرنی ہے ہم چاہے بازار میں ہوں،چاہے گھر میں ہوں، خلوت میں ہوں یاجلوت میں رب العالمین سے کبھی بھی ہم بچ نہیں سکتے ہیں نہ اس کی گرفت سےآزاد ہوسکتے ہیں۔اس اعتقاد کو مضبوط رکھتے ہوئےہمارے اوپرفرض ہوتاہےکہ ہم اس کےاحکام سے کبھی بھی سرتابی نہ کریں اوراگرہم نےاس کےاحکام سے سرتابی کی توآخرت میں جوعذاب ہے وہ توہےہی دنیاوی طور پربھی ہماری گرفت ہوگی۔

ہم نےاپنےاسلاف سے بھی سرتابی کی اوران کی امیدوں پرپانی پھیرا اور جس جامعہ کے اندرہم نےداخلہ لیاہے اس جامعہ کےمقاصد کوبھی پامال کیا اس جامعہ کامقصدمحض فلاسفر پیداکرنانہیں ہے بلکہ عالم باعمل پیداکرناہے، تو اس لحاظ سے ہمارے اوپرضروری ہوتاہے کہ عملی طورسے بھی ہم دوسروں کےلیے نمونہ بنیں اگرعالم بہکاہواہےنماز کے وقت، جماعت کےوقت غافل

ہے یابات بات پر جھوٹ بولتایاطرح طرح کی بے جا ترکیبیں کرتاہےاور طرح طرح کے فریب کرتاہے یاکسی قسم کی بداخلاقی کاشکارہےتودوسرے بھی بہک سکتے ہیں کہ یہ صاحب جب غافل ہیں توہمارے غافل ہونے میں کیاہے۔آپ یہ نہ سمجھیں کہ علماہی آپ کو براسمجھیں گےیاصلحاہی آپ کو براکہیں گے، جو بےنمازی ہے وہ بھی آپ کوبراسمجھے گاکیوں کہ ایک مسلمان یہ محسوس کرتا ہےکہ بھائی میں توآوارہ ہوں، بدعمل ہوں یہ شخص توہمارانمائندہ ہے،ہمارے دین کا عالم ہے، یہ کیوں بہکاہوا ہےاور یہ کیوں راہِ راست سےہٹاہواہے اور یہ کیوں نمازکے وقت میں اورجماعت کے وقت میں غافل ہے؟ یہ صحیح عالم نہیں ہے۔میں نے کہاکہ عمل کوہرشخص محسوس کرلیتاہےتوجوشخص براہے، جو آوارہ ہے وہ بھی آپ کوبراسمجھے گاکہ میں براہوں اس وجہ سےکہ جاہل ہوں اورمیں نے ادارے میں تعلیم حاصل نہیں کی ہے میں نے اساتذہ سے تربیت حاصل نہیں کی ہے،میرے گھر والوں نے،میرے ماں باپ نےمجھ کوتربیت نہیں دی۔اس لیے میں بہکاہواہوں،لیکن یہ جس کوگھرسےلےکرمدرسہ تک مدرسہ سے لے کرمسجد تک ہمہ وقت تعلیم وتربیت دی جاتی رہی یہ کیوں راہ راست سے ہٹاہوا ہے۔ تواس کا بھی محاسبہ کرنا،اس کابھی جائزہ لیناآپ کے اوپر ضروری ہے۔

آپ اگرماحول کی سرزنش سے بچ گئے،ماحول کی سزاسے بچ گئے تورب العالمین کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔رسول اللہ ﷺکی نگاہ سے نہیں بچ سکتے۔سرکاردوعالم ﷺنےارشادفرمایا"قرۃ عینی فی الصلوۃ" نماز میرے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔توسرکار دوعالم ﷺ کےحکم کے خلاف چل کرکےآپ نے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک نہیں پہنچائی بلکہ آپ نے ان کی آنکھوں کوتکلیف پہنچائی اس طورسےجب خودضمیربیدارہوگا،دل بیدار ہوگا،عقل بیدار ہوگی اوراس پرآپ غورکریں گے کہ ہم کس لیےآئےہیں اورکیاہمیں کرناہے؟بلکہ عمل کا معاملہ

تومحض اسلام سے وابستگی کے بعد ہی ہمارے سر آجاتاہے کہ جب رب العالمین نے انسانوں کی تخلیق فرمائی ہے توان کے سر یہ ذمہ داری رکھ دی ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ [1] میں نے جن وانس کومحض اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔اب انسان کسی مدرسہ میں داخلہ لےیانہ لے، چاہے کاشتکار ہویاتجارت کارہویااور کسی صنعت وحرفت سے لگاہوا ہو،اگراسلام سے وابستہ ہےتواللہ کےفرمان کی بجاآوری اوراس کے احکام پرعمل کرنا اس پر فرض ہوجاتاہے۔اس کے بغیر وہ کامل مسلمان نہیں ہوسکتاہے تویہ ایک عام مسلمان کا فریضہ ہے۔اگرسندیں حاصل کرنے کے بعد عالمیت اور فضیلت کے درجات طےکرنے کے بعد بھی آدمی ایک فرض عام سے غافل ہے تووہ کتناپست اورکتنا گراہواہے جبکہ اسلام میں کوئی ایساحکم نہیں ہے جوانسان کی وسعت سے باہر ہو"لَايُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا اِلَّاوُسْعَهَا [2]"آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کےکتنے بھائی ہیں نمازاورجماعت کی پوری پابندی کرتےہیں اس سے ثابت ہوتاہے کہ یہ ہمارے لیے بھی یہ کوئی مشکل نہیں ہے۔

اسی طریقے سےہمارےبہت سےبھائی اخلاق حسنہ کےپابندہوتے ہیں اوراب تواخلاق کے معاملے میں دوسرے بھی ہم سے بڑھتے جارہے ہیں۔ یورپین سے کوئی شخص یورپ میں جاکراگرکسی یورپین سے آپ نے پوچھ لیاکہ فلاں جگہ کاراستہ کیسے ہے تووہ کوشش کرے گاکہ خودہی منزل تک پہنچادے اوراگر اس کی فرصت نہیں ہےتوراستہ آپ کواتنی دلچسپی سے بتائےگاکہ آپ پوری طرح سمجھ جائیں اس کےبغیر چھوڑے گا نہیں۔ہمارے یہاں اگرکوئی نووارد آگیاتوہمیں مطلب ہی نہیں کہ کیاہے کیساہے؟کہاں جاناہے اس کو؟اس سےمطلب ہی نہیں ہوتاہے۔سلام کرنےکی رسول اللہ نےتعلیم دی "افشوا

(۱)الذاریات۵۱آیت نمبر۵۶
(۲)البقرہ۲آیت نمبر۲۸۶

السلام" ارشاد فرمایا کہ سلام کو پھیلاؤ۔لیکن ہمارے معاشرے میں اس کی کمی نظر آتی ہے، جواخلاق خود ہمارے تھے وہ دوسروں میں بڑھتے چلے جارہے ہیں اورہم اپنی تعلیمات سے غافل ہوتے چلےجارہے ہیں۔ ہم جب تک ان ساری چیزوں کو نہیں اپنائیں گے تب تک ہم نہ صاحب کمال ہوسکتے ہیں اور نہ ہمارا شمار دنیاکے بلند لوگوں میں ہوسکتا ہے۔ ایک توآپ کواپنے وقت کو مصرف میں لاناہےاورہرقسم کی بیکاری سے، فضولیات سے اپنے آپ کو بچاناہے اور ہرقسم کی ایسی صحبت سے جو ہمیں بیکاری کی طرف مائل کرتی ہو،فضولیات سے وابستہ کرتی ہو،اس سے اپنے آپ کوبچانا ضروری ہے۔ورنہ وقت گزرجانے کے بعد افسوس کرناکارآمد نہیں ہوگااور محض افسوس ہی افسوس ہاتھ آئے گا،زمانہ ہاتھ سےنکل چکا ہوگا۔اس لیے آپ کو اپنے اوقات کو اپنے مقصد عزیز کی خاطر صرف کرناہے۔اورجب اس طورپرآپ اپنے مقصدکی خاطرلگیں گے اور اپنے علم کو کامل کریں گے،اس کے مطابق عمل بھی کریں گے توآپ کےلیے کامیابی کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے۔اور بہت سےوہ علوم بھی آپ کو حاصل ہوسکتے ہیں جو پہلے آپ کو حاصل نہیں تھے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں سرکار کا ارشادہے:

’’**من عمل بماعلم اورثه الله علم مالم يعلم**" جو اپنے علم کے مطابق عمل کرےتورب العزت اس کو ان باتوں کابھی علم عطافرمادیتاہے جن کو وہ پہلے نہیں جانتاتھا۔

علم پرعمل کے بعد دنیوی طور پر بھی کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں اور روحانی طور پر بھی بہت سے علوم کے دروازے کھلتے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے:

وَلَوْاَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْاوَاتَّقَوْالَفَتَحْنَاعَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ[1]

---

(۱)النساءآیت نمبر۶۴

اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان کے اوپر آسمان وزمین کی برکتیں کھول دیتے۔

یہ عمل آپ کے لیے ہر طرح سے نفع بخش وسودمند ہے اوراس سے بھاگنا آپ کے لیے ہر طرح سے ضرر رساں اور خسارے کا باعث ہے۔لائق تحسین ہیں وہ جوعلم وعمل دونوں سے حظِّ وافراٹھانے کے لیے کوشاں ہیں اور قابل مبارک باد ہیں وہ جو بگڑے ہوئے ماحول اور نامساعد حالات میں بھی دین حق اور شریعت طاہرہ پراستقامت کی دولت سے بہرہ مند ہیں۔سرکار کا ارشاد ہے:

من تمسّك بسنتي عند فسادامّتي فله اجر مأة شهيد. ”جو میری امت کے بگاڑ کے وقت میری سنت کو مضبوطی سے تھامے رہے اس کے لیے سو شہیدوں کا اجر ہے“۔

رب العزت ہم سب کو توفیق خیر سے نوازے۔وماعلينا الا البلاغ المبين.

تعارف امام احمد رضا محدث بریلوی

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم امابعد ! فأعوذبالله من الشیطان الرجیم. بسم الله الرحمٰن الرحیم.

أُولَٰٓئِكَ كَتَبَ فِى قُلُوبِهِمُ ٱلْإِيمَٰنَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ [1] صدق الله مولینا العظیم.

ایک باردرود شریف پڑھیں۔اللّٰھم صل علٰی سیدنامحمدٍافضل صلوٰتک

امام احمدرضاقدس سرہ کی خدمات کا باب بہت ہی وسیع وعریض ہے۔امام احمدرضاقدس سرہ کی حیات وخدمات کے تعلق سے پروفیسرمولانامسعوداحمد مجددی نے ایک خاکہ تیارکیاہے جس کی روسے اعلیٰ حضرت کی حیات وخدمات کاتعارف ۱۵رپندرہ جلدوں میں مکمل ہوگا اورہرجلدتقریبًا پانچ سوصفحات پر مشتمل ہوگی لیکن اب تک کسی بھی اکیڈمی یاادارہ نےاس جانب پیش قدمی کی ہمت نہیں کی ہے۔حقیقت میں وہ ایک بحرذخارتھےاورانھوں نے اپنی تصانیف کی شکل میں ایک عظیم سرمایہ امت کےلیے چھوڑاہےجس کے اوپر صدیوں تک تحقیق وتدقیق ہوتی رہے گی۔انھوں نے مختلف سمتوں میں کام کیا ہے اورہرجہت سے ان کی شخصیت امتیازی شان لیے ہوئے نظرآتی ہے۔میں پہلے ان کے بچپن کاحال ذکرکرتاہوں جب امام احمدرضاقدس سرہ نے قاعدہ بغدادی شروع کیا، قاعدہ بغدادی پڑھنےوالے کی بساط ہی کیا ہوتی ہے اورذہن وفکرکی جولانیت ہی کتنی ہوتی ہے لیکن اعلیٰ حضرت کے ذہن وفکرکودیکھیے جب ۔ا۔ب۔ت۔ث۔ پڑھتے پڑھتے ”لا“(لام الف)پرپہنچےاوراستاذ نے کہالام

---

(۱)المجادلۃ۵۸آیت نمبر۶۴

الف تو رک گئے اور کہا یہ تو میں نے پڑھ لیا ہے۔الف بھی پڑھ لیا ہے،لام بھی پڑھ لیا ہے۔ اس وقت اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے دادامولانا رضاعلی خان موجود تھے انھوں نے فرمایا بیٹا جیسے استاذ بتا رہے ہیں ویسے پڑھو، لیکن آپ نے توقف کیا اور داداجان کی طرف دیکھتے رہے پھر داداجان نے فرمایا۔تم نے پہلے جو پڑھا ہے حقیقت میں وہ ہمزہ ہے جو شروع میں آتا ہے اور متحرک ہوتا ہے۔اور دوسرا والا الف ساکن ہے جو ساکن ہوتا ہے اس کو تنہا نہیں پڑھا جاسکتا اس لیے اس کو لام کے ساتھ ملاکر رکھا گیا ہے یہاں تک ان کو داداجان مولانا رضا علی علیہ الرحمۃ نے سمجھادیا۔ آپ غور فرمائیے قاعدہ بغدادی پڑھنے والا اس طرح کے اعتراض نہیں کرسکتا۔آپ نے قاعدہ بغدادی پڑھنے والے بہت سے بچوں کو دیکھا ہوگا مگر کبھی نہیں سنا ہوگا کہ اس طرح کا اعتراض کیا ہو۔لیکن امام احمد رضا اس جواب پر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ جب دوسرے حرف کے ساتھ ملا کر ہی الف کو پڑھا جاسکتا ہے تو پھر الف سے پہلے لام ہی کو کیوں رکھا کسی بھی حرف کو رکھ سکتے تھے مثلاًب کے ساتھ رکھتے تو ”با“ ہوجاتا، ت کے ساتھ رکھ دیتے تو ”تا“ ہوجاتا کسی بھی حرف کے ساتھ رکھ سکتے تھے اس سوال کو سننے کے بعد داداجان نے ان کو گلے سے لگالیا اور فرط مسرت سے ان کی پیشانی چوم لی اور فرمایا تمہارا سوال بجا ہے لیکن الف سے پہلے لام کو اس لیے ملایا کہ الف اور لام میں صورتًا اور معنًا بہت مشابہت ہے۔اس کے علاوہ کسی اور حرف کے ساتھ مشابہت نہیں اس لیے سارے حروف کو چھوڑ کر لام کے ساتھ الف کو رکھا گیا۔صورتًا مشابہت دونوں میں اس طرح ہے کہ جس طرح لام لکھا جاتا ہے ویسے ہی الف بھی لکھا جاتا ہے ”لا“ لکھا جائے تو اس میں ل اور الف دونوں کی صورت یکساں نظر آئے گی اور معنیً مشابہت اس طرح ہے کہ جب الف لکھا جاتا ہے تو اس کے بیچ میں لام آتا ہے۔ اور جب لام لکھا جاتا ہے تو اس کے

بیچ میں الف آتا ہے۔یعنی الف کاقلب لام ہے اور لام کاقلب الف ہےاسی وجہ سے اس کو لام کے ساتھ رکھا گیاہے یہ آپ کے پہلے سبق کاواقعہ ہے جو ان کی امتیازی شان کو واضح کرتا ہے کہ عام بچوں کی افتادطبع اور انداز فکرسےان کامقام کتنابلند وبالاتھا۔صرف رٹائی ہوئی چیزکورٹ لینا اوراستاذ سے سنی ہوئی چیز کوسنا دینا یہ ان کاکام نہیں تھا بلکہ اس کےساتھ ساتھ غورکرنا، فکرکرنا اورحقیقت کوسمجھ لینا ان کا پہلے دن سے ہی معمول تھا،اس طرح انھوں نے تحصیل علم کی اورکسی بھی کتاب کو مکمل سبقًا سبقًا پڑھنےکی ضرورت پیش نہیں آئی۔ تہائی چوتھائی کتاب پڑھاکرتے تھے۔بقیہ اپنے مطالعہ سے حل کرتے تھے۔

اب طلبہ کا یہ حال ہے کہ تہائی چوتھائی کتاب پڑھتے ہیں اور اس کی بھی خبر نہیں رہتی کہ کیا پڑھا ہے اورآگے کے بارے میں توسوچتے بھی نہیں ہیں کہ آگے کیامضامین ہیں اور مصنف نےکیا بیان فرمایا ہے۔یہاں تک کہ ابتدائی فن کی کتابیں نحووصرف جن کے بغیر نہ عربی زبان پڑھی جاسکتی ہےنہ سمجھی جاسکتی ہے۔ان کاحال یہ ہےکہ معمولی قواعد پڑھ لیتے ہیں تہائی چوتھائی یا نصف۔میں سب کو نہیں کہتاکہ سب ایسے ہی ہیں لیکن بہت سے ایسے ہیں جنھوں نےقواعد کی بھی تکمیل نہیں کی ہے اور ان کو فکربھی نہیں ہے کہ ہم قواعدکومکمل کرلیں تاکہ ہم عربی زبان کوپڑھنے اورسمجھنے کےلائق ہوجائیں۔ایک طالب علم کےلیے ان قواعد کےبغیرعربی پڑھنا لکھنا بولنا تقریبًا محال ہے لیکن اعلیٰ حضرت قدس سرہ کایہ حال ہے کہ اہم سے اہم کتاب ہومشکل ترین کتاب ہوچند اوراق پڑھا کرتے۔ اس سے مصنف کاانداز اورطرزتحریرمعلوم ہوجاتاتھا اور بقیہ کتاب کوخودمطالعہ کرکے حل کرلیا کرتےتھے یہ ان کامعمول تھا۔ اس شان سے انھوں نے تحصیل علم کی ہے اوراس طریقہ سے پڑھائی کی ہے۔ اس کے اندربھی ان کاتفردوامتیازنمایاں ہے۔تحصیل علم سے فراغت

کے بعد ہی دارالافتا کی ذمہ داری سنبھالی اور فتویٰ دینے لگے۔

۱۲۸۶ھ میں ان کی فراغت ہوتی ہے تیرہ سال اور دس مہینے کی عمر ہوتی ہے۔ فراغت کے بعد خدمت افتاان کے سپرد ہوجاتی ہے لیکن ان کا معمول یہ تھا کہ جو بھی فتویٰ لکھتے تھے والد ماجد کو ضرور دکھاتے اور بغیر دکھائے ہوئے اس کو جاری نہیں کرتے تھے سات سال تک ان کا معمول رہااس کے بعد والد ماجد نے کہاکہ اب دکھلا نے کی ضرورت نہیں ہے بغیر دکھائے کہیں بھی فتویٰ جاری کردیاکرو۔لیکن اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں میں نےان کی حیات تک کبھی انھیں دکھائے بغیر کوئی فتویٰ جاری نہ کیا۔

ایک مرتبہ رام پور سے ایک سوال آیا۔سوال ایک نواب کے دربار سے آیا تھا جب سائل مولانا نقی علی علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں پہنچے توآپ نے فرمایا وہاں کمرے میں مولانا بیٹھے ہوئے ہیں ان کوجاکراستفتادےدو،وہ صاحب کمرے میں گئے اورواپس آئےاور کہاکہ وہاں کوئی مفتی صاحب نہیں ہیں۔ایک صاحب زادے بیٹھے ہوئے ہیں۔والد ماجد نے کہاجو بھی ہواس وقت خدمت افتاانہیں کے سپردہے،انہیں کوجاکردےدو۔انھوں نے مجبور ہوکران کودیا۔اعلیٰ حضرت نے اسے دیکھاتوپہلے ہی سےاس کاجواب لکھاجاچکاتھایہ مولاناارشادحسین رام پوری علیہ الرحمۃ نے لکھا تھا اتفاق سے وہ جواب صحیح نہیں تھاپھر اعلیٰ حضرت نے سوال کودیکھا اورالگ سے اپناجواب لکھا جواس کے برخلاف تھا غالبًا مسئلہ یہ تھاکہ نماز میں امام کی متابعت واجب ہے،یعنی امام کی پیروی کرناضروری ہے۔ مثلاً کوئی شخص درود شریف پڑھ رہاہےاورابھی درود شریف ختم نہیں کیاکہ امام نے سلام پھیردیا توامام کی متابعت واجب ہے یعنی متابعت میں یہ بھی سلام پھیرے گا۔ کوئی شخص رکوع میں گیاہواہےاور تسبیح تین بارنہیں پڑھی ہے توسنت کاعمل پورا نہیں ہوا امام نے رکوع سے سر اٹھالیاتومقتدی بھی سراٹھالے گایہ مسئلہ تو واضح

ہے۔اس میں کچھ تفصیل بھی جسے ترک کرتاہوں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ سوال ہے کہ امام نے اگرکوئی خلاف اولیٰ کام کیاتومقتدی اس کی متابعت کرے گایا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ لکھاہواتھاکہ چونکہ امام کی متابعت واجب ہے اور خلاف اولیٰ سے نماز میں کوئی نقص بھی نہیں آتاہے لہٰذا مقتدی بھی اس کی متابعت کرے گا--مگر اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے جواب دیاکہ کسی بھی خلاف اولیٰ میں امام کی متابعت نہیں کی جاے گی جوسنت ہے اس میں امام کی متابعت ہوگی یا جوواجب ہے اس میں امام کی متابعت واجب ہوگی یا جوفرض ہے اسمیں متابعت فرض ہے لیکن یہ کہ قصداً وہ کسی خلاف اولیٰ کا ارتکاب کرے اس میں اس کی متابعت کی جائے یہ مقتدی کے ذمہ نہیں ہے یہ جواب ۱۲۹۴ھ کاہے جوفتاویٰ رضویہ شریف میں چھپاہوا ہے۔میراانداز ہ ہے کہ ریاست رام پور کایہی وہ فتویٰ ہےجس کاذکرملک العلماءمولاناظفرالدین بہاری علیہ الرحمۃ نےحیات اعلیٰ حضرت میں کیا ہے۔اعلیٰ حضرت نےاس کوتفصیل سے لکھاہے۔جب آپ نے جواب لکھ دیا اوروالد ماجد نے تصدیق کردی اس کے بعدوہ فتویٰ رام پور پہنچا،رام پور پہنچنے کے بعد نواب صاحب نے دیکھا کہ ایک طرف مولانا ارشاد حسین رام پوری کافتویٰ ہےجس کے اوپرکثیر علماکی تصدیقات ہیں اوردوسری طرف بریلی کاایک فتویٰ ہےجس کےاوپرصرف دوصاحبان کے دستخط ہیں ایک مفتی کےاوردوسرے تصدیق کرنےوالےکے۔ اس پران کوتعجب ہوالیکن مولاناارشادحسین رام پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت ہی جید اور بہت ہی بےنفس عالم دین تھے انھوں نے فرمایاکہ فتویٰ وہی صحیح ہے جوبریلی کاہے ان کی بےنفسی یہ تھی کہ انھوں نےاپنی قدر ومنزلت کی پرواہ نہیں کی اور حق کااظہار کرتے ہوئے فرمایاکہ فتویٰ وہی صحیح ہے جو ان دوحضرات کےدستخط سےآیاہے تونواب نے پوچھا اتنے کثیر علمانے آپ کی تصدیق کیسے کردی تو کہاکہ صرف

میرے اعتماد کی بنیاد پر کردی دلیل کی رو سے وہی فتویٰ صحیح ہے جو بریلی سے آیا ہے اس کی وجہ سے نواب کے دل میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی عظمت بیٹھ گئی اور دیدار کے بڑے آرزو مند ہوئے یہاں تک کہ اعلیٰ حضرت کو رام پور آنے کی دعوت دی اتفاق سے اعلیٰ حضرت کے خسر جو تھے وہ نواب کے دربار میں کسی خدمت پر مامور تھے ان سے ذکر کیا انھوں نے کہا کہ وہ تو اپنے ہیں وہ آسکتے ہیں۔ جب آپ رام پور پہنچے تو نواب نے بیٹھنے کے لیے چاندی کی کرسی پیش کی، اعلیٰ حضرت نے برجستہ فرمایا کہ چاندی کا استعمال مرد کے لیے حرام ہے تو نواب صاحب سکتے میں آگئے بہرحال لکڑی کی کرسی لائی گئی او راس پر آپ بیٹھے۔ اعلیٰ حضرت کا ابتدائی دور اس طرح سے گزرا ہے اور اس طرح سے انھوں نے فتویٰ کی خدمت انجام دی، افتا کا کام اعلیٰ حضرت کے خاندان میں ہوتا آیا ہے پہلے آپ کے والد جد امجد اور والد ماجد نے کیا اور آپ کے بعد حضور مفتی اعظم نے کیا اور آج تک یہ جاری ہے اور وہاں سے افتا کی خدمت انجام دی جارہی ہے۔

مشکل اُس وقت ہوتی ہے جب کوئی نیا مسئلہ درپیش ہوتا ہے جس کی نظیر ماضی میں نہیں ہے نئے مسئلے کا جواب کیا ہوگا، اس کا حل کیا ہوگا۔ اس کو حل کرنا اور دلائل سے ثابت کرنا اہم کام ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ اس بارے میں بھی اپنی نظیر آپ ہیں جب وہ دوسرے سفر حج پر گئے تھے اس وقت نوٹ کی ایجاد ہوچکی تھی۔ اس سے پہلے چاندی کے سکے چلتے تھے یا سونے کی اشرفی چلتی تھی دینار ودرہم کا زمانہ تھا لیکن نوٹوں کی ایجاد نہیں ہوئی تھی جب نوٹ کی ایجاد ہوئی تو اس سے بہت سے سوال پیدا ہوئے کہ یہ مالیت رکھتا ہے کہ نہیں رکھتا ہے۔ اس کی بیع ایک نوٹ سے دو نوٹ کی ہوسکتی ہے یا نہیں۔ ایک نوٹ ہزار میں بیچا جاسکتا ہے یا نہیں۔ تقریباً تیرہ سوالات علماے مکہ مکرمہ نے تیار کیے۔ اس زمانہ سے بہت پہلے

مولاناجمال بن عبداللہ بن عمر حنفی مفتی حنفیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نوٹ کے متعلق سوال ہوچکاتھایہ حدیث وفقہ میں امام احمد رضا قدس سسرہ کے استاذالاستاذ تھے۔جب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ پہلی بار ۱۲۹۵ھ میں حج کے لیے گئے تھے تواُس وقت کے اکابر علماے حرمین سے حدیث وفقہ کی سندیں لی تھیں،انہیں میں سے کسی سند کے اعتبار سے شیخ جمال بن عبداللہ علیہ الرحمۃ اعلیٰ حضرت کے شیخ الشیخ ہوتے ہیں۔ان سے جب نوٹ کے متعلق سوال ہواتھاتوانھوں نے صرف اتناجواب دیا تھاکہ مسئلہ نیاہے اورعلم،علما کی گردنوں میں امانت ہے انھوں نےمسئلہ کا حل تحریرنہیں فرمایا بلکہ یہ ظاہر کردیاکہ مسئلہ نیاہے گذشتہ کتابوں کےاندراس کی صراحت نہیں ملتی ہے۔اب حقیقی جواب اس کا کیا ہونا چاہیے یہ علما کی گردنوں میں امانت ہےلیکن اعلیٰ حضرت قدس سرہ نےان سوالات کا تفصیلی جواب عطافرمایااورپوراایک رسالہ وہیں مکہ مکرمہ کی حاضری کے زمانے میں کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم کے نام سے تحریرفرمایا۔اس زمانے میں ایک مفتی حنفیہ تھےشیخ عبداللہ بن صدیق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ ایک زبردست عالم تھے اوراس وقت مفتی حنفیہ ایک منصب کی حیثیت رکھتاتھا چونکہ اس وقت ترکوں کی حکومت کازمانہ تھا توسلطان کے بعد شریف مکہ ہوتاہے جوحرمین کاپوراحاکم ہواکرتاتھااور شریف مکہ کےبعد مفتی حنفیہ کا منصب ہواکرتاتھا اس وقت مفتی حنفیہ شیخ عبداللہ بن صدیق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کازمانہ تھاانھوں نے اعلیٰ حضرت سے ملاقات کااشتیاق ظاہرکیالیکن اعلیٰ حضرت کاقیام مولانااسماعیل خلیل مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کےگھرتھا، قاصد آیا تواعلیٰ حضرت نے چاہا جواب یہ دیں کہ میں حاضر ہوتا ہوں لیکن مولانا اسماعیل خلیل مکی نے فرمایا یہ کبھی نہیں ہوگا۔بڑے بڑے علما جوان سےزیادہ علم والے اورعمر والے ہیں وہ خود یہاں آئیں، وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان سے ملاقات کے لیےجائیں اورقسم کھاکے کہا واللہ یہ نہیں ہوگا،اعلیٰ

حضرت فرماتے ہیں میں ان کی قسم کی وجہ سے مجبور ہوگیااور نہیں گیا۔لیکن واقعہ یہ پیش آیاکہ اعلیٰ حضرت کا رسالہ كفل الفقيه الفاهم في احكام قرطاس الدراهم کتب خانہ میں نقل کے لیے رکھاہواتھا۔

ایک دن ایسا ہواکہ مفتی حنفیہ شیخ عبداللہ بن صدیق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کتب خانے میں تشریف لائے اوراعلیٰ حضرت کا رسالہ کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم سامنے دیکھ کراس کا مطالعہ کرنے لگے،اسی دوران اعلیٰ حضرت بھی کتب خانے میں پہنچے۔شیخ عبداللہ صدیق رسالہ دیکھتے ہوئے فتح القدیر سے نقل شدہ اس عبارت تک پہنچے ''لو باع كاغذة بالف يجوز ولا يكره''(۱)

''اگرکوئی کاغذ ہزار کے عوض بیچاتوجائز ہے اس میں کوئی کراہت نہیں'' اس عبارت کودیکھ کروہ پھڑک اٹھے اوراپنی ران پرہاتھ مار کرکہا :"أين جمال بن عبدالله من هذا النص الصريح"یعنی حضرت جمال بن عبداللہ اس صریح جزئیہ تک کیوں نہ پہنچ سکے۔یہ اُس زمانے کے واقعہ کی طرف اشارہ تھاجب سابق مفتی حنفیہ شیخ جمال بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نوٹ کے بارے میں سوال ہوا تھا اور انھوں نے صرف یہ لکھاکہ"علم، علما کی گردنوں میں امانت ہے"۔

فتح القدیر سے نقل شدہ اس صریح جزئیہ کودیکھ کرشیخ عبداللہ صدیق رسالہ كفل الفقيه الفاهم في احكام قرطاس الدراهم کے مصنف کی عظمت کے معترف ہوگئے۔پھراسی دوران ان سے یہ کام ہواکہ انھوں نے کچھ لکھنا چاہااورکتاب کے اوپر دوات رکھ دی اعلیٰ حضرت وہاں موجود تھے۔انھوں نے کتاب سے دوات اتاردی پھر انھوں نے دوات رکھ دی پھر اعلیٰ حضرت نے اتاردی اس پروہ خفاہوگئے انھوں نے کہاکہ بحرالرائق میں کتاب الکراھیہ میں یہ جزئیہ موجود ہے کہ کتاب کےاوپردوات کا رکھنا جائزہے تواعلیٰ حضرت نےیہ

(۱)فتح القدیر کتاب الکفالۃ،ج:۱۶ص:۲۲۱

بحث نہیں کی کہ بحرالرائق کتاب الکراھیہ تک پہنچے بلکہ اس سے پہلے ہی ختم ہوجائے۔ فرمایابحرالرائق میں اس کی ممانعت کی صراحت موجود ہے اور جس وقت لکھ رہاہواورورق الٹ پلٹ ہورہاہواس وقت اس کی اجازت دی گئی ہے لیکن اِس وقت کوئی ورق نہیں الٹ رہاہےاورآپ لکھ بھی نہیں رہے ہیں اس لیے اس کی اجازت نہیں ہے بلکہ اس کی ممانعت کی صراحت ہے اب اُن کو اورزیادہ تعجب ہوا اورانھوں نے ایک دوسرے صاحب سے پوچھایہ کون ہے انھوں نے کہا یہی اس رسالہ کے مصنف ہیں جب انھوں نے یہ بات سنی توسننے کےساتھ فوراً اٹھے معانقہ کیااور تھوڑی دیر تک بیٹھ کررخصت ہوگئے۔

اعلیٰ حضرت کی شان افتایہ تھی کہ جدید مسائل پر بھی انھوں نے قلم اٹھایا ہے توسیر حاصل گفتگوکی ایسے مسائل جن سے دیگرعلما عاجز تھے اوران کا جواب نہیں لکھ سکے تھے ایسامسئلہ بھی ان کے سامنے پیش ہواہے توانھوں نے مکمل طورسے اس کاتفصیلی جواب رقم فرمایاہے۔انھیں میں سے ایک کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم ہے۔اس طرح کےکتنے رسائل ہیں جو انفرادی شان رکھتے ہیں۔

فلسفہ جو ہماری درس گاہوں میں پڑھا پڑھایا جاتاہے اس میں کچھ باتیں توصحیح ہیں اور کچھ باتیں قابل رد ہیں اور کچھ سراسر گمراہی اور مکمل ظلمت ہیں ان باتوں کو بھی پڑھا پڑھا یاجاتاہے لیکن ساتھ ساتھ ان کاردکرنا بھی ضروری ہوتاہے مثلاً فلاسفہ کا یہ خیال ہےکہ ”زمانہ کےلیے کوئی ابتدا اورانتہا نہیں ہے یہ زمانہ ازلی اورابدی ہے“اور ہماراعقیدہ ہے کہ ازلی اورابدی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اوراس کی صفات ہیں۔زمانہ کی یہ شان نہیں ہے تواس مسئلے میں ان کارد کرنا ضروری ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تَہافُتُ الفَلاسفۃ تحریرفرمائی تھی اس میں فلاسفہ کی اس طرح کی لغویات کا رد فرمایاتھا لیکن کچھ

مسائل تھے جن سے زیادہ تعرض نہیں کیا گیا تھا۔ جزء الذی لایتجزیٰ کے بارے میں فلاسفہ کا خیال ہے کہ یہ ہو نہیں سکتا اس کا وجود نہیں ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ جزء لایتجزی یہ ثابت ہے اس کے اوپر اعلیٰ حضرت نے دلائل قائم کیے ہیں اسی طریقے سے فلک کے بارے میں فلاسفہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ فلک کا پھٹنا، جڑنا محال ہے۔ اسی طرح کی بہت سی چیزیں ہیں جو اسلام سے متصادم ہیں۔ ان کا رد اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے دلائل کے ساتھ اپنی کتاب میں کیا ہے اور اس کتاب کا نام رکھا ہے الکلمة الملہمه فی الحکمة المحکمة لوھاء فلسفةِ المَشئمه یہ ان کی نادر کتاب ہے اعلیٰ حضرت نے فلسفہ جدیدہ بھی رد کیا ہے۔ موجودہ سائنس داں کہتے ہیں کہ ”زمین آفتاب کے گرد حرکت کرتی ہے“ پہلے تو سائنسداں یہ کہتے تھے کہ سورج ٹکا ہوا ہے اس کے اندر حرکت نہیں ہے لیکن پچاس ساٹھ سال پہلے ان کی یہ تحقیق ہوئی کہ سورج ٹکا ہوا نہیں ہے بلکہ ایک سمت میں بڑی تیزی سے چل رہا ہے بلکہ قرآن شریف نے بہت پہلے فرمادیا تھا:

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ [1]

اورسورج چلتا ہے اپنے ایک ٹھہراؤ کے لیے یہ حکم ہے زبردست علم والے کا۔

سائنس دانوں کے نظریات ایسے نہیں جو قابل رد نہ ہوں جو چیز یہ تحقیق ومشاہدے کی بنیاد پر بیان کرتے اور واقع کے مطابق ہے وہ تو قابل قبول ہے اوراس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے لیکن جہاں بات نظریے کی حد تک ہوتی ہے اور وہ محض ظن وتخمین سے بیان کرتے ہیں تو اس کا رد کیا جاسکتا ہے، اس پر غور کیا جاسکتا ہے کہ یہ چیز ہماری کتاب سے کہاں تک مطابقت رکھتی ہے احادیث

(۱) یاسین، آیت ۳۸

سے کہاں تک مطابقت رکھتی ہے اگر مطابق ہے توقبول کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر مخالف ہے تورد کیاجائے گا۔اس موضوع پر بھی اعلیٰ حضرت نے رسالہ لکھا۔قدیم فلاسفہ یہ مانتے تھے کہ آسمان متحرک ہے اور آسمان کی حرکت کے سبب سیارے بھی متحرک ہیں اس لیے سات سیارے مانے تھے کہ سات سیاروں کی حرکت سات آسمانوں کی حرکت کی وجہ سے ہواکرتی ہے۔اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت نےآیات قرآنی کی روشنی میں کتاب لکھی تھی "نزول آیات فرقان بسکون زمین وآسمان" یعنی آیات سے اس بات کاثبوت کہ زمین وآسمان ساکن ہے اورفلسفہ جدیدہ (سائنس)کی روشنی میں ان کےاِس نظریے کا ابطال کہ زمین حرکت کرتی ہے اس کےلیے ایک کتاب لکھی "فوز مبین دررد حرکت زمین"اوراس کے اندرایک سوپانچ دلائل سےثابت کیا کہ زمین متحرک نہیں ہے فلاسفہ کےگروہ میں بھی یہ نظریہ رہ چکاہے بعض اس کے قائل تھے کہ زمین متحرک نہیں ہےاور بعض اس کے قائل تھے کہ زمین متحرک ہے لیکن اعلیٰ حضرت نےقرآن کی روشنی میں اسی نظریے کو لیاہے کہ زمین ساکن ہے،آسمان ساکن ہے یاں سیارے حرکت میں ہیں۔قرآن شریف میں فرمایا گیاہے:

وَسَخَّرَلَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَدَآئِبَيْنِ (۱)

اور تمہارے لئے سورج اور چاند مسخّر کیے جو برابر چل رہے ہیں۔

دأب کامعنی ہوتاہےلگاتار کام میں رہناتو سورج،چاند یہ گردش کرتے ہیں اورحرکت میں ہیں یہ اعلیٰ حضرت نے اپنے رسالہ میں ثابت کیا ہے اوراس طریقہ کی بہت سی تحقیقات ان کی ہیں جوضبط تحریرمیں لائی گئی ہیں۔امریکہ کےاندریہ مسئلہ پیداہواکہ شمالی امریکہ کی سمت قبلہ کیاہے وہاں سے سوال

(۱)ابراہیم،آیت ۳۳

آیاتواعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس کے جواب میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا ''کشف العلۃ عن سمت القبلۃ '' یعنی سمت قبلہ کی حقیقت کیاہے اس کے بارے میں تحقیق۔اس کے اندرانھوں نے دلائل سے ثابت کیاہے کہ شمالی امریکہ کاسمت قبلہ کیا ہےاوراس کےساتھ ساتھ سمت قبلہ نکالنے کے لیےدس قواعد ایجادکیےاوراس کے لیے ایک فصل رکھی ہے **"ہمارے دس ایجادی قواعد کے بیان میں"** ان ایجادی قواعدکو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے شاگرد **ملک العلمامولانا ظفرالدین** بہاری علیہ الرحمۃ نے نے اپنی کتاب **''توضیح التوقیت''** میں نقل کردیاہے اور سمت قبلہ کےمتعلق خود اعلیٰ حضرت نےلکھا ہے کہ یہ قواعد اتنے درست ہیں کہ ان کے مطابق سمت قبلہ کا استخراج زمین کےکسی حصہ کا کیا جائے جبکہ طول وعرض صحیح نکالاجائے اورصحیح طورسےان قواعدکےمطابق استخراج کیاجائےتوقبلہ کی سمت اتنی درست نکلے گی کی حجابات اٹھادیے جائیں تو کعبہ سامنے ہوگا۔یوں توسمت قبلہ کا استخراج گذشتہ قدیم ہیئت کی کتابوں میں موجود ہے لیکن اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس فن میں بھی علما کی تحقیق پر اکتفانہیں کیا ہے بلکہ خود اپنے دس قواعد ایجاد کیے ہیں اور ان قواعد سے استخراج سمت قبلہ کاطریقہ بتایاہےاوراتناصحیح اوردرست اس کوبتایاہے کہ اگراس طریقہ سے استخراج کیاجائے توکوئی غلطی نہیں ہوگی۔اورقبلہ کی سمت اتنی درست نکلے گی کہ کعبہ سامنے ہوگا۔

ہرفن کےاندر اعلیٰ حضرت کا یہ طریقہ رہاہے کہ اپنی تحقیق کےبعد خود اپنے افادات کاذکرکرتےہیں جس کی وجہ سے نئی نئی چیزیں سامنے آتی ہیں اوردلائل کےباب میں بھی یہی حال ہےانھوں نے جمع بین الصلاتین کے موضوع پر کتاب لکھی ہے ہیں**''حاجزالبحرین الواقی عن جمع الصلاتین''** یہ نیامسئلہ نہیں بلکہ ائمہ کے درمیان مختلف فیہ رہاہے،امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک

دو نمازوں کو جمع کرنا جائز نہیں ہے مگر امام شافعی امام مالک کے یہاں امام احمد بن حنبل کے یہاں یہ جائز ہے۔اس کے دلائل بھی دیے گئے ہیں کہ

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا(۱)

”نماز مومنوں پر باندھاہوا فریضہ ہے“اور وقت نماز کے لیے ایک ابتدا اورانتہا رکھی گئی ہے،تواصل یہی ہے کہ ہرنماز کے لیے ایک وقت ہے اوراسی کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی تعلیم ہےاوراسی کے مطابق عمل بھی تھاکہ ہرنماز کو اس کے الگ الگ اوقات میں پڑھا جاتاتھااورکسی ایک وقت میں دو نمازوں کو پڑھناجائز نہیں مگر بعض احادیث کی وجہ سے کئی ائمہ اس کے قائل ہوئے کہ سفر میں ظہروعصرایک ساتھ اورمغرب وعشاکو ایک ساتھ پڑھناجائز ہے اس کی دوصورتیں ہیں۔ایک یہ کہ ظہرکواس کے آخروقت میں اورعصرکواس کے اول وقت میں پڑھیں۔دیکھنے میں معلوم ہوگا کہ دونوں نمازیں ایک وقت میں پڑھیں مگر حقیقت میں دونوں الگ الگ وقت میں ہوئیں۔اسے **”جمع صُوری“** کہتے ہیں۔دوسری صورت یہ کہ ایک نماز کے حقیقی وقت میں دوسری بھی پڑھی جائے، اس کی دو صورتیں ہیں۔جمع تقدیم اورجمع تاخیر،جمع تقدیم یہ کہ ظہر کے وقت ہی میں عصر کو بھی پڑھ لیا جائے اسی طرح مغرب ہی کے وقت میں عشا بھی اداکرلی جائے۔جمع تاخیر یہ کہ ظہر کاوت نکال کرعصرکےوقت میں ظہروعصردونوں پڑھی جائیں،اسی طرح مغرب کاوقت گزار کرعشاکےوقت میں مغرب وعشادونوں پڑھی جائیں۔جمع حقیقی کی یہ دونوں صورتیں حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں۔دیگر ائمہ جائز کہتے ہیں مگر جمع تقدیم کے بارے میں امام ابوداؤد شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خود لکھا یعنی جمع تقدیم کے بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اس کی پوری تحقیق کی ہے۔پہلے بھی اس موضوع

(۱)النساءآیت نمبر ۱۰۳

پر لکھا جاچکا ہے۔ مولانا ارشاد حسین رام پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے **انتصارالحق** میں اس کے اوپر بہت تفصیلی گفتگو کی ہے **حاجزالبحرین** میں ان تمام احادیث کو جمع کیا ہے جن سے مخالفین استدلال کرتے ہیں کہ جمع تقدیم وجمع تاخیر جائز ہے ان احادیث کی تاویل کیا ہے ان کا مطلب کیا ہے خاص طور پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث جس سے جمع حقیقی والے خاص طور سے استدلال کرتے ہیں۔ اس پر واضح بحث موجود ہے کہ ان کی حدیثوں میں سے ایسی روایات متعدّد ہیں جن میں یہ صراحت ہے کہ سفر کی ان کو جلدی تھی ان کی اہلیہ کی بیماری کی خبران کو ملی تھی اس لیے بہت جلدی سفر کررہے تھے اوراس وقت میں ایسا سفر کیاکہ وہ مغرب کے آخری وقت میں اترے اور نماز مغرب ادا کی اس کے بعد کچھ دیر انتظار کیا پھر عشا کا وقت شروع ہوگیا توانھوں نے عشا کی نماز ادا کی، توجہاں ان کی روایت میں لکھا ہے جمع المغرب والعشا تو خود شافعیہ کا یہ قاعدہ ہے کہ جہاں حدیث مفسرو مصرح ہووہاں مجمل کواسی پر محمول کیاجائے گا تو جب حدیثوں کے اندر یہ صراحت مل رہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے نماز مغرب پڑھی پھر انتظار کیا۔انتظار کرنے کے بعد جب عشاکاوقت شروع ہوگیا توعشاکی نماز ادا کی توجہاں مجملاً آیا ہے کہ مغرب وعشاکو جمع کیا اس سے جمع صوری مراد ہے جمع صوری کا مطلب یہ ہوتا ہے مثلاً ظہراس کے آخروقت میں اوراورذرادیربعدعصراس کے اول وقت میں پڑھی جائے،توصورتاًتویہ ہواکہ سفرکررہے تھے سفرکرنے کے درمیان اتر پڑے اترنے کے بعد دونوں نمازیں ایک جگہ بظاہر ایک وقت میں پڑھیں ہیں۔دونوں نمازیں پڑھنے کے بعد پھر اگلا سفر کیا مگر یہ صورتاًدونوں کوجمع کرنا ہے حقیقتاًجمع کرنا نہیں ہے بلکہ حقیقتاً ہرنماز کو اس کے وقت میں اداکرنا ہے ظہر کواس کے آخری وقت میں اداکیا اورعصر کواس کے اول وقت میں اداکیا یا مغرب کواس کے آخری وقت میں اداکیا اورعشا کو

اس کے شروع وقت میں ادا کیا اور مغرب کو اس طور پر موئخر کرنا کہ عشا کے وقت کے قریب پہنچ جائے یہ مسافر کے لیے جائز ہے صرف حضر کے اند ر مغرب کے وقت میں تاخیر مکروہ ہے۔اور ظہر وعصر کے اندر حضر میں بھی جمع ہوسکتا ہے صورتاً یعنی ظہر کو اس کے آخری وقت میں پڑھا جائے اور کچھ وقفہ دے کر فوراً عصر کا وقت شروع ہوتا ہے تو عصر کی نماز پڑھ لی جائے تو اس کے اندر کوئی کراہت نہیں ہے۔اس مسئلے پر اعلیٰ حضرت کا رسالہ ملاحظہ کریں کہ خود انھوں نے وہ تحقیقات پیش کیں جو اگلی کتابوں میں نہیں ہیں کیوں کہ یہ مسئلہ پہلے ہی سے مختلف فیہ تھا تو علماے حنفیہ نے اس پر سیر حاصل گفتگو کی ہے لیکن اعلیٰ حضرت نے ان باتوں کو لیتے ہوئے کچھ اپنے دلائل بھی پیش کیے ہیں خاص طور سے قرآنی آیات سے احادیث سے استدلال بہت عمدہ انداز میں کیا ہے، اسی طریقہ سے اس رسالہ کے اندر انھوں نے رجال حدیث سے بھی گفتگو کی ہے کیوں کہ اس سے پہلے میاں نذیر حسین دہلوی نے رسالہ لکھا تھا **معیارالحق** اس میں جہاں حنفیہ کے اور مسائل پر کلام کیا ہے انھوں نے اس پر بھی اصرار کیا ہے کہ جمع بین الصلاتین بھی سفر میں ہونا چاہیے یعنی حقیقی ہی جمع ہونا چاہیے جمع صوری کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔جمع صوری کے اثبات میں حنفیہ نے جو احادیث پیش کی ہیں ان احادیث کے رجال پر کلام کیا ہے۔بہت سے ایسے رجال جو صحیح ہیں ثقہ ہیں انھوں نے ان کو ضعیف قرار دیا اور ضعیف بتانے کے لیے بہت سی کارستانیاں کی ہیں اس رسالہ میں اعلیٰ حضرت نے ان کی پکڑ کی ہے اور بتایا ہے کہ انھوں نے صحیح احادیث کو کیسے کیسے ضعیف ٹھہرایا ہے۔

حدیث کے ماخذ میں دو طرح کی کتابیں ہیں۔ ایک تو وہ کتابیں ہیں جن کے اندر باقاعدہ محدث نے بیان کیا ہے حدثنا عن فلاں عن فلاں عن فلاں اور پوری سند حدیث ذکر کی ہے اور اس کے بعد کان رسول اللہ ﷺ یقول أو

یفعل کذا،باضابطہ سندوں کے ساتھ حدیثیں ذکرکی گئی ہیں اس طرح کی کتابیں ہی اصل ہیں۔ان میں صحاح ستہ بھی ہیں جن میں سندوں کے ساتھ حدیثوں کونقل کیاگیا ہے اورصحاح ستہ کے علاوہ بہت سی کتابیں ہیں۔دوسری وہ کتابیں ہوتی ہیں جن میں احادیث بغیر سندوں کے درج کرکے سندوالی کتب حدیث کے حوالے دے دیے جاتےہیں جیسے **مشکوۃ المصابیح** کہ **مشکوۃ المصابیح** کےاندر سندیں نہیں لکھی گئی ہیں لیکن اس میں رواہ البخاری اور رواہ **مسلم** اور متفق علیہ وغیرہ لکھ دیاگیاہے تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نےبھی اس کاالتزام کیا ہے اور یہ ظاہر کیاہے کہ اصل راوی کون ہے یعنی جن محدثین نےحدیث کی تخریج کی ہے ایک ہوں یاچندہوں ان کوذکرکیاہے۔آپ **مشکوۃ المصابیح** یاامام سیوطی کی خصائص کبریٰ پڑھیں تودیکھیں کہ ان کتابوں میں حدیثیں بغیر سند کے بیان کی گئی ہیں یہی طریقہ **الدرالمنثور**میں ہے یہ تفسیر کی کتاب ہے اس میں بھی امام سیوطی نے اسی طریقہ کواپنایاہے یہی طریقہ اپنی کتاب **جامع صغیر، جامع کبیر،جمع الجوامع** میں اپنایاہےکہ اگلی کتابوں کے حوالے دےکرحدیثوں کو جمع کیاہے اوران تمام کوجمع کرکے شیخ علی متقی ہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جوشیخ عبدالحق محدث دہلوی کے استاذ تھے انھوں نےکنز العمال کےنام سے ان احادیث کو موضوعات کے لحاظ سے ترتیب دیاہے کیوں کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حروف تہجی کےلحاظ سےلکھاتھا جامع صغیر، جامع کبیر اور جمع الجوامع میں انھوں نے حروف تہجی کے لحاظ سے حدیثوں کو لکھا تھا، حروف تہجی کےلحاظ سے کسی بھی موضوع کی حدیث کہیں بھی آسکتی ہے لیکن موضوعات کےساتھ حضرت علی برہان الدین متقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے جس کے بارے میں اسی زمانے کے علمائے کرام نے کہاتھاکہ امام جلال الدین سیوطی کااحسان سارے جہان والوں پرہے کہ حدیث کی کتابوں میں جومنتشر حدیثیں تھیں ان سب کو انھوں نےیکجا

کردیا لیکن علی متقی کا احسان جلال الدین سیوطی پر ہے کہ انھوں نے منتشرہ حدیثوں کو کنز العمال کے نام سے ابواب کی شکل میں جمع کردیا کیوں کہ جب ابواب کی ترتیب پر حدیثیں جمع ہوجاتی ہیں تو ان کا پڑھنا ان سے استفادہ کرنا آسان ہوجاتا ہے۔ کہنا یہ ہے کہ حدیث کی کتابیں دو طرح کی ہیں۔ایک وہ جن میں احادیث پوری سندوں کے ساتھ مرقوم ہیں،دوسری وہ جن میں ان سندوں والی کتابوں کا حوالہ دیدیا گیا ہے اور سندیں درج نہیں ہیں۔

بہت سے لوگ اس میں تساہل سے کام لیتے ہیں کہ وہ ذکر تو کردیں گے کہ در منثور میں ایسا ہے خصائص کبری میں ایسا ہے یا مشکوۃ میں ایسا ہے لیکن یہ نہیں بتاتے کہ ان کتابوں میں کون سی کتابوں کا حوالہ ہے۔ظاہر ہے کہ یہ ثانوی حوالے کی کتابیں ہیں، اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کبھی ثانوی حوالوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اصل کتابوں کا حوالہ دیا ہے یعنی جن کتب حدیث کے اندر پوری سندوں کے ساتھ حدیث بیان ہے ان کتابوں کا حوالہ دیا ہے اگرچہ یہ بھی ظاہر کردیا ہے کہ ان کتابوں کا حوالہ خصائص کبری یا جامع صغیر میں ہے،تو جب یہ معلوم ہوجائے گا کہ فلاں کتاب کے اندر یہ حدیث پوری سند کے ساتھ مذکور ہے تو اسے ہر کوئی صاحب علم،صاحب تحقیق دیکھ سکتا ہے اور پرکھ سکتا ہے کہ حدیث کا درجہ کیا ہے،مرتبہ کیا ہے،حسن ہے ضعیف ہے،حسن لذاتہ ہے یا حسن لغیرہ ہے اس کو جان سکتا ہے۔اس کا اہتمام اعلیٰ حضرت کی تقریبًا تمام کتابوں میں نظر آئے گا۔ثانوی حوالوں پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اولین حوالوں کا التزام کیا ہے۔

اسی طرح سے فقہ کے باب میں دیکھیں گے مثلاً عالم گیری جس کو فتاوی ہندیہ کے نام مرتب کیا گیا تھا۔عالم گیری مولانا نظام الدین علیہ الرحمۃ کی سرکردگی میں تقریبًا پانچ سو علمائے کرام نے جمع ہوکر لکھی،اور سلطان اورنگ زیب کی سرپرستی

میں یہ ساراکام انجام پایاتھا اس زمانے میں فقہ حنفی کی جتنی بھی کتابیں مل سکتی تھیں سب منگائی گئیں،اوراس زمانہ میں چھپائی کاکام نہ تھا نقلیں حاصل کی گئیں وہ سب جمع کی گئیں اورپورے ہندوستان سے جو جید اور ممتاز علما تھے ان کو منتخب کیاگیااوراس کاکام مختلف حضرات کے سپرد کردیاگیا،انھوں نے مسائل فقہیہ کوان کتابوں سے عمدہ ترتیب کے ساتھ کتب، ابواب اور فصول پر مرتب کرکے لکھا۔ یہ فتاوی ہندیہ عموماً چھ جلدوں میں پائی جاتی۔اب اعلیٰ حضرت اگر عالم گیری کاذکرکرتے ہیں تو عالم گیری نے کہاں سے حاصل کیا ہے اس میں کس کتاب کاحوالہ ہےاس کا بھی ذکرکرتے ہیں مثلاً محیط کے حوالے سے عالم گیری میں یہ مسئلہ ہے فتح القدیر کے حوالے سے عالم گیری میں یہ مسئلہ ہے تو اس طریقہ سے اصل مأخذ تک پہنچاتے ہیں اوریہ ہونا بھی چاہیے تاکہ پڑھنےوالے کویہ معلوم ہوکہ مسئلہ کہاں سے لیاگیاہے،یہ عبارت کہاں سے لی گئی ہے۔ اعلیٰ حضرت محض ثانوی حوالوں پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اصل حوالوں کا ذکرکرتے ہیں یہ ان کی شان تحقیق اور طرز تحقیق ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنی زندگی کے اندر کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں ان میں دینی اورعلمی تحقیقات بھی ہیں فقہ حنفی کے مطابق فتویٰ نویسی بھی ہے اوراہل باطل کارد بھی ہے،مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت یہ عالم دین کی پہلی ذمہ داری ہے۔حدیث پاک میں آیاہے:

اذا ظهرت الفتن اوالبدع فليظهرالعالم علمه فمن لم يفعل ذلك فعليه لعنة الله و الملائكة و الناس اجمعين.[1]

جب لوگوں کےاندر بدعتیں پھیلیں فتنے پھیلیں توجو عالم دین ہووہ اپنے علم کو ظاہر کرے،یعنی ان فتنوں اوربدعتوں کاقلع قمع کرے اورباطل کوباطل، حق

(۱)مرقاۃالمفاتیح،باب مناقب الصحابہ،ج:۷اص۳۰۲

کوحق ظاہر کرے اور جوایسانہیں کرتا ہے اس پر ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اس کوخطیب بغدادی اور دیگر حضرات نے بھی روایت کیا ہے۔ اس موضوع پر بہت سی حدیثیں موجود ہیں، یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ کوئی باطل فرقہ پیدا ہورہا ہے، بدمذہبی بڑھ رہی ہے تو محض خاموش رہ جانا عالم دین کے لیے کافی ہوجائے گا کہ ہم فتنہ میں نہیں پڑتے، ہم فساد میں پڑنے والے نہیں ہیں۔ بلکہ عالم کا یہ فریضہ ہوتا ہے کہ وہ باطل کا ردکرے اورحق کوثابت کرے، امام ابواسحاق اسفرائینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں ان کے زمانے میں خوارج ومعتزلہ کا فتنہ پیدا ہوچکا تھا اور بہت سے عقائد باطلہ جنم لے چکے تھے اور بہت لوگ گمراہ ہوتے جارہے تھے۔ اس زمانے میں انھوں نے ان اولیاے کرام سے کہا جو پہاڑوں میں مجاہدہ اور چلہ کررہے تھے ان کے پاس پہنچے اور فرمایا:

یااکلہ الحشیش انتم ھھنا واُمة محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی الفتنہ

اے سوکھی گھاس کھانے والو! تم یہاں عبادت وریاضت میں لگے ہوئے ہواورامت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتنہ میں مبتلا ہورہی ہے۔یعنی ایسے وقت میں انھوں نے ان کو یہ ذمہ داری یاددلائی کہ امت محمدیہ کو باطل فرقوں سے بچائیں اوران کے چنگل سے نجات دلائیں۔ یہ آپ حضرات کی ذمہ داری ہوتی ہے ان لوگوں نے جواب دیا:اے امام اس کے لیے آپ جیساعلم چاہیے،آپ ہی اس کام کو انجام دے سکتے ہیں ہم توعبادت وریاضت میں ہی لگے رہیں گے۔امام ابو اسحق اسفرائینی واپس آئے اور بد مذہبوں کے ردوابطال میں کتابیں تصنیف کیں،ان کا یہ ایسا کارنامہ ہے جو عبادت وریاضت سے بڑھ کر ہے۔ جنگلوں، بیابانوں اور پہاڑ کی چوٹیوں پر عبادت کرلینا یہ توآسان کام ہے لیکن لوگوں کے ساتھ رہ کر باطل فرقوں کا مقابلہ کرنا گویا اپنا سر تلوار کی دھار پر رکھنا ہے۔ایسا شخص جو فتنوں کا مقابلہ کرتا ہے اُسے بہت سے خطرات اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں خلق قرآن کا فتنہ عروج پر تھا،اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام اللہ رب العزت کی صفت ہے۔جس طرح سمع، بصر،ارادہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہےاوراللہ کی صفت اس کی ذات کے ساتھ قائم اورازلی ابدی ہے،مخلوق نہیں ہے،اسی طرح قرآن جواللہ تعالیٰ کا کلام ہے،یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، وہ مخلوق نہیں ہے۔یہ اہل سنت کا موقف تھا۔

جب معتزلہ کا فرقہ پیداہواتو اس نے کہناشروع کردیاکہ قرآن مخلوق ہے اوراس نے اپنے چنگل میں حکومت کے بادشاہوں کو بھی پھنسالیا۔مامون عباسی بڑاہی ہونہار تھا،شعر وشاعری،حدیث وفقہ کاعالم تھا لیکن معتزلہ کے اس فتنے میں وہ بھی مبتلا ہوگیاتھا۔علماے دین کےاوپر بن آئی تھی اوربڑا مشکل مسئلہ ہوگیا تھا کہ وہ بادشاہ کی گرفت سےکس طرح سے بچ سکیں گےلیکن امام احمدبن حنبل تھے جوثابت قدم رہے اورانھوں نےکسی بھی طریقہ سے کوئی مصالحت روانہ رکھی نہ کوئی ایسی بات کہنےکے روادار ہوئے جس میں کوئی تاویل کرکے صحیح مطلب نکل سکتاہو اوربادشاہ کی خوش دلی بھی ہوسکتی ہو بلکہ انھوں نے صاف صاف کہا القرآن کلام اللہ غیرمخلوق یہاں تک کہ اس سلسلے میں بادشاہ نےان کوسزادینے کےلیےطلب کیا مجمع عام میں ان کو کوڑے لگائے جانےتھے اس کےلیےوہ تیارہوگئے اورجس وقت وہ میدان میں حاضرہورہے تھےاس وقت کاایک واقعہ ہےان کے صاحبزادے عبداللہ بن احمد بیان کرتے ہیں۔علامہ ابن جوزی نے اس واقعہ کو صفۃ الصَّفوۃ میں نقل کیاہے، میرے والد ماجد(امام احمد) ہرنماز کے بعد یہ دعاکرتے تھے اللّٰھم ارحم ابا الھیثم، اللّٰھم اغفر لابی الھیثم، اے اللہ اُلھیثم پررحم فرمااے اللہ اُلھیثم کو بخش دے۔ایک دن میرے دل میں خیال آیاکہ یہ اُلھیثم کون ہےجس کےلیے میرے والد دعاکرتے ہیں۔انھوں نے آپ نے اپنے والد سے پوچھا توامام احمد

بن حنبل نے فرمایاجس وقت بادشاہ نے مجھے کوڑے مارنے کے لیے بلایاتواس وقت مالداروں میں سے، فوج کے لوگوں میں سے کوئی نہ تھا جو کھلے طور پر میری حمایت کرسکتانہ علما و محدثین میں سے کوئی تھاجو میری حمایت میں آسکتا تو ایسے وقت میں میرا بادشاہ کے مقابل جانا اور میراکوڑوں کی سزاکھانا یہ بڑاہی مشکل امرتھا جب میں میدان میں جانے لگا تو مجھے ایک شخص نےآوازدی اے امام ذراسُن لیجیے،میں اس کے قریب پہنچاتواس شخص نے یہ کہاآپ مجھ کو پہچانتے ہیں؟ میں نے کہانہیں،اس نے کہامیں ابوالھیثم ہوں میری پوری زندگی چوری میں گزرگئی، بڑی بڑی چوریاں کرتا رہاہوں۔ سر سے لے کرپاؤں تک میرے جسم کاکوئی حصہ نہیں ہے جس کےاوپر میں نےمارنہ کھائی ہو،چوری کااقبال کرانے کے لیے ہرطرح کی سزا مجھ کودی گئی ہے۔لیکن زندگی بھر میں نے کبھی چوری کااقرار نہ کیا،تویہ میں نےناحق کےلیےاپنی دنیا کےلیے اتنی سختی برداشت کی اور اقبال جرم نہیں کیالیکن آج حق وباطل کامعاملہ ہے اگر آپ نےاہل باطل کے مطابق کہدیاکہ قرآن مخلوق ہےتو پھر دنیا جو گمراہ ہوگی توکبھی راہ پرنہ آئےگی اس لیے اس موقع پرآپ ثابت قدم رہیں اوراہل باطل کے آگےسرنہ جھکائیں،امام احمدبن حنبل کہتے ہیں کہ اس شخص کےیہ کہنے کے بعد میرا دل بہت مضبوط ہوگیااورمیں نے طے کیاکہ میں کبھی بھی خلاف حق کوئی کلمہ نہ کہوں گااس طرح جب میں میدان میں پہنچاہوں اس وقت بھی یہی اعلان کیاکہ: القرآنُ کلامُ الله غیرُ مخلوق. اس وقت امام احمد بن حنبل نے جوثابت قدمی دکھائی ہے علمافرماتے ہیں کہ گویاکسی نبی کےمنصب کاکام انجام دیاہے کہ انبیاے کرام کایہ منصب ہواکرتاہے کہ امت کو گمراہی سے بچائیں اس کو فتنہ کا شکار نہ ہونےدیں جتنی بھی باطل قوتیں ہوتی ہیں انبیاان سب کا مقابلہ کرلیتے ہیں لیکن حق کے خلاف کچھ بھی کہنا گوارا نہیں کرتے،توامام احمد

بن حنبل نے وہ کام کیا ہے جو انبیاے کرام کیا کرتے تھے یہ عظیم کام ائمہ امت اور علماے حق کرتے چلے آئے ہیں۔اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے زمانے میں بھی فتنے تھے اوران فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اعلیٰ حضرت نے اپنی زبان اوراپنے قلم کو حرکت میں رکھا کچھ فتنے وہ تھے جو پہلے سے پیدا ہو چکے تھے جیسے رافضیت ہندوستان میں بہت پہلے آچکی تھی پہلے توہندوستان کے اندر سنیت ہی سنیت تھی لیکن مغل بادشاہوں کے زمانہ میں شیعیت کا بھی فتنہ درآیا،شیعہ کے رد میں شاہ عبدالعزیزی محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے **تحفۂ اثناعشریہ** لکھی تھی۔اعلیٰ حضرت نے بھی شیعہ اور ان کے بہت سے مسائل کے رد میں کتابیں لکھیں۔کچھ فرقے وہ تھے جو بعد میں پیدا ہوئے انہی فرقوں میں سے وہابی ہے۔

وہابیت کی ابتدا اعلیٰ حضرت کے زمانے میں نہیں ہوئی تھی ان کے والد ماجد کے زمانہ میں بھی نہیں ہوئی تھی ان کے دادا کے زمانہ میں جن کی ولادت ۱۲۲۴ھ میں ہے اس وقت ہندوستان میں وہابیت کی ابتدا ہوئی اسی وقت اسمٰعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان لکھی ہے اور تقویۃ الایمان کے اندر اللہ کی عطا سے بھی رسول کے لیے علم غیب کا انکار کیا، تصرف واختیار کا انکار کیا اور یہ لکھا کہ رسول کے لیے اختیار ماننا علم غیب ماننا یہ شرک ہے۔اعلیٰ حضرت کی ولادت سے بھی بہت پہلے ۱۲۳۹ھ میں تقویۃ الایمان لکھی گئی ہے۔اعلیٰ حضرت کی ولادت ۱۲۷۲ھ میں ہوئی،ان سے بہت پہلے یہ مذہب ہندوستان کے اندر وجود میں آچکا تھا اور یہ بات نہیں کہ اس زمانے کے علما نے خاموشی برتی بلکہ اس زمانے میں خود شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جو تلامذہ تھے شاہ مخصوص اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، شاہ محمد موسیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور علامہ فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سبھی کا سلسلۂ تلمذ شیخ عبدالعزیز رحمۃ اللہ سے وابستہ تھا۔انھوں نے زبانی طور پر بھی دہلی کی جامع مسجد میں اسمٰعیل دہلوی سے مباحثہ کیا اور اس کی کتاب تقویۃ

الایمان کا رد بھی لکھا۔علامہ فضل حق خیر آبادی نے **تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ** نام کی کتاب لکھی اور اس زمانے کے تمام مشہور علمائے کرام نے تصدیق کی، خود شاہ مخصوص اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے **معید الایمان فی رد تقویۃ الایمان** لکھی، یہ بات بتانا ضروری ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ وہابیت اعلیٰ حضرت کے زمانے سے پیدا ہوئی بلکہ وہابیت کی ابتدا اس وقت ہوئی جب تقویۃ الایمان منظرعام پر آئی۔ اس کے رد میں **تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ** علامہ فضل حق خیر آبادی کے قلم سے منظر عام پر آئی ہے اس کے بعد **معید الایمان فی رد تقویۃ الایمان** یہ بھی منظرعام پر آئی اور ہر طرف اس کا رد کیا گیا۔اعلیٰ حضرت سے پہلے علمائے کرام اس کا رد کرتے چلے آرہے تھے۔اعلیٰ حضرت نے کوئی نیا مذہب اختیار نہیں کیا۔ایسا نہیں ہے کہ خدا کی عطا سے رسول کے لیے اختیار ماننا،رسول کے لیے علم غیب ماننا یہ کوئی نئی چیز ہے جس کی ابتدا خاص بریلی سے ہوئی ہو بلکہ پہلے کے بزرگان دین کی کتابوں میں اس کا ذکر موجود ہے، کھلی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں شاہ ولی اللہ سے سب اپنا رشتہ جوڑتے ہیں اور شاہ ولی اللہ کو سند کی حیثیت سے مانتے ہیں چاہے وہ مقلد ہو یا غیر مقلد ہوں لیکن شاہ ولی اللہ کا مسلک وہی تھا جو امام احمد رضا قدس سرہ کا تھا اور ان کے والد اور ان کے دادا کا اور ان کے معاصرین علمائے اہل سنت کا تھا۔ یہ سب اولیا کے تصرف واختیار اور انبیا کے لیے علم غیب کے قائل تھے، اس کی تصریحات تو اتنی زیادہ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز علیہما الرحمہ کی کتابوں میں موجود ہیں کہ ان کے مذہب پر وہابیہ کبھی بھی اپنے کو ثابت نہیں کرسکتے کیوں کہ ان حضرات نے ہمیشہ انبیائے کرام اولیائے کرام کی تعظیم واختیار کو بیان کیا ہے۔اس کے اوپر قائم رہے ہیں عرس کرنا، فاتحہ کرنا، میلاد کرنا یہ ساری چیزیں ان حضرات سے ثابت ہیں تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا جو

مذہب تھا وہی مذہب تھا جو پہلے سے چلا آرہا تھا۔

شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کی وفات ۱۱۷۶ھ میں ان سے بہت پہلے شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں جنھوں نے ہندوستان میں علم حدیث کی نشر واشاعت کی۔ ہندوستان کا کوئی سلسلہ ایسا نہیں ہے جو علم حدیث میں شیخ محقق علیہ الرحمہ کا خوشہ چیں نہ ہو۔ ان کی ولادت ۹۵۸ھ میں اور وفات ۱۰۵۲ھ میں ہے۔

ان کی کتابیں اٹھا کر دیکھ لیجیے مدارج النبوہ ہو یا اشعۃ اللمعات ہو یا اور دوسری کتابیں ہوں ان میں انبیاے کرام کے لیے اللہ کی عطا سے علم غیب کا ذکر موجود ہے۔ اشعۃ اللمعات میں امام غزالی سے انھوں نے نقل کیا ہے **من یُّستمدّ به فی حیاته یُسْتَمَدُّ به بعد وفاته** جس کی زندگی میں اس سے مدد حاصل کی جاسکتی ہے بعد وصال بھی اس سے مدد حاصل کی جاسکتی ہے۔

یہ جو الزام ہے کہ بریلویت ایک نیا فرقہ ہے جس کی ابتدا مولانا احمد رضا خان کے وجود سے ہوئی ہے اور بریلی اس کا مصدر ومنبع ہے بالکل باطل اور غلط ہے۔ اعلیٰ حضرت کا جو مذہب ہے کہ انبیاے کرام کو اللہ تعالیٰ کی عطا سے علم غیب اور تصرف واختیار حاصل ہے انبیاے کرام کے توسل سے اولیاے کرام کو علم غیب حاصل ہے یہ مسلک وہ ہے جو چودہ سو سال سے امت مسلمہ کا رہا ہے اور سبھی اس کے قائل رہے ہیں ہرگز کوئی نیا مسلک قائم نہیں کیا ہے۔ ہاں یہ ہے کہ کچھ نئی بدعتیں اور کچھ نئے فتنے ان کے زمانے میں پیدا ہوئے جیسے ختم نبوت کا صراحتاً انکار یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی پیدا ہو جائے تو خاتمیت محمدی میں فرق نہیں آئے گا اور مرزا غلام احمد قادیانی کا یہ دعویٰ کہ میں نبی ہو۔ ان سب کا اعلیٰ حضرت نے رد کیا۔ یہ دیوبند کا بانی جن کو کہا جاتا ہے مولانا قاسم نانوتوی انھوں نے تحذیر الناس میں لکھا کہ ہمارے رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی پیدا ہو تو خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ تمام امت مسلمہ

اس بات کو مانتی آئی ہے کہ حضور ﷺ آخری نبی ہیں اوران کے بعد کسی نبی کا آنا ممکن نہیں ہے۔یہ امت کا اجماعی عقیدہ ضروریاتِ دین سے ہے۔مولانا قاسم نانوتوی نےاس کاانکارکیااور محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد نئے نبی کاآناممکن کہا اورخاتم النبیین کا یہ معنی بتایا کہ نبوت جس کی بالذات ہو اور بعد والے کی نبوت بالعرض ہو یہ معنی کسی نے بھی بیان نہیں کیا،خاتم النبیین بمعنی آخری نبی کا انھوں نے انکارکیا، توآخری نبی کامعنی جوضروریات دین سے تھا،حضور ﷺ صحابہ کرام اورعلماےامت سے ثابت تھااس کاانھوں نےانکار کیا،حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا یہ ایک اجماعی مسئلہ تھا، اس کا انھوں نے انکار کیا۔اس کی وجہ سے ان کی تکفیر ہوئی۔

اسی طرح مولوی خلیل احمدانبیٹھوی نے اپنی کتاب میں لکھا اورمولوی رشیداحمدگنگوہی نےاس کی تائید کی کہ شیطان کاعلم حضور کےعلم سے بڑھا ہواہے۔ یہ حفظ الایمان میں لکھا گیاہےکہ حضور ﷺ کوعلم غیب حاصل ہونے کاکیا مطلب کل یابعض ؟کل توعقلاًنقلاً باطل ہے،بعض اگر ہے توایسا علم توسب کو حاصل ہے یہاں تک کہ سور،کتا تمام حیوانات وبہائم کو حاصل ہے اس میں حضور ﷺ کے علم کی کھلی ہوئی توہین ہے۔اس توہین کی بنا پرامام احمدرضانےان کی تکفیر کی۔اور ایسانہیں ہے کہ یہ صرف اعلیٰ حضرت نے کی ہے بلکہ اعلیٰ حضرت کی تائید میں علماے حرمین نےبھی کی ہے اور ہندوسندھ کے دوسواڑسٹھ علماے کرام نےاس کی تصدیق کی ہے۔یہ بات درست ہے کہ اعلیٰ حضرت کےزمانے میں نئے فتنے وجود میں آئے ہیں نئی عبارتیں سامنے آئی ہیں۔مگرایسا نہیں ہے کہ انھوں نے کوئی نیامسلک ایجاد کیا ہے بلکہ آپ پوری امت کا جائزہ لےلیں اورخود ہندوستان میں جو علماےکرام ہیں حضرت شیخ علی متقی،حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے لے کرحضرت شاہ عبدالعزیز

محدث دہلوی اور ان کے تلامذہ تک سب کے سب اسی مسلک کے قائل رہے ہیں جس کی ترویج واشاعت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان نے کی ہے اوران سے پہلے علامہ فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان موضوعات پر کافی کتابیں لکھی ہیں اوراعلیٰ حضرت قدس سرہ نےانہیں مسائل کواپنی کتابوں میں دلائل سے ثابت کیاپھر نئے فتنوں نے جنم لیاہے تو نئے فتنوں کارد کیاہے اور یہ ایک عالم کا فریضہ اوراس کی ذمہ داری ہے کہ حرام وحلال،جائز وناجائز سے لوگوں کوواقف کرائے تاکہ ان کے اعمال درست ہوں۔اس سے پہلے اس کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ حق وباطل کوان کےاوپرواضح کرےکفرواسلام کےبارےمیں ان کوسمجھائے،عقائدحقہ صحیحہ سے ان کو روشناش کرائے۔یہ عالم کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نےاس ذمہ داری کو مکمل کیا اس کی بنیاد پر انھوں نے امت مسلمہ کی حفاظت وصیانت کی ہے۔جن علمانے کھل کراحقاق حق اورابطال باطل کیاہے ان کو ہمیشہ سب وشتم کانشانہ بھی بنایا گیاہے۔ انھیں مشکلات کااور مصیبتوں کاسامنا کرناپڑاہے۔اس طرح کی مصیبتیں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کےسامنے بھی آئی ہیں۔

بہت سے گالی نامےان کو لکھے گئے اورطعن وتشنیع کی گئی اور طرح طرح کی باتیں اعلیٰ حضرت کے بارے میں پھیلائی گئیں کہ یہ توخدا ورسول کاعلم برابر کررہے ہیں،یہ توتمام لوگوں کی تکفیر کرتے ہیں،اسی طریقےسے کھلی ہوئی،گڑھی ہوئی باتیں ان کےبارےمیں کی گئیں۔تاکہ لوگ کسی طرح ان سے دوراوربیزار ہوں۔دلائل کاجواب جب دلائل سے نہیں ہوتاہے توجھوٹ کاسہارالیا جاتاہے اوراس طرح سے بد نام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔لیکن کوئی آج تک یہ ثابت نہ کرسکاکہ اعلیٰ حضرت نےکوئی نیامذہب ایجاد کیاہے یاان کا مذہب شیخ عبدالحق محدث دہلوی سےالگ تھااور نئے مذہب کو انھوں نےعروج بخشا ہے۔

آج تک کوئی ثابت نہ کرسکا اور ہم کو بھی یہ بات یادرکھناچاہیے کہ ہم اپنے دلائل سے اپنے قول وفعل سے یہ ثابت کریں کہ ہمارا مذہب وہی ہے جو پہلے سے چلا آرہا ہے۔جس کے بارے میں حضوراقدس ﷺ نے فرمایا ہے: **ماانا علیه وأصحابی** جس کے اوپر کہ میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔اسی مذہب کو امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی کتابوں سے اپنے دلائل سے قوت بخشی ہے اور یہ ان کا عظیم کارنامہ ہے جس کی وجہ سے پوری دنیائے سنیت ان کا نام لیتی ہے۔آج عرس منانے والے، فاتحہ نیاز کرنے والے بہت ہیں لیکن اولیائے کرام سے رشتہ مضبوط کرنے پر دلائل کس نے قائم کیے ہیں ان کے تصرفات واختیار کے اوپر دلائل کس نے قائم کیے ہیں، مخالفین کا مقابلہ کس نے کیا ہے وہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ذات ہے،ورنہ بہت سے لوگ خاموشی اختیار کرلیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لڑنا جھگڑنا،ہمارا کام نہیں ہے۔آپ کے آباواجداد کو گالیاں دی جارہی ہیں آپ جن کا عرس منارہے ہیں ان کو کہاجارہاہے کہ مٹی کا ڈھیر پڑاہواہے۔آپ کہتے ہیں کہ لڑنے جھگڑنے کی ضرورت نہیں ہے توپھر عرس منانے کی کیا ضرورت ہے۔عرس ختم کیجیے اور آرام سے بیٹھیے،اعلیٰ حضرت نے راحت وآرام کو دور رکھ کر حق کا احقاق کیا ہے جیسے امام ابواسحق اسفرائینی نے اپنے زمانے میں اور امام احمد بن حنبل نے اپنے زمانے میں اوردیگر ائمہ امت نے اپنے اپنے زمانے میں احقاق حق اور ابطال باطل کی خدمات انجام دی تھیں، وہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنے زمانے میں انجام دی ہیں۔لوگوں کے دین وایمان کی حفاظت وصیانت کی ہے اسی وجہ سے احسان شناس دنیا مجبور ہے کہ ان کی اس خدمت کا ذکر کرے اوران کی یادمنائے کہ انھوں نے علمی اور عملی میدان میں ہماری رہنمائی کی ہے،سب سے بڑی ان کی رہنمائی عقیدہ وایمان کے تعلق سے ہے اسی وجہ سے ہم ان کی یاد مناتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو

توفیق خیر سے نوازے اور حق کے اوپر استقامت عطافرمائے۔

اب چند باتیں خاص طلبہ سے متعلق ہیں :طلبہ کو بہرحال اپنے وقت کو مصرف میں لانا چاہیے اور تحقیق کی رو سے جو صحیح باتیں ہوتی ہیں ان کو حاصل کرنا چاہیے۔ صبح وشام مدرسے میں گزار نے سے کوئی بڑا فائدہ نہیں ہے اگرآپ علمی وتحقیقی جستجو نہ کریں پھر علم کے ساتھ عمل بھی ہوناچاہیے۔ علم کے ساتھ اگرعمل ہوتاہے تو وہی علم کارآمد ہوتاہے اور علم پر عمل کے وسیلے سے بہت سارا علم حاصل ہوجاتاہے۔ ایک حدیث پاک میں آیاہے **من عمل بماعلم اورثه الله علم مالم يعلم** اور ایک روایت میں یہ بھی ہے: **واجرى على لسانه ينابيع الحِكَم** جو اپنے علم کے مطابق عمل کرے اللہ تعالیٰ اس کو ان باتوں کاعلم عطافرمادیتاہے جن کووہ نہیں جانتاتھااوراس کی زبان پر حکمتوں کے چشمے جاری کردیتاہے۔

آپ پر لازم ہے کہ آپ اپنے علم کے مطابق عمل کریں،اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے مرض کے ایام میں بھی نماز باجماعت کی پابندی کی ہے اور اس زمانے میں جبکہ ان کے لیے روزہ نہ رکھنافدیہ دیناجائزتھا، توانھوں نے پہاڑ پرجاکرروزہ رکھاہےاورروزہ نہ قضاکیانہ فدیہ دیابلکہ روزہ اداکیاہے۔آج آپ ان کایوم منارہے ہیں تواس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ان کی طرح عمل کے بھی پابند ہوں کم ازکم فرائض وواجبات وقت پرضروراداکریں اوران سے غفلت ہرگز روانہ رکھیں۔صرف ذخیرہ علم جمع کرلینا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے مطابق عمل بھی ہونا چاہیے پھر اس علم وعمل کو دوسرے تک پہنچانا بھی ضروری ہے، جس دین ومذہب کو آپ نے حاصل کیاہے یہ آپ تک ایسے ہی نہیں پہنچ گیاہے اگرچہ آج تو یہی ہے کہ آدمی مسلم گھرانے میں پیداہواہے اس لیے مسلمان ہے لیکن ان مسلمانوں کے آباواجدادپروہ زمانہ بھی گزراہے جب وہ

دوسرے مذہب پر تھے اوراولیاے کرام اورعلماے حق نےان کو دین حق کی راہ دکھلائی ہے پھرانھوں نے کلمۂ اسلام پڑھاہے اوراسلام سے وابستہ ہوئے ہیں۔اگرعلماے حق نےاسلام کو اپنے تک محدود رکھا ہوتاتوآج ہمارے گھروں میں اسلام نہ ہوتاجوبھی انھوں نے حاصل کیاانھوں نے دوسروں تک پہنچایا توآپ کابھی فریضہ ہے کہ جودین آپ نے حاصل کیاہے اورجوعلم وعمل حاصل کیاہےاس کودوسروں تک پہنچائیں اورعمل خیرکی طرف لانےکی کوشش کریں۔ یہ بھی ہماری ذمہ داری ہوتی ہے صرف اپنی حدتک علم وعمل اورعقیدے کے اوپر قائم رہ گئے تویہ کوئی بڑاکام نہیں ہوا۔ایک عامی کے لیے تویہ صحیح ہوسکتاہے لیکن ایک عالم کی ذمہ داری اس سے آگے ہوتی ہے جیساکہ قرآن مقدس نے فرمایا:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[1]

”اورتم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کاحکم دیں اور بُری سے منع کریں اور یہی لوگ مُراد کو پہنچے “۔

علماکی ذمہ داری ہوتی ہے کہ حق کی آواز کو، علم کو، عمل کو دوسروں تک پہنچائیں جب خود وہ پختہ اعتقاد، پختہ علم، پختہ عمل کےحامل ہوں گے تبھی دوسروں کوراہ دکھا سکتے ہیں۔ایک طالب علم کو عالم بنناہے تواسے اپنی ذمہ داری کوانجام دینے کی ابھی سے تیاری کرناچاہیے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق خیرسے نوازے۔وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین.

(۱)آل عمران،آیت ۱۰۴

خطبۂ صدارت بحر العلوم فرنگی محلی سیمینار

منعقدہ: پپراکنک، ضلع کُشی نگر، یوپی

بتاریخ: ۳؍جمادی الاولی، ۱۴۳۸ھ /یکم فروری ۲۰۱۷ء، چہار شنبہ

از: مولانا محمد احمد مصباحی، ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ــــــــــ حامدا و مصلّیا و مسلّما

خانوادۂ فرنگی محل غیر منقسم ہندوستان کا وہ علمی مرکز ہے جس کا فیضان پورے ملک پر ضیا بار رہا ہے اور دیگر ممالک کے افراد بھی اس سے اکتساب نور کرتے آئے ہیں۔ اپنے طرز تدریس، انداز تحقیق اور پر مغز تصانیف سے اس خانوادے نے پوری علمی دنیا کو متاثر کیا ہے۔

اسی خانوادے کے ایک فرد فرید، جامع علوم عقلیہ و نقلیہ، مجمع شریعت و طریقت، بحر العلوم علامہ عبد العلی محمد (۱۱۴۲ھ – ۱۲۲۵ھ) ابن علامہ نظام الدین محمد (۱۰۸۹ھ – ۱۱۶۱ھ) علیہما الرحمہ ہیں، جن کی درس گاہِ علم سے بڑے بڑے فضلاے روزگار پیدا ہوئے اور جن کے قلمی فیضان سے ایک عالم سیراب ہوا۔

اسی ذات گرامی کی نسبت سے آج ۳؍جُمادی الاولی ۱۴۳۸ھ مطابق یکم فروری ۲۰۱۷ء چہار شنبہ کو ''پپراکنک'' کی سرزمین پر یہ سیمینار منعقد ہو رہا ہے، جس کا اہتمام مشرقی یوپی کی ایک سعادت مند خانقاہ (خانقاہ ایوبیہ، پپراکنک، ضلع کشی نگر) نے کیا ہے، ان شاء اللہ الرحمن اس سیمینار کی علمی و تحقیقی نگارشات مستقبل قریب میں اشاعت پذیر ہو کر شائقین کی ضیافتِ فکر و نظر کا سامان بنیں گی۔

اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ''الاجازات المتینۃ لعلماء

بکۃ والمدینۃ''(۱۳۲۴ھ)میں حضرت بحر العلوم تک اپنا سلسلہ اس طرح بیان کیا ہے:

۱ -مولانا نقی علی خاں قادری برکاتی ۲-مولانا رضا علی خاں بریلوی ۳-مولانا خلیل الرحمن محمد آبادی ۴- مولانا محمد اعلم سندیلوی ۵-ملک العلما بحر العلوم ابوالعیاش عبدالعلی محمد لکھنوی علیہم الرحمہ۔

اعلی حضرت قدس سرہ کے پیرومرشد، خاتم الاکابر، مولانا شاہ سید آل رسول احمدی مارہروی قدس سرہ اورعلامہ فضل رسول بدایونی علیہما الرحمہ کا سلسلۂ تلمذ صرف ایک واسطے سے حضرت بحرالعلوم تک پہنچتا ہے۔ ان دونوں حضرات کو مولانا نورالحق فرنگی محلی سے تلمذ تھا، اور مولانا نورالحق اور ان کے والد ماجد مولانا انوارالحق علیہما الرحمہ حضرت بحر العلوم کے شاگرد تھے۔

علامہ فضل حق خیر آبادی کا سلسلہ بھی بحر العلوم سے اس طرح وابستہ ہے:

۱-مولانا فضل امام خیر آبادی،والدماجد علامہ فضل حق خیرآبادی۲- مولانا عبدالواجد خیرآبادی ۳-مولانامحمداعلم سندیلوی ۴-بحرالعلوم فرنگی محلی، علیہم الرحمہ اس طرح ہم شاگردانِ حافظ ملت مولاناعبدالعزیز مرادآبادی شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور کا سلسلہ بریلی،مارہرہ اور خیرآباد تینوں وسیلوں سے بحرالعلوم تک پہنچتاہے۔حافظ ملت کے استاذ صدرالشریعہ مولاناامجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ اعلیٰ حضرت سے براہ راست اورعلامہ فضل حق خیرآبادی سے اپنے استاذ مولانا ہدایت اللہ خاں رام پوری علیہ الرحمۃ کے واسطے سے منسلک ہیں۔اور خاتم الاکابر قدس سرہ سے بواسطۂ اعلیٰ حضرت وابستہ ہیں۔

ابھی سلسلوں کی مزید تفصیل کی گنجائش باقی ہے مگر میں بروقت اتنے ہی پر اکتفا کرتاہوں۔بحرالعلوم کی سندوں کاذکران شاءاللہ آخر میں کروں گا۔

بحرالعلوم اور ان کا پورا خاندان اُسی مسلک فکرواعتقاد سے وابستہ تھا جسے

اہل سنت وجماعت کے باعظمت نشان سے پہچاناجاتاہے۔شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے جہاں سرزمین ہندکوحدیث رسول کی برکتوں سے سیراب کیا ہےوہیں اپنی تصانیف میں عقائد اہل سنت کو بھی شرح وبسط کے ساتھ برملابیان کیا ہے۔خانوادۂ فرنگی محل کاعلمی سلسلہ جہاں برکۃ الہند حضرت شیخ محقق سے ملتا ہے وہیں ان کے اعتقاد کا برملا اظہار بھی حضرت بحرالعلوم کے قلم سے تابندہ نظرآتاہے۔

میں یہاں صرف ایک اقتباس درج کرنا چاہتا ہوں، وہ بھی ایسی کتاب سے جو نہ عقائدوکلام میں ہے،نہ فضائل ومناقب میں، نہ فقہ واحکام میں،بلکہ فن منطق کے معروف رسالہ ”قطبیہ“پرمیر زاہد ہروی کے حواشی کے تحشیہ میں ہے۔

حضرت بحرالعلوم خطبہ میں حمدباری،توحید،تنزیہ،انعام اور ارسالِ رُسُل کا ذکرکرنے کے بعد لکھتے ہیں:

واصطفى من بينهم من بعثه نبيا وآدم بين الروح والجسد* وأرسله رسولا إلى الثقلين فلم يكن مِن آدم ومَن دونه إلا تحت لوائه يوم يحضرون للصمد*وعلّمه علوما بعضها ما احتوى عليه القلم الأعلى،ومااستطاع على إحاطتها اللوح الأوفى،لم يلد أُم الدهر مثله من الأزل، ولايلد إلى الأبد* فليس له ممن في السموات والأرض كفوا أحد* سيد الأولين والآخرين، حبيب إله العالمين، هوالذى للمرسلين إمام، وللأنبياء ختام،صاحب الحوض والمقام المحمود، هوكاسمه محمدومحمود*

اللهم صلّ عليه أفضل الصلوات* وسلِّم عليه اعظم التسليمات* مادام اللوح محفوظا فيه التصورات والتصديقات* وعلى آله الذين فازوا المقام العظيم* بيُمن اتباع سنته وشرعه

العميم* وعلى أصحابه الذين هم نجوم الاهتداء * لم يرتض الرب المنان إلاعمن اَخذ طريقتهم بالاقتداء* وبذلوا مهجهم لإعلاءِ كلمة الله الغراء* ونشر الشريعة الحنيفيةالسهلة البيضاء* لاسيما على الخلفاء الراشدين، وأئمة الحق المبين، جُلّ سعيهم في قمع بنيان الجور والطغيان* وإقامة جُدران العدل والإحسان* فآض بجهدهم رِياض الدين زاهرة* وأنوار الإسلام ظاهرة* فنالوا منزلة عظمى ومكانة عليا من منازل العرفان* لم ينلها أحد من أولياء هذه الأمة، والأمم الماضية في سالف الزمان* وحازوا مقامة رفعى عند الرب الرحيم الرحمٰن* وأفاضوا أسرار العلوم على أسرار العرفاء ذوي الايقان*

اللهم أنزِل عليهم الرضوان* وبَوّءُهم مع الأنبياء في الجنان* وعلى أهل بيته الذين شمروا الذيل لاقتباس أنوار الاهتداء تشميرا* وأراد الله ليذهب عنهم الرجس و يطهرهم تطهيرا*

وعلى من خصّه خالق السموات والأرضين بالمرتبة الكبرىٰ في مشاهدة الإلٰه،ذلك الغوث الأعظم قطب الاقطاب الذي انطقه الحق بأَن قدمي على رقاب كل ولي الله، محي الملة والدين، عليه الرضوان إلى يوم الدين، وعلى جميع أولياء الله الكرام، ذوي البر والتقوى العظام* اللهم ارضَ عنهم وبَوّءُني في جوارهم*[1]

اس اقتباس سے عقیدے اور عقیدت کی چند باتیں واضح طور پر دریافت ہوتی ہیں:

---

(۱)حاشیۂ بحرالعلوم برحواشی زاہدیہ،ص:۲،مطبع علوی لکھنؤ طبع جمادی الاولی ۱۲۹۳ھ مطابق جون ۱۸۷۶ء

۱-ہمارے رسول ﷺ رسولوں کے درمیان، خدا کے برگزیدہ اور منتخب ہیں۔
۲-انھیں نبوت اس وقت حاصل ہوئی، جب ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام جسم و جان کی درمیانی منزل میں تھے۔
۳- سرکار تمام جن و انس کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے، روز قیامت سیدنا آدم علیہ السلام اور دیگر انبیا علیہم السلام سرکار کے جھنڈے تلے ہوں گے۔
۴- لوح محفوظ میں ماکان و مایکون کا علم ثبت ہے اور حضور کو ان کے رب نے وہ علوم عطا فرمائے، جن کا ایک حصہ وہ علم ماکان و مایکون ہے جو قلم اعلیٰ سے لوح اَوفیٰ میں درج ہوا۔
اسی کو امام بوصیری نے "قصیدہ بردہ" میں ذکر کیا ہے اور شیخ محقق نے اسے "اشعّۃ اللمعات" میں نقل کیا ہے:

فمن جودك الدنيا وضرتها
ومن علومك علم اللوح والقلم

سرکار کے لیے علم ماکان و مایکون اور اس سے زیادہ علوم کا حصول حضرت بحرالعلوم اور ان کے اسلاف کرام علیہم الرحمہ کے نزدیک ایک مسلمہ عقیدہ ہے، جس سے انحراف ہندستان میں وہابیت کے قدم آنے کے بعد رونما ہوا۔
۵- رسول اللہ ﷺ کا مثیل و نظیر نہ ماضی میں پیدا ہوا، نہ مستقبل میں کبھی ہوگا، خلق خدا میں کوئی ان کا ہمسر نہیں۔
۶- وہ اولین و آخرین کے سردار، رب العالمین کے محبوب، رسولوں کے امام، انبیا کے خاتم، حوض کوثر اور مقام محمود والے، محمّد اور محمود ہیں۔
۷- سرکار کی آل پاک، ان کی سنت و طریقت کی پے رَوی کے باعث مقام عظیم پر فائز ہے۔
۸-سرکار کے صحابہ ہدایت کے ستارے ہیں- ربِّ جلیل کی رضا و خوش

نودی صرف انھیں لوگوں کے لیے ہے، جو راہِ صحابہ کی اقتدا کریں۔

۹- صحابہ نے دین حق کی سربلندی اور شریعت حقہ کی ترویج و اشاعت کے لیے اپنی جانیں قربان کیں۔

۱۰- ان میں خلفاے راشدین کو خصوصیت اور امتیاز حاصل ہے، وہ دین حق کے امام و پیشوا ہیں، ان کی تمام تر مساعی اس راہ میں تھیں کہ ظلم و طغیان کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکیں اور عدل واحسان کی دیواریں سربلند کریں، انھیں کی کوششوں سے دین کے گلشن تابناک اور اسلام کے انوار جلوہ فشاں ہوئے۔

۱۱- انھیں عرفان کی وہ بلندمنزل اور معرفت کا وہ اعلی مقام حاصل تھا، جو نہ اس امت کے اولیا میں سے کسی کو حاصل ہوا، نہ سابقہ امتوں میں سے کسی ولی کو ملا۔رب جلیل کے یہاں ان کا درجہ نہایت بلند ہے۔

۱۲- انھوں نے اپنی معرفت کے اسرار سے سربرآوردہ اہل یقین وعرفان کو سرفراز کیا اوران کے علم ظاہر کی طرح ان کا علم باطن بھی عارفین امت میں فیض بخش ہوا۔

۱۳- صحابہ و اہل بیت رضوان الٰہی اور جنت میں انبیا علیہم السلام کی رفاقت کے قابل ہیں۔

۱۴- اہل بیت کرام سرکار کے نورہدایت سے اقتباس، اوررب کی تطہیرِ کامل سے امتیاز کے حامل ہیں۔

۱۵- اہل بیت کے ایک فرد عظیم سرکار غوث اعظم، قطب الاقطاب مشاہدۂ الٰہی کے مرتبۂ کبری سے اختصاص یافتہ ہیں۔

۱۶- انھوں نے "قدمی ہذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ"(میرا قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے) از خود نہ کہا، بلکہ امر الٰہی کے تحت کہا۔ وہ دین و ملت کو حیات بخشنے والے ہیں۔

۱۷- وہ عظیم المرتبت قطب الاقطاب اور تمام اولیاء اللہ رضوان الٰہی کے قابل ہیں۔

۱۸-تمام اولیا عظمت و کرامت، بِرّ و تقوی کے حامل ہیں۔

۱۹- جملہ اولیا کے لیے رب کی خوشنودی اور اپنے لیے ان کے جوار میں اقامت و قرار مطلوب ہے۔

اس خلاصے کے بعد یہ بتانے کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ حضرت بحر العلوم کا عقیدہ رسول کائنات ﷺ کے علوم و کمالات اور فضائل و خصائص سے متعلق کیا تھا، اہل بیت، خلفاے راشدین اور جملہ صحابۂ کرام کے بارے میں ان کا عادلانہ و عارفانہ نظریہ کیا تھا، بارگاہ غوث اعظم اور بارگاہ اولیاے کرام میں ان کی عقیدت کا آبشار کس قدر صاف و شفاف تھا۔اور آج ان کے سلسلۂ تلمذ سے انتساب کا دعویٰ رکھنے والے کتنے لوگ ان کی سیدھی اور صاف و شفاف راہ سے یک سر منحرف ہو چکے ہیں۔

بحرالعلوم صرف معقولات ومنقولات کے شناور نہ تھے بلکہ جام طریقت ومعرفت سے بھی سرشار تھے۔اس سے متعلق آخر میں ایک واقعہ بھی پیش کروں گاجوان شاءاللہ اُن کے کمالِ معرفت اوربلندیِ طریقت کی تصدیق کے لیے کافی ہوگا۔

ان کی ژرف نگاہی اوردقیقہ رسی اقران واخلاف میں ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔مجھے امید ہے کہ سیمینار کے اہل قلم کی تحریروں میں اس کے بہت سے شواہد بھی ملیں گے۔امام احمدرضاقدس سرہ نے بھی "حاجزالبحرین الواقی عن جمع الصلاتین" (۱۳۱۳ھ) میں اس کا اظہار کیا ہے۔اور تین ایسے نکات کا ذکرفرمایا ہے جو کتب قُدَما میں نہ تھے اور قلب امام احمدرضاپر فائض ہوئے۔ پھر بتایا کہ بعد میں بحرالعلوم کے رسالہ ارکان اربعہ/رسائل الارکان کا مطالعہ

کیا تو دیکھا کہ انھوں نے بہت مختصر الفاظ میں ان نکات کو بیان کردیا ہے۔
ان نکات کی توضیح وتفصیل کروں تو کئی صفحات درکار ہوں گے، اس لیے قلم اندازکرتاہوں، مذکورہ رسالہ فتاویٰ رضویہ کتاب الصلاۃ، بیان اوقات میں مندرج ہے، اس کی فصل چہارم میں اہل نظر تفصیلاً ملاحظہ کرسکتے ہیں۔
کتاب "**رسائل الارکان**" ارکان اربعہ (صلاۃ، صوم، زکاۃ، حج) کے بیان میں لکھی گئی ہے اس میں مسائل کے ساتھ دلائل، اختلافِ مذاہب، فقہ وحدیث کی رُو سے مذہب حنفی کی تائید وتقویت بہت اعلیٰ پیمانے پر نہایت اختصار کے ساتھ مرقوم ہے۔اسے دیکھنے کے بعد عمادالاسلام شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مصنف کو جو خط لکھا ہے اس میں انھیں ''بحرالعلوم'' کے خطاب سے یاد کیا ہے، پہلے شاہ صاحب کا خیال یہ تھا کہ فرنگی محل والے صرف معقولات میں کمال رکھتے ہیں۔اس کتاب کو دیکھنے کے بعد معقول ومنقول دونوں میں علماے فرنگی محل کی مہارت کے معترف ہوگئے اور شاہ صاحب کا دیا ہوا خطاب **''بحرالعلوم''** اتنا معروف ومشہور ہواکہ دیگر خطابات **''ملک العلما''** وغیرہ پر غالب آگیا، بلکہ ان کے عَلَم (عبدالعلی محمد) سے بھی زیادہ رائج ومتداول ہوگیا۔
بحرالعلوم کے دور میں سرزمین ہند نے غیر مقلدیت کا چہرہ نہ دیکھاتھا، البتہ جمع بین الصلاتین میں حنفیہ وشافعیہ کا اختلاف ہے، اس لیے رسائل الارکان میں اس بحث کو بحرالعلوم نے چھیڑا ہے اور صرف دوصفحات (مزید ۳سطور) میں دلائلِ فریقین کا ذکرکرتے ہوئے سیر حاصل اور وافی وشافی کلام کیا ہے جو آج غیر مقلدین کے جواب کے لیے بھی کافی ہے۔ملاحظہ ہو رسائل الارکان ص: ۱۴۶ تا ۱۴۸ مطبوعہ ۱۳۰۹ھ مطبع علوی لکھنؤ۔
امام احمدرضاقدس سرہ کے زمانے میں غیر مقلدین کے امام میاں جی نذیر

حسین دہلوی نے معیار الحق میں حضرات شافعیہ کی تقلید اور ان سے اخذواستناد کرتے ہوئے "ثبوت جمع" کے لیے بڑے بڑے لمبے دعوے کیے اور بہت سی مذبوحی حرکتیں بھی کیں، ان سب کا کماحقہ محاسبہ **"حاجزالبحرین"** کا خاص حصہ ہے جو امام احمد رضاکی مہارت فقہ ومناظرہ کے ساتھ مہارت حدیث کا بھی منہ بولتا ثبوت ہے۔ راقم نے اس کی ایک تلخیص بھی کی ہے جو"مخالفین تقلید کاایک جائزہ"(۱۴۳۳ھ)نامی مجموعے میں طلبۂ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی طرف سے شائع ہوچکی ہے۔

میں نے شروع میں بحرالعلوم تک امام احمد رضا،خاتم الاکابر مارہروی، علامہ فضل رسول بدایونی اورعلامہ فضل حق خیرآبادی رحمہم اللہ تعالیٰ کی سندوں کا ذکرکیا ہے۔اب بحرالعلوم سے آگے کی سندوں کا کچھ تذکرہ مقصود ہے۔

اس سلسلے میں مفتی محمد عتیق فرنگی محلی کی ایک مستقل کتاب ہے **"الدرالمنظوم، فی أسانید العلامة بحرالعلوم"** اس کا اختتام ۴؍رمضان المبارک ۱۳۸۰ھ کو ہوا، مگر بہت سی دیگر کتابوں کی طرح یہ بھی اشاعت سے اب تک محروم ہے۔اس کا قلمی نسخہ مولانا حبیب الحلیم فرنگی محلی کے پاس تھا، ان کے یہاں سے زیراکس کاپی شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی، سابق صدر شعبۂ افتا و ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور نے منگائی اور اس کا ایک عکس مجھے بھی عنایت فرمایا۔

مؤلف کتاب نے اسانید بحرالعلوم کے ضبط وجمع کی تحریک اور تقاضا کرنے والوں کے تحت حضرت مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن قادری عباسی تلمیذ صدرالشریعہ علیہما الرحمہ کا ذکرخصوصیت اور اہتمام کے ساتھ کیاہے، الفاظ یہ ہیں:

"فأكبَّ عليّ بعض الأفاضل الخلان سيّما حبيبي ولبيبي، مجمع

الفضائل، منبع الفواضل، ذوالمجد الباذخ، والكرم الشامخ، والطود الراسخ مولانا حبيب الرحمٰن، ادامه بالفضل والامتنان، الدهام نگري الباليسري بأن أجمع له ثبته وأضبط درر أسانيده في سلك الترصيف"

ان الفاظ والقاب سے اہل علم کی نظر میں مجاہد ملت کے منصب ومقام کی عظمت کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے، اسی طرح ان کی علم دوستی خصوصًا اسانید سے شغف اور بحرالعلوم سے عقیدت بھی نمایاں ہے۔

ضرورت ہے کہ باضابطہ تحقیق وتزیین کے ساتھ **"الدرالمنظوم"** کی طباعت واشاعت عمل میں لائی جائے، مولا تعالیٰ کسی فاضل محقق کو یہ توفیق جمیل ارزاں فرمائے۔چوں کہ کتاب غیر مطبوعہ ہے اس لیے مناسب تھاکہ اس کا پورا خلاصہ پیش کردیا جائے مگر قلّت وقت کے باعث یہ کام بھی کسی فاضلِ باتوفیق کے لیے چھوڑتا ہوں اور یہاں محض اجمالی تعارف وتبصرہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ یہ بھی صرف اس لیے کہ جہاں تک مجھے علم ہے اس سیمینار کے کسی صاحب قلم کو یہ موضوع سپرد نہیں ہوا ہے۔

''الدرالمنظوم'' میں پہلے بحرالعلوم کا سلسلۂ تلمذ لکھاہے جو اس طرح ہے:

(۱)بحرالعلوم مولاناعبدالعلی محمد(۲)استاذالہندمولانانظام الدین محمد(۳) قطب الدین شہید،سہالوی وتلامیذ قطب العلما، مولانا قطب الدین شمس آبادی، مولانا امان اللہ بنارسی، مولانا غلام نقش بند لکھنوی(۴)مولاناعبدالحلیم، والدقطب شہید(۵)مولانا عبدالکریم،جدقطب شہید(۶)مولاناحافظ الدین محمد انصاری (۷)شیخ الاسلام خواجہ ابواسماعیل، عبداللہ انصاری ہروی علیہم الرحمۃ۔

اس کے علاوہ قطب شہید کی متعدّد سندیں درج کی ہیں، جن میں کوئی

سند علامہ سعد الدین تفتازانی تک، کوئی سید شریف جرجانی تک، کوئی اکمل الدین بابَرتی تک پہنچتی ہے۔

کئی سندیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے توسط سے سید شریف جرجانی، شمس الدین جزری، علامہ جلال الدین سیوطی، علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ تک پہنچتی ہیں۔ان بزرگوں کی اگلی سندیں علوم وفنون اور کتابوں کی سندوں کے تحت مذکور ہیں۔

علوم وفنون کے تحت درج ذیل علوم اور ان کی سندوں کا ذکر ہے:

۱-علوم عقلیہ ۲-نحووصرف ۳-علم معانی ۴-علم لغت ۵-علم ادب ۶-فقہِ حنفی ۷-علم کلام، ماتریدی ۸-علم کلام، اشعری ۹-اصول فقہ ۱۰-اصول حدیث ۱۱-اسماء الرجال ۱۲-جرح وتعدیل ۱۳-طبقات وتاریخ ۱۴-سیرت نبوی ۱۵-تصوف ۱۶-تفسیر ۱۷-حدیث

کتابوں کے تحت علوم آلیہ میں:

۱-کافیہ ۲-شافیہ ۳-دلائل الاعجاز ۴-تلخیص المفتاح ۵-صحاح جوہری ۶-مقامات حریری کی سندیں مصنفین کتب تک مذکور ہیں۔

علم کلام میں ۱-مواقف عضدیہ ۲-عقیدۂ طحاویہ

اصول فقہ: ۱-اصول بزدوی ۲-توضیح

اصول حدیث ومتعلقات: ۱-الفیہ، عراقی ۲-تذہیب التہذیب، ذہبی ۳-اکمال، ماکولا ۴-کتاب الجرح والتعدیل، ابن ابی حاتم ۵-تذکرۃ الحفاظ، ذہبی

طبقات وتاریخ: ۱-کتاب الانساب، سمعانی ۲-طبقات ابن سعد ۳-طبقات صوفیہ ۴-طبقات صحابہ ۵-طبقات فقہا ۶-کامل، ابن اثیر

سیرت نبوی: ۱-شمائل ترمذی ۲-الشفا فی حقوق المصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا، امام قاضی عیاض ۳-دلائل النبوۃ، بیہقی ۴-سیرت ابن ہشام ۵-زاد المعاد، ابن

قیم ۶-سیرت حلبیہ ۷-مولد نبوی، ابن جوزی ۸-الدر المنظم فی المولد المعظم، امام احمد مغربی۔

تصوف:۱-احیاء العلوم۲-عوارف المعارف ۳-فتوحات مکیہ۴-منازل السائرین ۵-قوت القلوب ۶-رسالۂ قشیریہ ۷-حِکَم، سکندری ۸-غنیۃ الطالبین

تفسیر: ۱-جامع البیان، ابن جریر طبری ۲-تفسیر اسحٰق بن راہویہ ۳-تفسیر ابن ابی حاتم ۴-تفسیر سفیان بن عُیینہ ۵-تفسیر اسحٰق بن راہویہ ۶-تفسیر ابن مردویہ ۷-تفسیر قتادہ ۸-تفسیر ضحاک ۹-تفسیر مجاہد ۱۰-تفسیر ابی العالیہ ۱۱-تفسیر کواشی ۱۲-تفسیر قرطبی ۱۳-حقائق القرآن، سُلمی ۱۴-تفسیر ابن ابی شیبہ ۱۵-الکشف والبیان، ثعلبی ۱۶-تفسیر ماوردی ۱۷-تفسیر واحدی ۱۸-معالم التنزیل، بغوی ۱۹-کشاف، زمخشری ۲۰-تفسیر ابن عطیہ ۲۱-عین المعانی، سجاوندی ۲۲-تفسیر شیخ اکبر ۲۳-تفسیر بیضاوی ۲۴-مدارک التنزیل ۲۵-مفاتیح الغیب، تفسیر کبیر، امام رازی ۲۶-بحر محیط ۲۷-تفسیر جلالین

حدیث:۱- صحیح امام بخاری(۱۲سندیں) ۲-صحیح امام مسلم(۶ سندیں) ۳-سنن ابی داؤد۴-جامع ترمذی ۵-سنن نسائی ۶-سنن نسائی کبیر ۷-سنن ابن ماجہ ۸-مؤطاامام مالک ۹-مؤطاامام محمد ۱۰ تا ۱۳ مُسند امام ابوحنیفہ، بروایت مقری، بروایت خسرو، بروایت حارثی،بروایت امام ابویوسف ۱۴-جامع مسانید امام ابوحنیفہ ۱۵-مسند امام شافعی ۱۶-مسند امام احمد ۱۷-مسند دارمی ۱۸-مسند ابن راھویہ ۱۹-مسند طیالسی ۲۰-مسند عبد بن حُمید ۲۱-مسند ابن ابی شیبہ ۲۲-مسند ابو یعلی ۲۳-مسند یحیی بن عبدالحمید ۲۴-مسند بزار، کبیر ۲۵-مسند حُمیدی ۲۶-سنن دارقطنی ۲۷-صحیح ابن حبان ۲۸-سنن بیہقی ۲۹-صحیح ابی عوانہ ۳۰-معجم طبرانی ۳۱-مسند ابی بکرابن ابی شیبہ ۳۲-مسندالفردوس، دیلمی ۳۳-مستدرک حاکم ۳۴-شرح معانی الآثار ۳۵-سنن سعید ابن منصور ۳۶-مصابیح السنہ ۳۷-

مشکوٰۃ المصابیح ۳۸-مشارق الانوار ۳۹-مشکوٰۃ الانوار ۴۰-مصنَّف عبدالرزاق ۴۱-مستخرج، ابی نعیم ۴۲-صحیح ابن خزیمہ ۴۳-صحیح اسماعیلی ۴۴-الترغیب والترہیب، مُنذری ۴۶-ریاض الصالحین، امام نووی ۴۷-المنتقی، ابن جارود

شروح حدیث:۱-التنقیح لالفاظ الجامع الصحیح،بدر الدین زرکشی ۲-تعلیق المصابیح،دمامینی ۳-اللامع شرح جامع، قاضی عیاض ۴-عمدۃ القاری، عینی ۵-اکمال المعلم، قاضی عیاض ۶-المعلم شرح مسلم، مازری ۷-المفہم شرح مسلم، قرطبی ۸-منہاج،شرح مسلم للنووی ۹-فتح الباری شرح بخاری، عسقلانی ۱۰-تحفۃ القاری شرح بخاری ۱۱- توشیح،امام سیوطی

ان علوم وفنون اورکتابوں کی سندیں ذکرکرنے کے بعد کچھ اور سندیں بیان کی گئی ہیں جن میں سند فقہ شافعی، اورکئی احادیث مسلسلات اورمصافحات کی سندیں بھی ہیں۔ پھردلائل الخیرات، حزب البحراورحزب النووی کی سندیں ہیں۔

ان کے بعد طریقت وسلوک میں سلاسل قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ کی سندیں ہیں۔

جامع صحیح امام بخاری کی ۱۲/سندیں مذکور ہیں جن میں سے ایک سند یہاں تبرکاً درج کی جاتی ہے:

۱-بحر العلوم عبدالعلی محمد ۲-عن ابیہ شیخ نظام الدین محمد۳-شیخ غلام نقشبند لکھنوی ۴-شیخ پیر محمد لکھنوی ۵-شیخ اخوند حیدر پٹلو وشیخ نور الحق دہلوی ۶-عن ابی الثانی شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۷-عن اَبیہ شیخ سیف الدین ۸-شیخ سماء الدین ۹-شیخ سناء الدین دہلوی ۱۰-سید شریف علی بن محمد جرجانی ۱۱-اکمل الدین محمد بن محمود بابَرتی صاحب عنایہ شرح ہدایہ۱۲-اثیر الدین ابو حیان ۱۳-ابوعلی بن علی الحوص ۱۴-ابو القاسم بن بقی ۱۵-شریح بن محمد ۱۶-علی بن احمد بن سعید

بن عبد الرحمٰن حُلوانی ۱۷-حافظ ابو اسحٰق ابراہیم بن احمد مستملی ۱۸-محمد بن یوسف فِرَبرِي ۱۹-امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمہم اللہ تعالیٰ۔

"الدرالمنظوم" میں اَسنادِ سلاسل طریقت درج کرنے کے بعد آخر کتاب میں رسول اللہ ﷺ سے بتوسط صدیق اکبر بحالت بیداری بحر العلوم کی بیعت کا ذکر ہے۔اس کا واقعہ بعض تلامذۂ بحرالعلوم خصوصًا بحر العلوم کے داماد مولانا علاء الدین کی زبانی یوں لکھا ہے:

بحر العلوم نے جب لکھنؤ سے ہجرت کرکے شاہجہاں پور میں اقامت اختیار کی، اس زمانے میں ایک رات کو حسب عادت مکان کے بالائی حصے میں مصروف مطالعہ تھے اور طلبہ زیریں حصے میں مطالعہ کررہے تھے، اسی اثنا میں ایک صاحبِ ہیبت وجمال عربی شیخ نمودار ہوئے اور طلبہ سے پوچھا: مولانا کہاں ہیں: انھوں نے مکان کے بالائی حصے کی طرف اشارہ کیا۔وہ شیخ زینہ طے کرکے اوپر گئے، بحرالعلوم کو سلام کیا، انھوں نے جواب دیا پھر کسی اہم مطالعہ میں مشغول ہوگئے۔شیخ نے کہا: آپ مہمان کا اکرام نہیں کرتے؟ اب بحر العلوم نے کتاب بند کردی اور شیخ کی طرف متوجہ ہوگئے۔انھوں نے فرمایا: اٹھو میرے ساتھ چلو، ایک باعظمت ہستی نے تم کو بلایا ہے۔بحرالعلوم ان کے ساتھ ہوگئے، یہاں تک کہ ایک باغ میں پہنچے، وہاں ایک درخت کے نیچے ایک باہیبت، نقاب پوش سوار کوپایا۔شہسوار نے کہا: کیاتمھیں معلوم ہے کہ شیطان تمھارے نبی ﷺ کی صورت اختیار نہیں کرسکتا؟ بحرالعلوم نے جواب دیا: ہاں یہ حدیث صحیح سے ثابت ہے۔سوار نے فرمایا: کیاتمھیں اپنے نبی ﷺ کا حلیہ یادہے؟ بحر العلوم نے عرض کیا: ہاں یاد ہے اور پورا حلیہ بیان کردیا۔اب انھوں نے اپنا چہرۂ انور کھولا اور فرمایا : مجھے پہچانتے ہو، میں تمھارا نبی ہوں اور یہ ابو بکرصدیق ہیں، پھر چادر بچھائی، سب لوگ بیٹھ گئے، سرکار نے

بیعت کا حکم دیا اور بحر العلوم نے سرکار کے دست پاک پر بیعت کی۔
ایک طالب علم خفیہ طور پر بحر العلوم کے ساتھ لگ گئے تھے، یہاں کا معاملہ انھوں نے موجودین کی نظر سے اپنے کو بچاتے ہوئے دور سے دیکھا۔ جب بحر العلوم واپس ہوئے اور گھر پہنچ گئے تو طالب علم نے نماز فجر کے بعد بحرالعلوم سے رات کا معاملہ دریافت کیا، انھوں نے بتانے سے پہلو تہی کی، طالب علم نے کچھ چشم دید باتیں بیان کردیں اور باصرار دریافت کیا تو بحر العلوم نے پوری حقیقت بیان کی، اور افسوس ظاہر کیا کہ طالب علم وہاں پہنچ کراس عظیم نعمت سے محروم رہ گیا۔
گر کوئی شخص بحر العلوم سے اس طریق میں بیعت پر اصرار کرتا تو اس کے لیے اپنی سند یوں لکھ کردیتے:
”عبد العلی محمد عن الصدیق الاکبر عن رسول اللہ ﷺ"
صاحب در منظوم لکھتے ہیں:
یہ ایسی عظیم نوازش اور بزرگ نعمت ہے جس سے عظیم عارفین ہی سرفراز ہوتے ہیں۔ اس بیعت کی صحت میں ذرا بھی شک نہیں، اس لیے کہ بحالت بیداری سرکار کے دیدار وملاقات کے ثبوت پر اجماع قائم ہے اور اس بارے میں متواتر خبریں موجود ہیں۔ ”مناہل“ میں لکھا ہے کہ اس اجماع کی تصدیق اِس سے ہوتی ہے کہ دیکھا جاتا ہے کہ راتوں میں شہدا کی روحیں گھوڑوں پر سوار ہوکر نکلتی ہیں اور اپنے ملنے والے اہل دنیا سے ہم کلام ہوتی ہیں۔انتہی۔
امام جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور بشرح أحوال الموتی والقبور، باب زیارة القبور وعلم الموتی بزُوّارِهم ورو یتهم لهم کے تحت بہت سے واقعات کتبِ قُدَما سے نقل کیے ہیں جن میں شہدا اور اموات کے سوار ہونے،سفر کرنے اور اَحیا سے ملاقات کرنے، گفتگو کرنے، مدد پہنچانے

وغیرہ کا ذکر ہے۔

بحرالعلوم کا علوم نقلیہ وعقلیہ میں کمال تو معلوم ومعروف ہے لیکن واقعۂ مذکورہ سے اس بات کی بھی تصدیق ہوجاتی ہے کہ وہ اپنے والد اور جد امجد علیہما الرحمہ کی طرح طریقت ومعرفت میں بھی بڑا اونچا مقام رکھتے تھے۔رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ ورحمنابہ، والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ وعلی آلہ وصحبہ وعلماء دینہ وأولیاء أمتہ اجمعین.

صد سالہ امام احمد رضا کانفرنس

آج ہم **خانقاہ ایوبیہ**، پیپرا کنک، ضلع کشی نگر، یوپی کے زیر اہتمام **صد سالہ جشن امام احمد رضا قدس سرہ** (ولادت: ۱۰؍ شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴؍ جون ۱۸۵۶ء، شنبہ -وصال: ۲۵؍ صفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۸؍ اکتوبر ۱۹۲۱ء، جمعہ) **منعقدہ** ۲۸؍ ۲۹؍ ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ مطابق ۵؍ ۶؍ جنوری ۲۰۱۹ء شنبہ، یک شنبہ بمقام **شہر ممبئی**، مہاراشٹر میں شرکت کے لیے حاضر ہیں۔

مقصد ہے امام احمد رضا قدس سرہ کا ذکر جمیل، ان کے نقوشِ حیات کا تعارف اور ان کی فکری و قلمی خدمات کا تذکرہ۔ ربّ کریم اس مقصد خیر میں کام یابی اور شرف قبول سے نوازے۔

امام احمد رضا کے جلال و جمال کا ایک رخ وہ ہے جو ان کی تصانیف میں جلوہ نما ہے۔ اور دوسرا رخ وہ ہے جو ان کی خانگی و عائلی زندگی میں پنہاں ہے —— دونوں ہی رخ بڑے تاب ناک، بہت بصیرت افروز اور عبرت انگیز ہیں۔

ان کی تصانیف کا معتدبہ اور قابل قدر ذخیرہ آج دنیا کے سامنے ہے اور ایک جہان اس سے فیض یاب ہو رہا ہے۔ دوسرا رخ ہمیں ان کے اہل خاندان اور قریبی خدام سے معلوم ہوتا ہے اور بصیرت و عبرت کے دل کش نقوش ثبت کرتا ہے۔

میں نے ان کی حیات اور نگارشات کا اپنی بساط کے مطابق کسی حد تک مطالعہ کیا ہے اور اپنے بعض مقالات اور درج ذیل دو کتابوں میں بہت کچھ بیان بھی کیا ہے۔

(۱) امام احمد رضا اور تصوف۔ اشاعت اول ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء- المجمع الاسلامی

(۲) امام احمد رضا کی فقہی بصیرت -جد الممتار کے آئینے میں -اشاعت اول: ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۳ء۔

حال ہی میں ان کے فتاوی کے محاسن اور خصوصیات پر ایک ہزار تین سو بانوے

(۱۳۹۲) صفحات پر مشتمل تین جلدوں میں ایک مجموعہ تیار کیا گیا ہے جو ان شاء المولی تعالی اہل علم کی ضیافتِ فکر و نظر کا خوانِ گراں بہا ہوگا۔ نام یہ ہے:

"فتاوی رضویہ: جہانِ علوم و معارف"

آج اور کل کے سیمینار میں بھی آپ مختلف عنوانات پر بہت سے قیمتی مقالات سے محظوظ و مسرور ہوں گے، ان شاء المولی الموفّق القدیر۔

میں یہاں صرف چند واقعات اور عبارات ذکر کرنا چاہتا ہوں **جن سے میں بہت زیادہ متاثر ہوا** اور امید کرتا ہوں کہ آپ بھی اگر غور کریں گے تو متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔

(۱)

بھائیوں میں جب باپ کی زمین، جائداد کا بٹوارہ ہوتا ہے تو بکثرت باہمی ناراضی اور کدورت کی صورت رونما ہوتی ہے۔ ہر ایک کو وہم ہوتا ہے کہ مجھے حصہ کم ملا یا خراب ملا اور دوسرے کو زیادہ ملا یا اچھا ملا۔ یہ کدورت بڑھتی ہے تو مخاصمت اور مقدمہ بازی کی نوبت آتی ہے، عداوت اور بڑھی تو تلواریں نکل آتی ہیں، گولیاں چلتی ہیں، کُشت و خون کا بازار گرم ہوتا ہے اور رشتۂ اخوت تار تار نظر آتا ہے۔ جب کہ خون کی یگانگت اور رشتے کی قربت کا تقاضا یہ تھا کہ کمی بیشی کو نظر انداز کر کے سب اپنے اپنے حصّوں پر خوش ہوتے، باہمی مودّت و محبت بر قرار رکھتے اور فتنہ پردازوں کو اثر انداز ہونے کا موقع نہ دیتے۔

یہ دنیا کا حال ہے، اعلی حضرت کا حال کیا تھا؟ یہ ہمیں ان کے برادر زادے مولانا **حسنین رضا خاں ابن مولانا حسن رضا خاں** علیہما الرحمہ سے معلوم ہوتا ہے۔

اعلی حضرت کے والد ماجد **علامہ نقی علی خاں** علیہ الرحمہ ایک طرف روہیل کھنڈ کے شہرت یافتہ مفتی، بریلی کے سب سے زبردست عالم و متقی اور امام المتکلّمین تھے، دوسری طرف سات گاؤں کے زمیندار، معافی دار اور معزز رؤساے شہر میں سے ایک تھے۔

ان کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں، چھوٹی صاحب زادی جوانی ہی میں انتقال کر گئیں،

بیٹوں کے نام یہ ہیں: سب سے بڑے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں پھر مولانا حسن رضا خاں پھر مولانا محمد رضا خاں، دو بہنیں جو زندہ تھیں وہ اعلیٰ حضرت سے بڑی تھیں۔

والد ماجد کی زندگی کا ابھی ۵۲ واں سال تھا کہ انھیں اندازہ ہوا کہ اب زیادہ رہنا نہ ہو گا، جائداد تقسیم کر دینی چاہیے تاکہ بعد کو کوئی نزاعی صورت نہ پیدا ہو——— باپ کو اختیار ہے کہ اپنی جائداد اپنے ورثہ میں کم و بیش جیسے چاہے تقسیم کر دے مگر تَسویہ بہتر ہے اور اگر اولاد میں کسی کے اندر دینی فضل و شرف زیادہ دیکھے یا کوئی خاص مصلحت جانے تو تفضیل میں بھی کوئی کراہت نہیں۔

اب تقسیم کا حال مولانا حسنین رضا خاں علیہ الرحمۃ کی زبانی سنیے:

اعلیٰ حضرت قبلہ کے والد ماجد نے اپنے دوران علالت علاقے کی تقسیم کا دفعۃً ارادہ کر لیا، اور دو موضعوں کی حقّیت اپنی دونوں بیٹیوں کو دے کر باقی مسلّم موضعات اعلیٰ حضرت قبلہ کو لکھے، اور پچاس پچاس روپے ماہ وار اُن کے دونوں بھائیوں کو ان موضعات کی آمدنی سے دینا لکھے۔

وہ دونوں بھائی مولوی حسن رضا خاں اور مولوی محمد رضا خاں اعلیٰ حضرت قبلہ سے چھوٹے تھے۔ عم مکرم مولوی محمد رضا خاں تو بہت کم عمر تھے، ان دونوں میں اتنی بڑی جائداد کی تقسیم کے معاملے کو سمجھنے کا شعور بھی نہ ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے اس وقت ان دونوں کی وکالت فرمائی۔

مذکورہ بالا مسوّدہ جب ان کے والد ماجد نے ان کی والدہ محترمہ کو دیا کہ وہ امّن میاں (اعلیٰ حضرت قبلہ) کو دکھالیں تو میں اسے رجسٹری کرادوں۔ والدہ صاحبہ نے وہ مسوّدہ اعلیٰ حضرت کو دیا، آپ نے دیکھا، دیکھ کر آب دیدہ ہو گئے، چہرہ تمتمانے لگا، فرمایا کہ اس مسوّدے کی دونوں باتیں مجھے نامنظور ہیں، نہ مجھے اپنے بھائیوں کے حصّوں کی کمی منظور ہے اور نہ میں ان کو اپنا دست نِگر بنانا پسند کرتا ہوں۔ میری خوشی یہ ہے کہ برابر کے تین حصّے کر دیے جائیں اور ہر ایک کا حصہ اس کے نام لکھ دیا جائے جس کا ہے۔

اعلیٰ حضرت کی والدہ ماجدہ نے ان کا یہ جواب ان کے پدر بزرگوار کو پہنچا دیا، تو اعلیٰ حضرت کے والد ماجد نے ان کی والدہ محترمہ سے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ اس دنیا میں امّن میاں دین ہی کی خدمت کریں گے اور ان کے یہ دونوں بھائی اور کچھ دنیا کما کر ان پچاس پچاس روپے میں اضافہ کر لیا کریں گے، جو ان کے گزارے کے لیے کافی ہوگا۔

مگر اعلیٰ حضرت قبلہ کسی طرح راضی نہ ہوئے تو والد ماجد نے دوسرا مسوّدہ لکھا۔ اس میں کل کی آدھی جائداد اعلیٰ حضرت قبلہ کو لکھی اور بقیہ آدھی جائداد میں ان دونوں بیٹوں کو برابر کا شریک کر دیا۔

یہ مسوّدہ بھی اعلیٰ حضرت قبلہ کی والدہ ماجدہ کو دیا کہ امّن میاں کو دکھاؤ اور ان سے کہہ دو کہ اب اس میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی، میں تم کو بحقِ پدری حکم دیتا ہوں کہ تم اسے مان لو تو جلد ہی رجسٹری ہو جائے۔ چناں چہ وہ مسوّدہ رجسٹری ہو گیا۔ اور چند ہی روز کے بعد حضرت مولانا نقی علی خاں والد ماجد اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے وفات پائی۔

مگر قصہ اسی پر ختم نہیں ہوتا، آگے کا حال بھی بڑا عبرت انگیز اور سبق آموز ہے، وہ بھی انھی کی زبانی سنیے - فرماتے ہیں:

ان کی وفات کے بعد اعلیٰ حضرت نے اپنی والدہ ماجدہ کو اس بات پر راضی کیا کہ آپ گھر کا نظم اس طرح کریں کہ زیادہ روپیہ پس انداز ہو، اور بچت کے روپے سے دوسری جائداد خرید کر میرے دونوں بھائیوں کی جائداد میری جائداد کے برابر کریں۔

[اس فرمائش کی تکمیل کی جو صورت قدرتی طور پر رونما ہوئی وہ بھی عجیب و غریب ہے۔ مختصر یہ کہ] اس جائداد کے ملحقہ حصے حضرت مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمۃ کے چار بھائیوں کے پاس تھے، ان میں نزاع اور مقدمہ بازی کی صورت پیدا ہوئی، انھوں نے اپنے حصے بیچنا شروع کیے، اِدھر سے خریداری شروع ہوئی، سات آٹھ سال یہی نقشہ رہا، پھر مقدمہ بازی بھی بند ہوئی اور خریداری بھی بند ہو گئی۔

ہمیں تو اعلیٰ حضرت کی ذات پر بڑا فخر ہے کہ انھوں نے میرے باپ اور چچا کو زمیندار

بنایا، ورنہ یہ دونوں پچاس پچاس روپے ماہ وار پاتے اور عمر بھر دنیا کی کش مکش میں پڑے رہتے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ اگر تارک الدنیا ہو کر ساری جائداد بھائیوں کو دے دیتے تو کوئی کمال نہ تھا۔ مگر دنیا میں رہ کر دنیا کو اتنی زبردست ٹھوکر جمانا انھیں کا دل گردہ تھا۔

[یہ اُس وقت ہوا جب اعلیٰ حضرت کی عمر صرف بائیس (۲۲) سال تھی] اس عمر میں ہر آدمی امیدوں، آرزوؤں، ارمانوں، امنگوں کی رَو میں بہتا ہے، اس عمر میں اُسے بڑا لالچ ہوتا ہے اور تحصیلِ زر کے سلسلے میں حلال و حرام کا بھی امتیاز نہیں کیا جاتا۔

(سیرت اعلیٰ حضرت۔ از مولانا حسنین رضا خاں علیہ الرحمۃ۔ ص: ۹۷، ۹۸۔ اشاعت کان پور، سنہ ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء)

یہ ہے امام احمد رضا قدس سرہ کی عائلی زندگی جو پیری میں نہیں عنفوانِ شباب میں سامنے آئی، اس تاب ناک باطن کی خبر باہر والوں کو کیا ہوگی، گھر والوں نے جانا، محفوظ رکھا اور بیان کیا۔

بہت ایسا ہوتا ہے کہ ظاہر بڑا دیدہ زیب ہوتا ہے مگر باطن کا جائزہ لیجیے تو سیاہی پر سیاہی کی پرتیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔ ع خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے

(۲)

اب ایک اور واقعہ ذکر کرنا چاہتا ہوں جو ایک طرف بھائی کی محبت، بے لوث خدمت انتہائی وفاداری اور قدر شناسی کا مظہر ہے تو دوسری طرف اِس بات کی علامت ہے کہ ربِّ قدیر و کریم جب کسی بندے کو خاص اپنے کام کے لیے منتخب فرمالیتا ہے تو اس کے لیے پردۂ غیب سے ایسے اسباب و اعوان فراہم کر دیتا ہے جو بندے کے وہم و گمان سے باہر ہوتے ہیں۔

اس واقعے کا تعلق بھی گھریلو زندگی سے ہے اور گھر والوں ہی کے بیان سے ہمارے علم میں آتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے برادر اوسط مولانا حسن رضا خاں کے فرزند اوسط مولانا حسنین رضا خاں فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت قبلہ کی دو بیٹیوں کی شادی ہونے والی تھی، دونوں کے نکاح حسبِ دستورِ خاندان پہلے ہی ہو چکے تھے، رخصتی کا جب تقاضا ہوا تو مولانا حسن رضا خاں اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ بھائی جان! حاجی احمد اللہ خاں صاحب (سمدھی) کا رخصتی کے لیے تقاضا آیا ہے، وہ آپ سے بیاہ کی تاریخ مانگتے ہیں۔ میری راے یہ ہے کہ ہم دونوں بیٹیوں کی شادی ایک ساتھ کیوں نہ کر دیں۔

اعلیٰ حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ ایک بیٹی کی شادی کوئی آسان کام نہیں، نہ کہ ایک ساتھ دو کی۔ بیٹی کی شادی میں لوگ بڑے ساز و سامان کرتے ہیں۔ تم نے کچھ ضروری سامان بھی کر لیا ہے یا یوں ہی مجھ سے تاریخ مقرر کرانے آ گئے؟

مولانا حسن رضا خاں نے عرض کیا: سامان کی تیاری سے متعلق گھر میں بھابی جان سے دریافت فرما لیجیے۔

اعلیٰ حضرت نے جا کر اہلیہ محترمہ سے پوچھا کہ بیٹیوں کی شادی کے لیے کیا کیا سامان تیار ہو گیا اور کیا کمی رہ گئی ہے؟

بی بی صاحبہ نے عرض کیا: ہمارے پاس تو مسالے بھی پسے تیار رکھے ہیں۔ دونوں کے جہیز مکمل ہو گئے ہیں۔ برات میں کھانے دانے کا کل سامان مہیا ہو چکا ہے۔ صرف تاریخ کی دیر ہے۔

اعلیٰ حضرت قبلہ نے جب بی بی صاحبہ سے یہ الفاظ سنے تو وفورِ مسرت سے آب دیدہ ہو گئے۔ آ کر فرمایا: حسن میاں! تم نے مجھے دنیا سے بالکل بے نیاز کر دیا ہے۔ میری بیٹیوں کی شادیاں ہیں۔ میں ان کا باپ ہوتے ہوئے بالکل بے خبر اور آزاد بیٹھا ہوں۔ تم نے مجھے یہ سوچنے کی بھی زحمت نہ دی کہ جہیز میں کیا کیا دیا جائے گا؟ اور وہ کہاں کہاں سے فراہم ہو گا؟ یا یہ کہ برات میں کیا کیا کھانے دیے جائیں گے؟

آب دیدہ ہوکر فرمایا کہ حسن میاں! جو کچھ میں دین کی خدمت کر رہا ہوں اس کے اجر میں باذن اللہ حصہ دار تم بھی ہو۔ اس واسطے کہ تمھیں نے مجھے دینی خدمات کے لیے دنیا سے آزاد کر دیا ہے ـــــ اس پر مولانا حسن رضا خاں رو پڑے ـــ قدرے سکون کے بعد تاریخ بھی مقرر فرمادی۔ (سیرت اعلی حضرت۔ اشاعت مذکور، ص:۵۶، ملخصًا)

یہ ایک واقعہ ہے، لیکن بات یہیں تک محدود نہیں، ایک بھرا پُرا گھر شریفانہ اور رئیسانہ رکھ رکھاؤ کے ساتھ چلانے کے لیے کیا کچھ جتن کرنے پڑتے ہیں یہ ایسے گھر والے خوب جانتے ہیں۔ دوسرا کام زمینداری کا تھا۔ جائداد کی نگرانی، اسامیوں سے معاملت، وصول تحصیل کی دقتیں، تقاضے کے لیے بار بار کا چکر، کسی نے دیا، کسی نے ٹالا، کسی نے کچھ ادا کیا باقی کے لیے پھنسا کر رکھا، کبھی جائداد کا خطرہ، کبھی رقم ڈوبنے کا اندیشہ، کبھی مقدمہ بازی کی نوبت۔ یہ پریشانیاں کوئی زمیندار ہی بیان کر سکتا ہے جو اُس دور سے گزرا ہو۔ اعلی حضرت اگر زمینداری اور خانہ داری میں مشغول ہوتے تو تصنیف و تالیف، اصلاح وارشاد اور ردّ و افتا کا کام کتنا ہوتا، بہت واضح ہے۔

مولانا حسن رضا خاں علیہ الرحمۃ گھر کے چھوٹے چھوٹے معاملات سے لے کر زمینداری کے بڑے بڑے معاملات تک سب اس خوش اسلوبی سے انجام دیتے کہ اعلی حضرت پر کوئی عملی بار کیا آتا، فکری اور ذہنی بار سے بھی بے نیاز تھے۔

حد یہ کہ "مولانا موصوف ہفتہ عشرہ میں اپنے یہاں سے دو قلم بنا کے لے جاتے اور اعلی حضرت کے قلم دان میں رکھ آتے، اور ان کے گھسے ہوئے قلم خود لے آتے، انھیں اتنی فرصت کہاں کہ لکھنا چھوڑ کر قلم بنائیں، اگر لکھتے لکھتے قلم کی نوک ایک طرف کی گھس جاتی تو دوسری نوک سے لکھنے لگتے، مضمون کی آمد میں خلل نہ آنے دیتے۔

مولانا حسن رضا خاں جب تحصیل، وصول کے لیے گاؤں جاتے تو پہلے اپنی بڑی بھاوج کے گھر آتے، وہ جہاں گھی، تیل، ایندھن اور غلّوں کے وزن وغیرہ معلوم کرتے وہیں چار پائیاں، تخت، چوکی وغیرہ کے متعلق دریافت کرتے کہ گھر میں اگر ان چیزوں کی کمی ہو تو یہ

سامان بھی گاؤں سے بن کر غلہ، ایندھن وغیرہ کی گاڑیوں میں آجائے ——— ایک بزاز مقرر کر رکھا تھا جو ہر فصل پر فصلی ضرورت کے کپڑوں کے تھان لاتا، وہ کپڑا اپنی بھاوج صاحبہ سے پسند کراتے اور سارے گھر کا کپڑا خرید کر دیتے۔ صرف روزانہ کا ترکاری، گوشت ایسا تھا جو اعلی حضرت قبلہ کا ڈیوڑھی بان لایا کرتا تھا۔ غرضے کہ انھوں نے جس لگن کے ساتھ علاقہ وجائداد کا کام کیا اسی انہاک سے اعلی حضرت قبلہ کی دیگر خدمات بھی انجام دیں۔

جب ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء میں ان کی وفات ہوگئی تو ان کی جگہ ان کے چھوٹے بھائی **مولوی محمد رضا خاں** آئے اور سارے کام سنبھالے، انھوں نے اپنے انتظام سے اعلی حضرت کے ایک بیٹے اور دو بیٹیوں کی شادیاں کیں اور **مولانا حسن رضا خاں** نے اپنے اہتمام سے اعلی حضرت کے ایک بیٹے اور تین بیٹیوں کی شادیاں کیں، اس طرح کل سات شادیاں ہوئیں، نکاح اعلی حضرت نے پڑھائے۔

ان دونوں بھائیوں نے انھیں دنیا کی چپقلش سے دور رکھا، حالاں کہ ان کی دنیا کافی بڑی تھی۔ قدرت نے اعلی حضرت قبلہ کے ذمہ دین ہی کی خدمت سپرد کی تھی، اس لیے ان کو دنیا سے بالکل بے نیاز کر دیا تھا، ایسا کہ انھیں اس طرف دیکھنے کی بھی ضرورت نہ پڑی۔“

(سیرت اعلی حضرت۔ از مولانا حسنین رضا خاں، داماد و برادر زادۂ اعلی حضرت علیہما الرحمہ۔ ص:۵۵ تا ۵۷۔ ملخصًا۔ اشاعت کان پور سنہ ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء)

میں جائداد کی تقسیم اور انتظامِ خانگی و زمینداری سے متعلق واقعات مزید کوئی تبصرہ کیے بغیر چھوڑتا ہوں، جب آپ ان پر غور کریں گے تو بہت کچھ پائیں گے۔

(۳)

اب آئیے اعلی حضرت قدس سرہ کی زندگی کا وہ رخ دیکھیں جو ایک جہان کے سامنے ہے۔ پچاس سے زیادہ علوم میں ان کی تصانیف جلیلہ ہیں، ان میں وہ علوم بھی ہیں جن سے بہرہ ور لوگ کم سے کم تر ہیں بلکہ بعض فنون میں ان کے علمی رُشحاتِ قلم کی عقدہ کشائی کرنے والے بھی اب ناپید ہوتے جا رہے ہیں یا ہو چکے ہیں۔

مگر میں غامض اور دقیق بحثوں سے ہٹ کر اس اجلاس میں آپ کے سامنے ایک صاف اور واضح بات رکھنا چاہتا ہوں۔

جو لوگ اسالیب کلام کی معرفت رکھتے ہیں انھیں معلوم ہے کہ درسی اُسلوب الگ ہوتا ہے، (اسٹیج کا) تقریری اُسلوب الگ، قلمی انداز الگ ہوتا ہے زبانی انداز الگ، فنی اور علمی طرز تحریر الگ ہوتا ہے ادبی اور صحافتی طرز تحریر الگ، اسی طرح افتا کا اُسلوب الگ ہوتا ہے اور اصلاح و موعظت کا اسلوب الگ۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ امام احمد رضا قدس سرہ کے فتاوی میں افتا کے ساتھ اصلاح و موعظت کا رنگ بھی جھلکتا ہوا نظر آتا ہے اور بعض فتاوی میں اسلوبِ افتا پر اصلاح و موعظت کا اُسلوب غالب نظر آتا ہے، اس لیے کہ وہ صرف دقیقہ رس مفتی ہی نہ تھے، زبردست مجدّد اور مصلح بھی تھے —— وہ صرف حکم شرعی بتا کر کنارہ کشی نہ چاہتے تھے بلکہ حالات میں انقلاب اور لوگوں کی زندگی میں سُدھار اور نکھار بھی چاہتے تھے۔

آج سے تقریبًا **چالیس (۴۰) سال** قبل جب برادر گرامی **مولانا یسین اختر مصباحی** کی کتاب **"امام احمد رضا اور ردّ بدعات و منکرات"** پر میں نے "تقریب" لکھی تھی تو اس عنوان (فتاوی میں اسلوب اصلاح و موعظت) کے تحت چند شواہد پیش کیے تھے اور امید ظاہر کی تھی کہ کوئی صاحبِ قلم اس موضوع کو مبسوط انداز میں سیراب کریں گے لیکن اتنے طویل عرصے میں اس پر کوئی قابل ذکر قلمی کاوش نظر نہ آئی۔ میرے چند طلبہ نے اس پر جزوی کوشش کی ہے مگر اس میں ابھی کافی اضافے کی ضرورت ہے۔

میں یہاں اس اُسلوب کا صرف ایک نمونہ پیش کرنا چاہتا ہوں جسے دیکھ کر ایسے بہت سے فتاوی تلاش کیے جاسکتے ہیں۔

———— ○ ————

فتاوی رضویہ، جلد سوم، کتاب الصلاۃ میں ایک سوال یہ ہے کہ ایک شخص ہمیشہ قیلولہ اس طرح کرتا ہے کہ اس کی ظہر کی جماعتِ اُولی ترک ہوجاتی ہے۔ اور عذر اس کا خوفِ فوتِ

تہجد ہے۔ جائز ہے یا نہ؟

اب جواب کا انداز اور اصلاح حال کی بھرپور کوشش ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

اس مسئلہ میں جوابِ حق، وحقِّ جواب یہ ہے کہ عذرِ مذکور فی السوال، سرے سے بے ہودہ و سراپا اِہمال ہے۔ وہ زعم کرتا ہے کہ سنتِ تہجد کا حفظ وپاس، اسے تفویتِ جماعت پر باعث ہوتا ہے۔ اگر تہجد بروجہِ سنت ادا کرتا تو وہ خود فوتِ واجب سے اس کی محافظت کرتا نہ کہ الٹا فوت کا سبب ہوتا۔

قال اللہ عزوجل : اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ. بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔

سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عليكم بقيامِ الليل فانه دابُ الصالحين قبلكم وقربةٌ إلى الله تعالى ومَنْهَاةٌ عن الاثم وتكفيرٌ للسيّآت ومَطْرَدةٌ للدّاء عن الجسد۔[1]

تہجد کی ملازمت کرو کہ وہ اگلوں کی عادت ہے اور اللہ عزوجل سے نزدیک کرنے والا اور گناہوں سے روکنے والا اور برائیوں کا کفارہ اور بدن سے بیماری دور کرنے والا۔

توفوتِ جماعت کا الزام تہجد کے سر رکھنا قرآن وحدیث کے خلاف ہے —— اگر میزانِ شرعِ مطہر لے کر اپنے احوال وافعال تولے تو کھل جائے کہ یہ الزام خود اسی کے سر تھا۔

یاھذا۔ سنت ادا کیا چاہتا ہے تو بروجہ سنت ادا کر —— یہ کیا کہ سنت لیجیے اور واجب فوت کیجیے —— ذرا بگوشِ ہوش سن! اگرچہ حق تلخ گزرے۔ وسوسہ ڈالنے والے نے تجھے یہ جھوٹا بہانہ سکھایا کہ اسے مفتیانِ زمانہ پر پیش کرے —— جس کا خیال ترغیباتِ تہجد کی

(۱) (١) رواه الترمذي في جامعه. وابن أبي الدنيا فى التهجد. و ابن خزيمة في صحيحه. والحاكم فى المستدرك وصححه. والبيهقي في سننه عن أبي أمامة الباهلي. (٢) وأحمد. والترمذي وحسنه. والحاكم والبيهقي عن بلال. (٣) والطبراني فى الكبير عن سلمان الفارسي. (٤) وابن السني عن جابر بن عبدالله. (٥) وابن عساكرعن أبى الدرداء رضي الله تعالى عنهم أجمعين.ص: ٣٣٠، فتاوى رضويه،ج: ٣.

طرف جائے، تجھے تفویتِ جماعت کی اجازت دے۔ جس کی نظر تاکیداتِ جماعت پر جائے، تجھے ترک تہجد کی مشورت دے کہ "مَنِ ابْتُلِيَ بِبَلِيَّتَيْنِ اخْتَارَ أَهْوَنَهُمَا"۔ بہرحال مفتیوں سے ایک نہ ایک کے ترک کی دستاویز نقد ہے۔ مگر حاشا! خدام فقہ و حدیث، نہ تجھے تفویتِ واجب کا فتویٰ دیں گے نہ عادیِ تہجد کو ترکِ تہجد کی ہدایت کرکے، ارشاد حضور سید الاسیاد ﷺ:

"یاعبدَالله لاتکُنْ مِثْلَ فُلَانٍ كَانَ يَقُوْمُ اللَّيْلَ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ"[1].

کا خلاف کریں گے۔

تہجد و جماعت میں تعارض نہیں ان میں کوئی دوسرے کی تفویت کا داعی نہیں —— بلکہ یہ ہواے نفس شریر و سوے طرز تدبیر سے ناشی (پیدا) ہوا۔

❶ یا ھذا- اگر تو وقت جماعت جاگتا ہوتا اور بطلب آرام پڑا رہتا ہے۔ جب تو صراحۃً آثم و تارک واجب —— اور اس عذر باطل میں مبطل و کاذب ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الْجَفَاءُ كُلُّ الْجَفَاءِ، وَالْكُفْرُ وَالنِّفَاقُ مَنْ سَمِعَ مُنَادِيَ اللهِ يُنَادِي إِلَى الصَّلاةِ فَلا يُجِيبُهُ.

ظلم پورا ظلم۔ اور کفر اور نفاق ہے کہ آدمی اللہ کے منادی کو نماز کی طرف بلاتا سنے اور حاضر نہ ہو۔

❷ اور اگر ایسا نہیں تو اپنی حالت جانچ —— کہ یہ فتنۂ خواب کیوں کر جاگا؟[2] اور یہ فسادِ عُجاب کہاں سے پیدا ہوا؟ —— اس کی تدبیر کر۔

(الف) کیا تو قیلولہ ایسے تنگ وقت کرتا ہے کہ وقتِ جماعت نزدیک ہوتا ہے ناچار ہوشیار نہیں ہونے پاتا؟ —— یوں ہے تو اول وقت خواب کر اولیاے کرام قدسنا

---

(۱) رواه الشيخان عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضی الله تعالٰی عنهما. فتاوی رضویه.

(۲) اس جملے پر قربان جائیے۔ محمد احمد مصباحی

اللہ تعالیٰ بأسرارھم نے قیلولہ کے لیے خالی وقت رکھا ہے جس میں نماز و تلاوت نہیں۔ یعنی ضحوۂ کبریٰ سے نصف النہار تک۔ وہ فرماتے ہیں کہ چاشت وغیرہ سے فارغ ہوکر خواب خوب ہے کہ اس سے تہجد میں مدد ملتی ہے ——— اور ٹھیک دوپہر ہونے سے کچھ پہلے جاگنا چاہیے کہ پیش از زوال وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر وقتِ زوال کہ ابتدائے ظہر ہے ذکر و تلاوت میں مشغول ہو۔ ظاہر ہے کہ جو پیش از زوال بیدار ہولیا اس سے فوت جماعت کے کوئی معنی ہی نہیں۔

(ب) کیا اس وقت سونے میں تجھے کچھ عذر ہے؟ ——— اچھا! ٹھیک دوپہر کو سو ——— مگر نہ اتنا کہ وقت جماعت آجائے ——— ایک ساعت قلیلہ قیلولہ بس ہے۔

اگر طولِ خواب سے خوف کرتا ہے:

① تکیہ نہ رکھ، بچھونا نہ بچھا۔ کہ بے تکیہ و بے بستر سونا بھی مسنون ہے۔

② سوتے وقت دل کو خیالِ جماعت سے خوب متعلق رکھ کہ فکر کی نیند غافل نہیں ہوتی۔

③ کھانا حتی الامکان علی الصباح کھا کہ وقت نوم تک بخاراتِ طعام فرو ہولیں اور طولِ منام کے باعث نہ ہوں۔

④ سب سے بہتر علاج تقلیلِ غذا ہے، سید المرسلین ﷺ فرماتے ہیں:

مَا مَلأَ ابْنُ آدَمَ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنِهِ بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ أُكْلاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ فَإِنْ كَانَ لا مَحَالَةَ فَثُلُثٌ لِطَعَامِهِ وَثُلُثٌ لِشَرَابِهِ وَثُلُثٌ لِنَفَسِهِ.

رواہ الترمذی وحسنہ وابن ماجه وابن حبان عن المقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنه.

آدمی نے کوئی برتن پیٹ سے بدتر نہ بھرا۔ آدمی کو بہت ہیں چند لقمے جو اس کی پیٹھ سیدھی رکھیں۔ اور اگر یوں نہ گزرے تو تہائی پیٹ کھانے کے لیے، تہائی پانی، تہائی سانس کے لیے۔ پیٹ بھر کر قیام لیل کا شوق رکھنا، بانجھ سے بچہ مانگنا ہے۔ جو بہت کھائے گا بہت

پیے گا، جو بہت پیے گا بہت سوئے گا۔ جو بہت سوئے گا آپ ہی یہ خیرات وبرکات کھوئے گا۔

⑤ یوں بھی نہ گزرے تو قیام لیل میں تخفیف کر ــــــ دو رکعتیں خفیف وتام۔ بعد نماز عشا ذرا سونے کے بعد۔ شب میں کسی وقت پڑھنی۔ اگرچہ آدھی رات سے پہلے۔ ادائے تہجد کو بس ہیں۔ مثلاً نو بجے عشا پڑھ کر سو رہا۔ دس بجے اٹھ کر دو رکعتیں پڑھ لیں۔ تہجد ہوگیا۔

⑥ سوتے وقت اللہ عزوجل سے توفیق جماعت کی دعا ــــــ اور اس پر سچا توکل ــــــ مولی تبارک وتعالی جب تیرا حسنِ نیت وصدقِ عزیمت دیکھے گا ضرور تیری مدد فرمائے گا۔ من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ.

⑦ اپنے اہل خانہ وغیرہم سے کسی معتمد کو متعیّن کرکہ وقت جماعت سے پہلے جگادے کما وکَّلَ رسولُ اللہِ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بلالاً رضی اللہ تعالی عنہ لیلۃ التَّعْریْس.

ان ساتوں تدبیروں کے بعد کسی وقت سوئے ان شاء اللہ تعالی فوت جماعت سے محفوظی ہوگی اور اگر شاید اتفاق سے کسی دن آنکھ نہ بھی کھلی ــــــ اور جگانے والا بھی بھول گیا۔ یا سو رہا۔ کما وقع لسیدنا بلال رضی اللہ تعالی عنہ تو یہ اتفاقی عذر مسموع ہوگا۔ اور امید ہے کہ صدق نیت وحسن تدبیر پر ثوابِ جماعت پائے گا۔ و باللہ التوفیق.

(ج) کیا تیری مسجد میں بہت اول وقت جماعت کرتے ہیں کہ دوپہر سے اس تک سونے کا وقفہ نہیں؟ جب تو ساری دقتوں سے چھوٹ گیا۔ سو کر پڑھی۔ یا پڑھ کر سوئے۔ بات تو ایک ہی ہے۔ جماعت پڑھ ہی کر نہ سوئے کہ خوف فوت اصلاً نہ رہے جیسے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم روز جمعہ کیا کرتے تھے۔

غرض یہ تین صورتیں ہیں:(۱) پیش از زوال سو اٹھنا۔(۲) بعد جماعت سونا۔ ان میں

کوئی خدشہ ہی نہیں۔(۳) اور تیسری صورت میں وہ سات تدبیریں ہیں۔
رب عزوجل سے ڈرے۔ اور بصدق عزیمت ان پر عمل کرے۔ پھر دیکھیں کیوں کر تہجد تفویت جماعت کا موجب ہوتا ہے۔

بالجملہ نہ ماہ نیم ماہ۔ بلکہ مہر نیم روز کی طرح روشن ہوا کہ عذر مذکور یک سر مدفوع ومحض نامسموع، جماعت و تہجد میں اصلاً تعارض نہیں، کہ ایک کا حفظ دوسرے کے ترک کی دستاویز کیجیے۔ اور بوجہِ تعذر جمع راہِ ترجیح لیجیے۔ هذا هو حق الجواب والله الهادی الی سبیل الصواب.

بااین ہمہ اگر بالکل خلاف واقع و بے کار طور پر یہی مان لینا ضروری کہ جماعت و تہجد میں تعارض ہے۔ لہذا ایک ہی کی ادائیگی ہوگی دوسرے کو ترک کرنا ہوگا۔ اب ترجیح جماعت کو ہو یا تہجد کو؟ تو جماعت اُولی پر تہجد کی ترجیح محض باطل ومہجور۔

(۱) اگر حسب تصریح عامۂ کتب ـــــ تہجد مستحب ـــــ وحسب اختیار جمہور مشائخ جماعت واجب مانیے ـــــ جب تو ظاہر کہ واجب و مستحب کی کیا برابری؟ ـــــ نہ کہ اس کو اس پر تفضیل وبرتری!

(۲) اور اگر تہجد میں ـــــ اعلی الاقوال کی طرف ترقی ـــــ اور جماعت میں ادنی الاحوال کی جانب تنزل ـــــ کر کے دونوں کو سنت ہی مانیے۔ تاہم تہجد کو جماعت سے کچھ نسبت نہیں۔

جماعت بر تقدیر سنیت بھی تمام سنن حتی کہ سنت فجر سے بھی ـــــ اہم وآکد واعظم ہے۔ ولہذا اگر امام کو نماز فجر میں پائے۔ اور سمجھے کہ سنتیں پڑھے گا تو تشہد بھی نہ ملے گا، تو بالاجماع سنتیں ترک کر کے جماعت میں مل جائے۔

اور سنت فجر بالاتفاق بقیہ تمام سنن سے افضل ـــــ پھر مذہب اصح پر سنت قبلیۂ ظہر بقیہ سنن سے آکد ہیں ـــــ اور امام شمس الائمہ حلوانی کے نزدیک سنت فجر کے بعد ـــــ افضل وآکد رکعتینِ مغرب ہیں۔ پھر رکعتینِ ظہر ـــــ پھر رکعتینِ عشا ـــــ پھر قبلیۂ ظہر ـــــ پھر شک نہیں

کہ ہمارے ائمۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک سب سنن رواتب، تہجد سے اہم وآکد ہیں۔ ولہٰذا ہمارے علما سننِ رواتب کی نسبت فرماتے ہیں: انھا لِتَاکُّدِھا اَشْبَھَتِ الْفَرِ یْضَۃَ. (یہ مؤکد ہونے کے باعث فرض کے مشابہ ہیں۔) اور یہی مذہب جمہور ومشرب منصور ہے۔

تو تہجد جماعت کے کمتر از کمتر سے کمتر —— پانچویں درجہ میں واقع ہے —— سب سے آکد جماعت —— پھر سنت فجر —— پھر قبلیۂ ظہر —— پھر باقی رواتب —— پھر تہجد وغیرہ سنن ونوافل۔

اور دوسرے قول پر تو کہیں ساتویں درجے میں جا کر پڑے گا کہ سب سے اقوی جماعت —— پھر سنت فجر —— پھر سنت مغرب —— پھر بعدیۂ ظہر —— پھر بعدیۂ عشا —— پھر قبلیۂ ظہر —— پھر تہجد وغیرہا۔

پس تہجد کو سنت ٹھہرا کر بھی جماعت سے افضل کیا؟ برابر کہنے کی بھی اصلاً کوئی راہ نہیں —— نہ کہ مستحب مان کر۔

اگر کہیے یہاں کلام جماعت اُولی میں ہے کہ سوال میں اس کی تصریح موجود —— اور واجب یا اس اعلی درجہ کی مؤکد "مطلق جماعت" ہے —— نہ خاص جماعت اُولی —— بلکہ وہ صرف افضل واَولی —— اور فضل تہجد اس سے اعظم واعلی —— تو حفظ تہجد کے لیے ترک اُولی جائز وروا۔ اگرچہ افضل اِتیان واَدا۔

أقول: یہ تاصیل وتفریع، سراسر بے اصل واِحداثِ شنیع۔ زنہار زنہار! ہرگز جائز نہیں کہ بے عذر مقبول شرعی —— جماعت ثانیہ کے بھروسے پر جماعت اولی قصداً چھوڑ دیجیے —— اور داعی الٰہی کی اجابت نہ کیجیے۔ جماعت ثانیہ کی تشریع، اس غرض سے ہے کہ احیاناً بعض مسلمین کسی عذر صحیح۔ مثل مدافعتِ اخبثین —— یا حاجت طعام وغیرہا —— کے باعث جماعت اولی سے رہ جائیں، وہ برکت جماعت سے مطلقاً محرومی نہ پائیں۔ بے اعلان وتداعی (یعنی بے اذان) محراب سے جدا ایک گوشے میں جماعت کرلیں —— نہ کہ اذان ہوتی رہے —— داعیِ الٰہی پکارا کرے —— جماعتِ اولی ہوا کرے —— مزے سے گھر میں

بیٹھے باتیں بنائیں ــــ یا پاؤں پھیلا کر آرام فرمائیں کہ عجلت کیا ہے؟ ہم اور کر لیں گے ــــ یہ قطعًا یقینًا بدعت سیئہ شنیعہ ہے۔

اس فتوے سے واضح ہوتا ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہ کی حیثیت صرف ایک مفتی کی نہ تھی۔ بلکہ ایک مصلح و مجدد کی شان ان کے فتاوی سے بھی عیاں ہے۔ بحیثیت مفتی سوال مذکور کا اتنا جواب کافی تھا کہ

تہجد و جماعت میں تعارض نہیں ــــ دونوں کی ادائیگی کی تدبیر کرنا چاہیے ــــ اور اگر بالفرض یہ ممکن نہ ہو تو جماعت ترک کر کے ادائے تہجد کی راہ نہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تہجد چھوڑے مگر جماعت سے مفر نہیں۔ اور یہ حکم خاص جماعتِ اُولیٰ کا ہے۔ ثانیہ تو محض ضرورت اور صحیح عذر کے لیے مشروع ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

لیکن اس طرح کے جواب سے سائل کو صرف حکم مسئلہ معلوم ہو سکتا ہے۔ بدعت و منکر کا قلع قمع نہ ہو سکے گا ــــ کہ تمام وساوس شیطانی اور شہوات نفسانی کا رد ہو، آدمی میں نیکی کی ادائیگی اور برائی کے چھوڑنے کا جذبۂ بیکراں فَروغ پائے۔ اور سبیلِ مستقیم پر گامزن ہو جائے۔

اس لیے جواب میں سیدنا الشیخ عبد القادر الجیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبات کا اندازِ واعظانہ وزاجرانہ اختیار فرمایا۔ اور ساتھ ہی طرز عالمانہ واسلوب محققانہ و مفتیانہ بھی اپنائے رکھا۔ جس کے بعد سائل اگر دل میں ذرا بھی زندگی رکھتا ہو تو یہ فتویٰ اس کے لیے بہترین مرشد و شیخ کا کام دے سکتا ہے۔ بیماریِ دل کا خوب تر علاج ہو سکتا ہے۔ اور چوں کہ ترکِ جماعت کی بیماری صرف ایک شخص کی نہیں بلکہ بلائے عام ہے اس لیے یہ فتویٰ نافعِ خاص وعام ہے۔ وھو الھادی والموفّق.

(۴)

اب آخر میں امام احمد رضا قدس سرہ سے متعلق ایک رخ اور دکھانا چاہتا ہوں جس سے ان کا تابناک ظاہر و باطن دونوں عیاں ہوتا ہے۔

مجد ددین وملت نے اپنی زندگی کا قیمتی حصہ نئے پرانے فتنوں کے استیصال اور ان سے امت مسلمہ کی حفاظت وصیانت میں صَرف کیا ہے۔ یہ ان کا وہ عظیم مجاہدہ ہے جو پہاڑوں اور صحراؤں میں عُزلت نشینی اور ریاضت ومشقت سے بڑا درجہ رکھتا ہے۔

امام ابو اسحق اسفرائینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جب مبتدعین کی اشاعتِ بدعت دیکھی پہاڑوں پر ان اکابر علما کے پاس گئے جو ترکِ دنیا ومافیہا کر کے مجاہدات میں مصروف تھے۔ ان سے فرمایا: اے سوکھی گھاس کھانے والو! تم یہاں ہو اور امت محمد ﷺ فتنوں میں ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ امام! یہ آپ ہی کا کام ہے، ہم سے نہیں ہو سکتا —— امام وہاں سے واپس آئے اور بدمذہبوں کے رد میں نہریں بہائیں۔ ؎

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے: ایک عالم صاحب کی وفات ہوئی۔ ان کو کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا: آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا: جنت عطا کی گئی، نہ علم کے سبب بلکہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اس نسبت کے سبب جو کتے کو راعی کے ساتھ ہوتی ہے کہ ہر وقت بھونک بھونک کر بھیڑوں کو بھیڑیے سے ہوشیار کرتا رہتا ہے۔ مانیں، نہ مانیں یہ ان کا کام۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: بھونکے جاؤ بس اِس قدر نسبت کافی ہے۔ لاکھ ریاضتیں، لاکھ مجاہدے اِس نسبت پر قربان۔ جس کو یہ نسبت حاصل ہے اُس کو کسی مجاہدے کی ضرورت نہیں۔ اور اِسی میں کیا ریاضت تھوڑی ہے؟ جو شخص عُزلت نشین ہو گیا نہ اس کے قلب کو کوئی تکلیف پہنچ سکتی ہے، نہ اس کی آنکھوں کو، نہ اس کے کانوں کو۔ اُس سے کہیے جس نے اوکھلی میں سر دیا ہے، اور چاروں طرف سے موسَل کی مار پڑ رہی ہے۔ [1]

اب آپ امام احمد رضا قدس سرہ کے شب وروز کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ انھوں نے کتنا عظیم مجاہدہ کیا ہے؟ پوری زندگی فتنوں کی بیخ کنی اور امت مسلمہ کی حفاظت وصیانت میں بسر کی ہے۔ مذاہب باطلہ اور فِرَقِ ضالّہ کے رد میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، ہر فتنے کے سامنے ہمیشہ سینہ

---

(۱) الملفوظ، ج: ۳، ص: ۳۸

سپر رہے۔ بدعات و منکرات سے کبھی سمجھوتا نہ کیا، کسی مسلمان کو گناہ میں مبتلا دیکھا تو اپنے واعظانہ وناصحانہ کلام سے اس کو معصیت کی دَلدل سے نکالنے کی سعی بلیغ فرمائی۔ یہی مجدّدِ دین وملّت اور مصلحِ امت کی شان ہے۔

ان کی یہ سعیِ پیہم بے شمار بندگانِ خدا کے حق میں کار گر ثابت ہوئی، لوگ ضلالت ومعصیت سے محفوظ رہے، بہت سے وہ جو کسی ضلالت یا معصیت میں مبتلا تھے، راہِ راست پر آئے۔ یہ سلسلہ ان کے رُشحاتِ قلم کے ذریعے آج بھی جاری ہے۔ رب کریم کے یہاں اس خدمت کا جو اجر عظیم ہے وہ ہمارے وہم وگمان سے باہر ہے۔

اس پر علماے عرب وعجم خصوصًا اکابر حرمین شریفین کی طرف سے امام اہل سنت کی جو مدح وثنا ہوئی وہ شاید ہی کسی ہندی عالم کو نصیب ہوئی ہو۔ دوسری طرف اہل باطل کی طرف سے سبّ وشتم اور اِفترا وبہتان کا جو بازار گرم ہوا، اور آج بھی ہے، اس کی بھی مثال نہیں ملتی۔

یہاں پہنچ کر امام احمد رضا کی استقامت اور ہمت وعزیمت قابل دید ہے، نہ اپنی خدمتِ دینی پر غرور ہے، نہ مدحِ اکابر پر عُجب وفخر، نہ اپنے حق میں دشمنوں کی ہرزہ سرائیوں پر غیظ وغضب اور جوشِ انتقام ـــــــ یہی وہ مقام ہے جہاں ان کے اخلاص کا سونا تپ کر کُندن نظر آتا ہے اور ان کی اصلاحی وتجدیدی خدمات کا نِرخ بالا سے بالاتر ہوجاتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں:

حمد اس کے وجہِ کریم کو جس نے اپنے بندے کو یہ ہدایت دی، یہ استقامت دی کہ وہ نہ ان اعاظم واکابر کی اِن عظیم مدحوں پر اِتراتا ہے۔ بلکہ اپنے رب کے حُسنِ نعمت کو دیکھتا ہے کہ پاکی تیرے لیے! کیسا تو نے اِس ناچیز کو اُن عُظَماے عزیز کی آنکھوں میں معزز فرمایا۔

نہ [یہ بندہ] ان دُشنامیوں اور ان کے حامیوں کی گالیوں سے، جو وہ زبانی دیتے اور اخباروں میں چھاپتے ہیں، پریشان ہوتا بلکہ شکر بجالاتا ہے کہ تو نے محض اپنے کرم سے اس ناقابل کو اس قابل کیا کہ یہ تیری عظمت اور تیرے حبیب ﷺ کی عزّت کی حمایت

کرے۔ گالیاں کھائے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی سرکار کے پہرہ دینے والے کتّوں میں اُس کا چہرہ لکھا جائے۔ (۱)

انہی کلمات پر میں اپنی بات ختم کرتا ہوں، ربّ کریم ہمیں ان کے نقوش زندگی کو دیکھنے، سمجھنے اور ان کے مطابق عمل کرنے کی توفیقِ جمیل مرحمت فرمائے اور دارین کی سعادتوں سے نوازے۔ آمین یا ربَّ العالمین بجاہ حبیبك أكرم الأولين والآخرين، صَلِّ وسلِّم وبارِك عليه وعلى آله وصحبه أجمعين، وعلى من تبعهم بإحسانٍ إلى يوم الدين.

(۱) خلاصہ فوائد فتاوی سنہ ۱۳۲۴ھ طبع چہارم بریلی۔ ص:۴۹۔۵۰ ملخصًا

درس بخاری

وادی نور، آزاد میدان ممبئی ۲۰۱۱ء

آپ کو معلوم ہے کہ دین اسلام کا سر چشمہ قرآن اور حدیث ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا کلام بندوں تک اپنے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام کے ذریعے پہنچایا اور نبی اکرم ﷺ کو یہ ذمے داری دی کہ وہ اس کی تفصیل اور تشریح بندوں کے سامنے کر دیں جیسا کہ ارشاد ہے: وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (۱)

ہم نے ذکر کو لوگوں کے لیے اتارا تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس کو بیان کر سکو اور تا کہ وہ اس پر غور کریں اور سمجھیں۔ اس لیے حضور اکرم ﷺ نے قرآن کو بندوں تک پہنچایا اور اس کی تفصیل اور اس کی تعلیم بھی لوگوں کو دی۔ جہاں جہاں صحابۂ کرام کو ضرورت تھی وہاں حضور اکرم ﷺ نے اس کی تشریح بھی فرمائی۔ جس طرح قرآن سے ہمیشہ اہل اسلام کا اعتنا رہا اور قرآن کی حفاظت کی ہر دور میں کوشش ہوتی رہی ویسے ہی احادیث نبویہ کی بھی تدوین، اس کی حفاظت اور اس کی تطبیق کی کوشش صحابۂ کرام کے دور میں، تابعین کے دور اور بعد کے ادوار میں ہوتی رہی۔ جہاں لوگ احادیث کریمہ سینوں میں محفوظ کرتے تھے یاد رکھنے اور بیان کرنے کی کوشش کرتے تھے وہیں لکھنے کا بھی سلسلہ دور رسالت ہی سے تھا اور احادیث لکھی بھی جاتی رہیں۔ یہ سلسلہ جب دوسری صدی ہجری اور اس کے بعد تک پہنچا تو احادیث باضابطہ ترتیب کے ساتھ اور ابواب مقرر کر کے لکھی گئیں۔ انھیں کتابوں میں سے یہ کتاب ''صحیح البخاری'' بھی ہے جس میں ابواب پر تقسیم کر کے احادیث کو جمع کیا گیا ہے: عقائد کا باب، پھر احکام کا باب، احکام میں

---

(۱) سورہ نحل، آیت نمبر ۴۴

نماز، روزہ، حج، زکات اور پھر اور ابواب جہاد وغیرہ۔ یہ سب ترتیب وار بیان کیے گئے ہیں۔

پہلے احادیث کی ترتیب کا طریقہ کچھ اور تھا۔ ایک شیخ سے جتنی حدیثیں سنیں سب لکھ دی گئیں یا ایک صحابی سے جتنی حدیثیں مروی ہوئیں سب جمع کر دی گئیں۔ یہ بھی حدیثوں کے لکھنے کا طریقہ رہا اور بعد میں لوگوں کی ضرورت کے لحاظ سے کہ لوگ عقائد کے باب میں کیا عقیدہ رکھیں، احکام کے بارے میں کیا عمل کریں تو اس لحاظ سے امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی موطا شریف کی اور اس کے بعد اور حضرات نے بھی کتابیں لکھیں۔ بعد میں امام بخاری پھر امام مسلم اور امام ترمذی، امام نسائی، امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنی کتابیں تصنیف فرمائیں۔

امام بخاری کو اس لحاظ سے سب پر اہمیت و فوقیت حاصل ہے کہ ان کی ذکر کردہ سندیں سب سے زیادہ قوی اور مضبوط ہیں۔ یہ بات مسلم ہے کہ قرآن جو ہم تک پہنچا ہے وہ تواتر کے ساتھ پہنچا ہے اور قرآن کی ایک ایک آیت، ایک ایک حرف اتنے حضرات سے مروی ہے کہ جس کے اور قطعی طور سے یقین کیا جاسکتا ہے کہ یہ وہی ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا لیکن احادیث کا معاملہ یہ نہیں رہا بلکہ احادیث کے سلسلے میں یہ رخصت رہی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان سے جو الفاظ ادا ہوئے وہ بعینہ بیان کیے جائیں یا اس کا معنی و مفہوم بیان کیا جائے۔ اسی طریقے سے حدیث صرف وہی نہیں ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی زبان سے بیان فرمائی بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوئی عمل کیا اور دیکھنے والوں نے دیکھا اور اپنے لفظوں میں اس کی تعبیر کی، اس کو بیان کیا تو یہ بھی حدیث ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے کوئی کام ہوا اور اس کام کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے برقرار رکھا اس پر انکار نہیں فرمایا تو گویا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے اس کی تقریر اور تائید ہوتی ہے یہ بھی حدیث ہے۔ اس وجہ سے احادیث کا معاملہ قرآن سے مختلف ہے۔

احادیث دور اول میں بہت ہی احتیاط کے ساتھ بیان ہوتی تھیں یہاں تک کہ

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اکثر و بیشتر رہا کرتے تھے۔ سفر و حضر میں رہنے والے تھے، حالات کو جاننے سمجھنے سیکھنے والے تھے۔ ان کا حال یہ تھا کہ بعد میں جب وہ کوئی حدیث بیان کیا کرتے تھے تو لرز جاتے تھے اور جلدی: قال رسول اللہ ﷺ نہیں کہتے تھے اور جب یہ کہتے تھے تو کانپتے ہوئے یہ بھی کہتے تھے: ھذا او کما قال ﷺ. تاکہ بیان کرنے میں کوئی لغزش نہ ہو اور کسی طرح کی خطا نہ ہو۔ یہ ان حضرات کی احتیاط تھی اور اسی احتیاط کے ساتھ وہ احادیث کی روایت کرتے تھے لیکن جیسے جیسے دور بڑھتا گیا اس احتیاط میں کمی آتی گئی۔ یہاں تک کہ جب فتنوں کا زمانہ آیا تو اسلام کی بیخ کنی کرنے والے ایسے بھی پیدا ہوئے جنھوں نے قصداً حدیثیں گڑھیں اور گڑھ کر ان کو بیان کرنا شروع کیا لیکن ہر دور میں محدثین کرام کی ایک جماعت ایسی بھی رہی جو چھان پھٹک کر کے ایسی تمام موضوع حدیثوں کو الگ کرتی رہی اور لوگوں کو بتاتی رہی کہ یہ قولِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیں ہے۔ وہ زمانہ بھی آیا جب باقاعدہ احادیث بیان کرنے والے راویوں کے حالات بھی دیکھے جاتے تھے اور پوری سند لی جاتی تھی۔

کسی قوم کے پاس اقوال نبی کا ایسا ذخیرہ موجود نہیں ہے جس کی سند آج سے لے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک بیان کی جاتی ہو۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے، انھوں نے جہاں توریت کی تبلیغ کی، وہیں خود اس کی تشریح بھی فرمائی اور بہت سے اقوال ان کے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے، جہاں انھوں نے انجیل کی تبلیغ فرمائی وہاں خود ان کے بھی اقوال تھے اور وہ بھی لوگوں کی موعظت و نصیحت، عبرت و ہدایت کے لیے تھے لیکن جن قوموں نے توریت اور انجیل کو محفوظ نہیں رکھا وہ اپنے انبیا کے اقوال کو کہاں تک محفوظ رکھتے؟

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ سند متّصل کے ساتھ کوئی بھی نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام پیش کر سکتا ہے نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام لیکن یہ اہل اسلام کی خصوصیت ہے کہ ان

کے نبی ﷺ کا کلام سند متّصل کے ساتھ موجود ہے اور راویوں کے نام بنام پوری روایت حضور اکرم ﷺ تک پیش کی جاتی رہی۔ اس کے ساتھ ساتھ جو روایت کرنے والے حضرات ہیں ان کے حالات بھی جمع کر دیئے گئے اور بیان کر دیے گئے کہ راوی کی ولادت کب ہوئی، کہاں کہاں انھوں نے سکونت اختیار کی، کن شیوخ سے انھوں نے علم حاصل کیا۔ کہاں ان کا مدفن زمانے میں ان کی وفات ہوئی؟ ان کا ضبط و احتیاط، ان کا عمل علم اور کردار کا حال بیان کیا گیا۔ حدیث میں اس کی بھی ضرورت پڑتی ہے کہ راوی کا حافظہ کیسا تھا اور اس کی دماغی قوت کیسی تھی؟ ایسا تو نہیں کہ اس سے کوئی خطا واقع ہوئی ہو، یا یہ ہے کہ بڑھاپے کی عمر میں پہنچنے کے بعد پھر اس کا حافظہ کمزور ہو گیا ہو اور بڑھاپے کے زمانے میں جن لوگوں نے اس سے حدیث سنی ہو اس کے اندر کوئی خامی رہ گئی ہو۔ یہ پوری تفصیل تمام رواۃ کی کسی قوم کے پاس نہیں ہے۔ دیگر قوموں کے پاس رواۃ ہی نہیں ہیں تو رواۃ کی تفصیلات کیا ہوں گی لیکن یہ اہل اسلام کی خصوصیت ہے کہ پوری تفصیل کے ساتھ احادیث بھی موجود ہیں اور رواۃ بھی موجود ہیں۔

امام بخاری کا نام محمد بن اسماعیل ابن ابراہیم ابن مغیرہ ابن برگزبہ ہے۔ ''برگزبہ فارسی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی کاشت کار ہے۔ ان کے صاحبزادے مغیرہ اسلام لائے۔ برگزبہ مجوسی تھے لیکن ان کے صاحبزادے مغیرہ اسلام لائے اور حضرت امام جعفی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اسی وجہ سے حضرت امام بخاری کو بھی جعفی کہا جاتا ہے۔ یہ اس قبیلے سے نہیں تھے لیکن یہ بعض حضرات کا مذہب ہے کہ جو جس کے ہاتھ پر مسلمان ہو اس کی وِلا اس کو حاصل ہوگی اور وہ اس کا مولا قرار پائے گا۔ اس طریقے سے موالی کی نسبت ان کے آقاؤں کی طرف ہوتی تھی۔ اسلام لانے والوں کی نسبت بھی ان کی طرف ہوتی تھی جن کے ہاتھ پر وہ اسلام لائے۔ حضرت امام بخاری کے والد اسمٰعیل تھے یہ صاحب حدیث بھی تھے۔ حضرت عبداللہ ابن مبارک حضرت حماد بن زید اور حضرت امام مالک ابن انس رضی اللہ عنہ سے سماعت و روایت حاصل کی تھی، ان سے اہل عراق

نے روایت کی اور بہت سے حضرات ان سے فیضیاب ہوئے۔ان کے احتیاط کا یہ عالم تھا کہ احمد بن حفص جو امام بخاری کے والد ماجد سے حدیث اخذ کرنے والوں اور استفادہ کرنے والوں میں سے ہیں۔بیان کرتے ہیں کہ جب وہ ان کے مرض وفات میں عیادت کے لیے پہنچے تو حضرت اسماعیل یعنی امام بخاری کے والد نے فرمایا کہ میرے مال میں کوئی بھی حصہ ایک درہم بھی حرام تو حرام ہے شبہے کا بھی نہیں ہے۔احمد بن حفص کہتے ہیں کہ یہ سننے کے بعد تصاغرت الی نفسی (مجھ کو اپنی حیثیت بہت ہی حقیر نظر آنے لگی) کہ مال میں ایک درہم بھی حرام تو حرام شبہے کا بھی نہیں ہے۔یہ مال چھوڑ کر کے انھوں نے وفات پائی اور امام بخاری ان کے وارث ہوئے تو مال کثیر ان کے حصے میں آیا۔ان کے ایک بڑے بھائی احمد بن اسماعیل تھے اور ان کی والدہ ماجدہ تھیں۔امام بخاری اپنا ابتدائی حال بیان کرتے ہیں کہ میں مکتب میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے جایا کرتا تھا اور وہیں میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ میں احادیث کی تحصیل کروں اور احادیث کی سماعت کروں۔اس کے بعد میں مکتب سے نکل آیا اور محدثین کے یہاں جانے لگا۔بخارا میں انھوں نے محمد ابن سلام بیکندی (بیکند بخارا کا ایک شہر ہے) محمد ابن یوسف بیکندی اور عبداللہ ابن محمد مسندی وغیرہم سے علم حدیث اخذ کیا۔علم حدیث حاصل کرنے کا حال یہ تھا کہ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ محدث داخلی کے پاس میں حاضر تھا اور انھوں نے حدیث بیان کی حدثنا سفیان عن ابی زبیر عن ابراھیم تو میں نے کہا کہ ابوزبیر ابراہیم کے راوی نہیں ہیں۔انھوں نے ڈانٹا، اس لیے کہ جب وہ مکتب سے نکلے اور حدیث پڑھنی شروع کی تو ان کی عمر دس سال تھی یا اس سے بھی کم۔امام بخاری کہتے ہیں کہ میں نے ان سے عرض کیا: ارجع الی الاصل ان کان عندك. (آپ اصل دیکھ لیجیے اگر آپ کے پاس ہو) ہوتا یہ تھا کہ ایک شیخ سے جب لوگ حدیث سنتے تھے تو سب حدیثیں لکھتے رہتے تھے۔وہی اصل ہوتی تھی پھر بعد میں اس کی نقلیں ہوتی تھیں اور پھر اس کا بیان ہوتا تھا، اس لیے فرمایا کہ اگر اصل آپ کے پاس ہو تو دیکھیے۔وہ اندر گئے اور

اندر سے دیکھ کر کے آئے تو ان کو مجھ میں آیا کہ اس بچے نے جو کہا وہ صحیح ہے۔ نکلنے کے بعد خود ہی فرمایا کہ: کیف هو یا غلام !(اے لڑکے وہ کیسا ہے، کیا ہے؟) تو حضرت امام بخاری نے کہا: حدثنا سفيان عن الزبير ابن عدی عن ابراهيم (یہ زبیر ابن عدی ہیں ابوزبیر نہیں ہیں اور وہ ابراہیم کے راوی ہیں) انھوں نے کہا کہ تم نے صحیح کہا اور اس کے مطابق اپنی جو نقل تھی اس میں اصلاح کی۔ پوچھا گیا کہ اس وقت آپ کی عمر کتنی رہی ہوگی؟ تو انھوں نے فرمایا کہ اس وقت میری عمر گیارہ سال تھی۔ خود اس کے بعد بیان کرتے ہیں کہ سولہ سال کی عمر تک میں نے حضرت عبداللہ ابن مبارک اور حضرت ابن الجراح جو حضرت امام اعظم کے شاگرد بھی تھے، فقیہ بھی تھے، محدث بھی تھے، ان کی کتابیں پڑھ لیں اور اُن کے اقوال یاد کر لیے۔ اس کے بعد میں نے اپنی والدہ ماجدہ اور اپنے بھائی احمد کے ساتھ سفر حج کیا۔ سولہ سال کی عمر میں امام بخاری سفر حج کو نکلے اور اس سے پہلے ان محدثین سے استفادہ کر چکے تھے اور اس استفادہ کا حال یہ تھا کہ سلیم ابن مجاہد حضرت محمد ابن سلام بیکندی کے پاس پہنچے۔ وہاں امام بخاری درس حدیث لیا کرتے تھے۔ سلیم ابن مجاہد سے انھوں نے فرمایا: لو جئت من قبل لرأيت صبيا حفظ سبعين الف حديث (اگر تھوڑا پہلے آتے تو ایک ایسے بچے کو دیکھتے جو ستر ہزار حدیثیں یاد رکھتا ہے) یہ امام بخاری کے سولہ سال کی عمر سے پہلے کا واقعہ ہے اس لیے کہ محمد ابن سلام بیکندی سے امام بخاری کی ملاقات سفر حج میں جانے کے بعد پھر بھی نہیں ہوئی اس لیے سفر حج میں جانے اور خراسان سے نکلنے سے پہلے کی یہ بات ہے۔ سلیم ابن مجاہد بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس کے بعد تلاش کی کہ وہ کون بچہ ہے تو محمد بن اسماعیل سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے پوچھا: ان تقول ان تحفظ سبعين الف حديث. ؟ انھوں نے فرمایا: نعم و احفظ. (ستر ہزار ہی نہیں اس سے زیادہ یاد رکھتا ہوں) اور حدیث کے یاد رکھنے کی کیفیت انھوں نے بیان کی کہ جتنے صحابہ و تابعین سے میں حدیثیں روایت کرتا ہوں ان میں سے اکثر کی ولادت، وفات،

مسکن مولدان سب کو میں جانتا ہوں۔عام طور سے محدثین روایتیں تو کرتے تھے صحابہ و تابعین کے بارے میں تو پوچھنا ہی نہیں کلهم عدول. لیکن تابعین کے بعد کی تفصیلات مولد و مسکن، زمانۂ زندگی اور حالات یہ سب محفوظ نہیں ہوتے تھے لیکن امام بخاری نے کہا کہ جتنے صحابہ اور تابعین ہیں ان میں سے اکثر کے حالات زندگی بھی میں جانتا ہوں اور ان کی ولادت و وفات سے بھی واقف ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جتنی بھی حدیثیں میں یاد رکھتا ہوں اس کے ساتھ ساتھ قرآن میں، حدیث میں ان اصل کو بھی میں جانتا ہوں۔ یہ کسی مجتہد ہی کا کام ہو گا کہ حدیث کا جو مضمون ہے وہ قرآن کے کس مضمون کے تحت آتا ہے یا جو حدیث مشہور متواتر ہو اس کے کس مضمون کے ساتھ آتا ہے۔ جب کسی عام حدیث یا خبر واحد کا مضمون کسی آیت قرآنی کے مطابق ہے یا حدیث مشہور و متواتر کے مطابق تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا مفہوم ضرور صحیح ہے۔ یہ تین باتیں امام بخاری نے اس وقت بیان فرمائیں جب ان کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ تو یہ ان کے حفظ حدیث کا حال تھا۔ اس کے بعد وہاں سے نکلے تو حجاز مقدس میں چھ سال تک رہے اور وہاں علم حدیث حاصل کیا۔ وہ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں مصر میں دو بار گیا، جزیرہ میں دو بار گیا، بصرہ میں چار بار گیا اور حجاز میں چھ سال تک رہا اور: لا احصی کم دخلت الی الکوفة و بغداد مع المحدثین (شمار نہیں کہ میں کتنی بار کوفہ اور بغداد میں محدثین کے ساتھ گیا ہوں) یہ امام بخاری کا اپنا قول ہے۔ میں یہاں پر ایک ہی جملہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر عراق فتنوں کی سرزمین تھی تو یہ بصرہ اور کوفہ اور بغداد خاص طور سے کوفہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مولد تھا اور مسکن بھی اور بغداد بھی امام معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسکن تھا اور مدفن بھی۔ یہاں امام بخاری جیسا حافظ الحدیث خود یہ کہتا ہے: لا احصی کم دخلت الی الکوفة و بغداد مع المحدثین "(کتنی بار میں بغداد اور کوفہ گیا ہوں، شمار نہیں کر سکتا) کیا امام بخاری وہاں فتنہ سیکھنے جاتے تھے؟ اس وقت بھی کوفہ اور بغداد علم کا اتنا بڑا مرکز تھا۔ اتنا بڑا ذخیر علم کا وہاں موجود تھا کہ کوئی بھی

محدث اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا تھا یہاں تک کہ امام بخاری کو دوسرے شہروں میں تو کم جانے کا اتفاق ہوا لیکن کوفہ اور بغداد اتنی بار گئے کہ اس کا شمار نہیں ہے۔

ان کی تحصیل علم کا حال یہ تھا یہ حاشد ابن اسماعیل کرتے ہیں کہ ہم اور ابن محمد ابن اسماعیل بخاری محدثین کے پاس بصرہ جایا کرتے تھے اور حدیث سیکھا کرتے تھے۔ ہم لوگ تو حدیثیں لکھتے تھے کیوں کہ اس زمانے کا طریقہ یہی تھا کہ شیخ نے حدیث بیان کی اور وہ لکھ لی گئی تاکہ محفوظ رہے اور کوئی اس کے اندر خطا واقع نہ ہو۔ روزانہ ہم لوگ حدیث سنتے تھے اور لکھتے تھے مگر امام بخاری سنتے تھے لکھتے نہیں تھے۔ انہوں نے کہا کیوں وقت برباد کر رہے ہو لکھتے کچھ نہیں ہو۔ اس طریقے سے سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ سولہ دن گزر گئے پھر ہم لوگوں نے کہا کہ آپ کو لکھنا چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ تم لوگوں نے بہت زیادہ ملامت کر ڈالی اچھا نکالو جتنی حدیثیں تم لوگوں نے لکھی ہیں۔ حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ ہم نے نکالا تو پندرہ ہزار حدیثیں ہم لوگ لکھ چکے تھے۔ امام بخاری نے کہا کہ میں پڑھتا ہوں اور تم اپنی لکھی ہوئی تحریروں سے ملاؤ امام بخاری نے وہ حدیثیں جو پندرہ ہزار سے زیادہ تھیں سب سنا دیں اور کہیں بھی خطا نہیں کی۔ حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ ہم نے اپنی تحریروں کو ان کی یادداشت سے درست کیا۔ یہ ان کی تحصیل حدیث کا حال تھا اور اسی وجہ سے وہ اپنی نوجوانی ہی میں اس مقام کو پہنچ چکے تھے کہ بڑے بڑے لوگ ان سے حدیث حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ابوبکر اعیون کہتے ہیں: ”کتبنا عن محمد ابن اسماعیل وھو امرد علی باب محمد یوسف“ (امام بخاری کی ابھی داڑھی مونچھ نہیں نکلی تھی اس وقت ہم نے محمد بن یوسف فلیابی کے دروازے پر ان سے حدیث لکھی) اس کا مطلب کیا ہوا؟ محمد یوسف فلیابی امام بخاری کے شیخ تھے۔ شیخ کے ہوتے ہوئے تلمیذ کی طرف کوئی توجہ نہیں دے گا خصوصاً حدیث کے معاملے میں کہ شیخ موجود ہیں ان کی روایت عالی ہوگی اور ان کے ہوتے ہوئے امام بخاری سے پوچھنے اور سیکھنے کی حاجت نہیں ہوگی لیکن یہ جانتے تھے

کہ امام بخاری کے پاس محمد ابن یوسف فلیابی سے زیادہ حدیثیں موجود ہیں اسی لیے اس زمانے میں لوگ ان سے حدیث پوچھتے تھے۔

دوسرے محدث بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری راہ چلا کرتے تھے تو لوگ حدیثیں سیکھنے کے لیے ان کے پیچھے دوڑتے تھے، اتنے لوگ جمع ہو جاتے تھے کہ ہمیں راستے میں ان کو بٹھا لیتے تھے اور حدیثیں ان سے پوچھنا شروع کر دیتے تھے۔ وہ حدیثیں بیان کرتے تھے اور ہزاروں کا مجمع ہوتا تھا یہی محمد ابن یوسف فلیابی نے اپنی محفل میں ایک بار اپنے درس حدیث میں کہا: حدثنا سفیان عن ابی عروۃ عن ابی الخطاب عن ابی حمزۃ. پھر اس کے بعد انھوں نے پوچھا کہ اس سند حدیث کے رجال کون کون ہوئے ؟ سفیان اور ثوری کو تو سبھی جانتے تھے لیکن ابوعروہ کون ہے؟ ابوالخطاب کون ہے ؟اور ابوحمزہ کون ہے ؟ پورے درس میں کوئی نہیں بتا سکا۔ امام بخاری نے عرض کیا کہ ابوعروہ معمر ابن راشد ہیں، ابوالخطاب قتادہ ابن دعامہ سدوسی ہیں اور ابوحمزہ حضرت انس ابن مالک ہیں۔ امام سفیان ثوری کا طریقہ یہ تھا کہ وہ مشہور محدثین جو مشہور رواۃ ہوتے تھے تو ان کا نام لینے کے بجائے کنیت ذکر کرتے تھے۔ اسی میں یہ ہے معمر ابن راشد مشہور و معروف ہیں، قتادہ ابن دعامہ تابعی یہ بھی معروف و مشہور ہیں اور حضرت انس ابن مالک کا تو پوچھنا ہی کیا۔ چوں کہ امام بخاری نے حدیث اس طریقے سے حاصل کی تھی کہ تمام رواۃ کے حالات سے بھی آشنا تھے کیوں کہ انھوں نے مدینہ منورہ ہی میں اٹھارہ سال کی عمر میں ''تاریخ کبیر'' لکھی تھی جس میں انھوں نے رجال حدیث کے احوال جمع کیے ہیں۔ چاندنی راتوں میں اس کو لکھا تھا، اس طور سے انھوں نے یہ حدیثیں حاصل کی اور اس کے بعد چھ لاکھ حدیثوں سے بخاری شریف کا انتخاب کیا اور ایک لاکھ صحیح حدیثوں سے پھر اس کا انتخاب کیا۔

امام ابن حجر عسقلانی کے مطابق دو ہزار سے کچھ زیادہ اس کے اندر حدیثیں ہیں جو مکررات کو حذف کر کے ہیں اور مکررات کو لے کر نو ہزار سے کچھ زیادہ حدیثیں ہیں اس

لیے یہ بھی نہیں کہنا چاہیے کہ بخاری میں جو حدیث نہیں ہے وہ حدیث ہے ہی نہیں۔ اگر دس ہزار بھی مان لیجیے تو امام بخاری کے پاس نوے ہزار حدیثیں تھیں وہ کیا ہوئیں؟ اس لیے یہ سمجھنا کہ بخاری میں جو حدیث ہے وہی حدیث ہے اور اس کے علاوہ جو ہے وہ حدیث ہے ہی نہیں۔ یہ بالکل غلط ہے کیوں کہ امام بخاری نے جب ان کو ایک لاکھ حد یثوں سے منتخب کیا اور صرف نو ہزار مکررات کے ساتھ اس کو جمع کیا ہے تو یقیناً اس کے علاوہ بہت حدیثیں رہ گئی ہیں ان کی تخریج انھوں نے نہیں کی۔ بعد کے محدثین نے ان میں سے بہت سی حدیثوں کی تخریج بھی کی ہے اس لیے وہ بھی روایت قابل ذکر اور قابل عمل ہیں اور معیار پر پوری اترتی ہیں۔ یقیناً ان سے احکام بھی اخذ کیے جائیں گے اور عقائد میں بھی ان کا ثبوت ہوگا۔ یہ امام بخاری کی کتاب ہے جو نہایت ہی بابرکت ہوئی اس وجہ سے کہ اس کی سند نہایت ہی قوی ہے اور ان کے فضائل اور مناقب بے شمار ہیں۔ وقت کی قلت کے پیش نظر اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ [1]

(۱) ماہ نامہ سنی دعوت اسلامی ۲۰۱۲ء ص ۵

علامہ محمد احمد مصباحی دامت برکاتہ کی تصانیف
تدوین قرآن
امام احمد رضا اور تصوف
تنقید معجزات کا علمی محاسبہ
شادی اور آداب زندگی
المواہب الجلیل لتجلیۃ مدارک التنزیل (عربی)
حدوث الفتن وجہاد اہل السنن (۱۳۲۱ھ)
حاشیہ جد الممتار الجزء الثانی
امام احمد رضا کی فقہی بصیرت
معین العروض
فرائض وآداب متعلم ومعلم
خلفاے راشدین اور اسلامی نظام اخلاق
رسم قرآنی اور اصول کتابت
رہنماے علم وعمل
شرک کیا ہے
اکسیر اعظم
فتاوی رضویہ: جہان علوم ومعارف
مقالات صدر العلما
Rs.250
Publisher & Distributer
Misbahi Publication, Muhammadabad, Mau
Mobile No. : 8188818465, 9506191193